प्रतिष्ठित संस्थान
INSTITUTION OF EMINENCE

مظفر حنفی کی علمی و ادبی خدمات

مقالہ برائے

پی ایچ ڈی اردو

مقالہ نگار

محمد خوشتر

رجسٹریشن نمبر:14HUPH01

نگراں

ڈاکٹر عرشیہ جبین

اسوسیٹ پروفیسر

شعبۂ اردو

اسکول آف ہیومانٹیز

یونیورسٹی آف حیدرآباد، گچی باؤلی، حیدرآباد، تلنگانہ۔500046

ستمبر 2022ء

اندر سے اچھے ہوتے ہیں اکثر ٹیڑھے ترچھے لوگ

جیسے افسانہ منٹو کا جیسے شعر مظفؔر کا

(مظفر حنفی)

فہرست

پیش لفظ

۱۔ **باب اول**

مظفر حنفی کی حالاتِ زندگی اور شخصیت

(الف) حالات زندگی

(ب) شخصیت

۲۔ **باب دوم**

مظفر حنفی کی شعری خدمات

(الف) حمد

(ب) نعت

(ج) منقبت

(د) غزل گوئی

(ہ) نظم نگاری

(و) رباعی گوئی

(ز) گیت

(ح) ترانے

(ط) دوہے

۳۔ **باب سوم**

مظفر حنفی کی نثری خدمات

(الف) افسانہ نگاری

(ب) ڈرامہ نگاری

(ج) سفرنامہ نگاری

(ہ) مکتوب نگاری

(د) تحقیق وتنقید

۴۔ **باب چہارم**

مظفر حنفی کی صحافتی خدمات

۵۔ **باب پنجم**

مظفر حنفی کی ترجمہ نگاری

۶۔ **باب ششم**

بچوں کا ادب

اختتامیہ

کتابیات

پیش لفظ

تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جو علیم و بصیر ہے۔ تخلیق انسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''علم الآدم الاسماء کلھا ''اور ''علم الانسان مالم یعلم'' (یعنی کہ انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ قرآن کی پہلی نازل ہونے والی سورۃ کی پہلی آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ''اقرأ باسم ربک الذی خلق ''(پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا) اور فاعتبروا یا اولی الابصار (غور و فکر کرو اے دیکھنے والو) یعنی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مقدس میں انسان کو علم جیسی اعلیٰ صفات سے متصف فرمایا۔ تمام جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر لاکھوں درود و سلام جنہوں نے فرمایا کہ طلب العلم فریضته علیٰ کل مسلم و مسلمۃ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اطلبو العلم ولو کان بالصین، علم کو حاصل کرو اگر چہ تمہیں چین جانا پڑے اور یہ بھی ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اطلبو العلم من المھد الی اللحد ،ماں کی گود سے قبر تک علم حاصل کرو۔ علم کے تعلق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور زمانہ شعر ہے۔

رضینا قسمت الجبار فینا
لنا علم وللجھال مال
فان المال یفنی عن قریب
وان العلم باقی لا یزال

علم کے بارے میں سعدی شیرازی کا یہ مشہور زمانہ قول کہ ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
در عمل تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے برو کتابی چند

اور علم سے متعلق اس فارسی شعر کو کون فراموش کر سکتا ہے ؎

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

ان سب اشعار کو پیش کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ علم اور اس کی طرف رغبت و دلچسپی دلانے کے لئے بڑے بڑے مفکرین، معلمین، مدرسین، فلاسفر، حکماء، اطباء، ادباء، شعراء اور اہل علم نے سو سو جتن کیے ہیں اور اس کی خوبیوں کو آشکارا کیا ہے۔ وہیں اس کے سیکھنے کے طریقے پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس کے ڈھیر سارے فائدے بھی شمار کرائے ہیں۔ علم کی دنیا میں تحقیق و ریسرچ ایک اہم کام ہے اور بنیادی علم کی اساس بھی۔ اس سے علم میں وسعت آتی ہے تو اسی کے ساتھ بہت سے بند راستے وا ہوتے ہیں تو تنگ راستے کشادہ۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے 'ریسرچ کیسے کریں؟' نامی کتاب کے صفحہ ۹ میں ریسرچ سے متعلق بڑی اچھی باتیں رقم کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> ''ریسرچ اصل میں سرچ سے اگلا قدم ہے۔ نئی معلومات فراہم کرنا، نیا مواد ڈھونڈ نکالنا، نئے مصادر اور نئے مصادر کی تلاش کرنا ''سرچ'' ہے اور اس دریافت شدہ مواد کی تفسیر و تعبیر، توضیح و تشریح، تاویل و توجیہ جس سے کسی مسئلے کے نئے پہلو سامنے آئیں، سوچنے کی ایک نئی جہت ملے، معلوم حقائق سے ایسے نتائج نکلیں جو نگاہوں سے اوجھل تھے۔ یہ سب ریسرچ کے ذیل میں آتا ہے''۔

چونکہ میری تحقیق کا موضوع ''مظفر حنفی کی علمی وادبی خدمات'' ہے۔اس موضوع پر کام کرتے وقت مواد کے سلسلے میں مجھے بھی چند دشواریوں کا سامنا رہا۔مظفر حنفی کی شخصیت اوران کے علمی وادبی کارنامے نیز ان کے فن جیسے عمیق اور گہرائی و گیرائی والے موضوع اور وسیع و بسیط عنوان پر پی ایچ ڈی کرنا اوران کے حق کو کماحقہٗ اجاگر کرنا اور حقدار را بحق رسید تک پہنچانا مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔پی ایچ ڈی کا خواب دیکھنا تو بہت آسان تھا لیکن اسے شرمندۂ تعبیر کرنا اوراور حقیقت کا جامہ پہنانا اتنا سہل نہیں تھا جتنا کہ سمجھا گیا۔اس کے لئے مختلف خارزاروں اور کٹھن وادیوں اور پریشانیوں سے گزرنا پڑا اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو اس مشکل مقام سے گزرا ہواور جس نے اس خاردار رہ گزر کا سفر کیا ہو۔الغرض اس سفر کے مسافر کو کامیابی کے ساتھ منزل تک پہنچنے کے لئے محنت وکوشش اور بہتوں کی دعا کے بعد ہی یہ راستہ کامیابی کے ساتھ منزل مراد کو پہنچا۔

مظفر حنفی اردو ادب میں اپنی متنوع اور گوناگوں تخلیقی صلاحیتوں کی وجہ سے جلد ہی شہرت کی بلندی پر فائز ہوئے۔انھوں نے بچوں کے ادب سے اپنی ادبی زندگی کی شروعات کی۔بعد میں افسانے اورڈرامے بھی لکھے تو اسی کے ساتھ شاعر،ناقد اورمترجم کی حیثیت سے بھی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔مظفر حنفی پر ۱۹۸۴ء میں محبوب راہی نے پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا تھا۔اس کے بعد سے اب تک ان پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا تھا،جبکہ اس کے بعد مظفر حنفی نے کئی کتابیں اور کئی مقالے تحریر کئے۔راقم نے دوران تحقیق ان کے مضامین اوران کی غزلیات کو اخبارات ورسائل میں پڑھا تھا تبھی سے مظفر حنفی کی شخصیت اوران کی علمی و ادبی خدمات پر تحقیقی کام کرنے کی طرف رغبت ہوئی۔میں نے اپنی نگراں سے اس موضوع پر کام کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے منظوری دے دی۔سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر مظفر علی شہ میری، سابق شیخ الجامعہ عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول،آندھرا پردیش اور شعبہ کے دیگر اساتذہ کی منظوری کے بعد میرے مقالہ کا عنوان ''مظفر حنفی کی علمی و ادبی خدمات'' طے پایا۔میں نے اپنے مقالے کو جملہ چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

بـــــاب اول ''مظفرحنفی کی حالات زندگی اورشخصیت'' کےعنوان سے ہے جسے دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔حصۂ الف حالات زندگی اورحصۂ ب شخصیت ہے۔ پہلے باب میں پروفیسر مظفرحنفی کی حالات زندگی یعنی ولادت تعلیم وتربیت، ملازمت،شادی، اولاد، ادبی سفر، سیرو سیاحت، انعامات واعزازات اورانتقال وغیرہ سے متعلق معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ باب اول کا دوسرا حصہ شخصیت سے متعلق ہے جس میں مظفرحنفی کا حلیہ، لباس، رہن سہن، گفتار، غذا وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی سیرت وکردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بـاب دوم ''مظفرحنفی کی شعری خدمات'' کےعنوان سے ہےاس باب میں ان کے تحریر کردہ حمد، نعت، منقبت، غزل گوئی نظم نگاری، رباعی گوئی، قطعات دوہے اور گیت وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

بـــاب ســوم ''مظفرحنفی کی نثری خدمات'' پر مشتمل ہے۔اس باب میں ان کی افسانہ نگاری، ڈرامہ نگاری، سفرنامہ نگاری اورمکتوب نگاری کے ساتھ ان کی تحقیقی وتنقیدی خدمات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

بـــاب چھـــارم ''مظفرحنفی کی صحافتی خدمات'' کےعنوان سے ہے۔اس باب میں مظفرحنفی کی صحافتی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے رسالہ ''نئے چراغ'' سے ان کی وابستگی اوراس سے متعلق ان کی خدمات کو پیش کیا گیا ہے۔

باب پنجم ''مظفرحنفی کی ترجمہ نگاری'' سے متعلق ہے۔اس باب میں مظفرحنفی کی ترجمہ نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی ترجمہ نگاری کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب ششم ''بچوں کا ادب'' سے متعلق ہے۔اس باب میں مظفرحنفی نے ادب اطفال پر جو نظمیں اور کہانیاں تحریر کی ہیں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مظفرحنفی نے ادب کی تقریباً تمام شعری ونثری اصناف میں اپنی تخلیقی وعلمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ادب کے تئیں سچی محبت، گہری لگن و جستجو،محنت کا جذبہ اورجہد مسلسل کے ذریعے ادب میں انہوں نے خود اپنا ایک اہم مقام

بنایا۔ بحیثیت شاعر، ادیب، مترجم، محقق و ناقد کے ادب کے ہر شعبہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ اسلوب ہی شخصیت ہے کہ مصداق ان کی شخصیت کی بعض اہم خوبیاں ان کے اسلوب میں در آئیں۔ مثلاً خلوص، محبت، ہمدردی اور اعتدال و توازن جوان کی شخصیت کی اہم خصوصیات ہیں وہی ان کی تحریروں میں بھی نظر آتی ہیں۔ بحیثیت صحافی ہو یا مدرس یا پھر ادیب و ناقد انھوں نے اپنی شخصیت کے اعتدال و توازن، خلوص و محبت کے جذبات کو بروئے کار لا کر ادب میں اپنا ایک مخصوص مقام بنایا ہے اور اسی انفرادیت کی وجہ سے ان کا شمار اردو کی نمایاں ادبی ہستیوں میں ہوتا ہے۔

شکریہ کے فرائض میں سب سے پہلے اپنی نگراں میری مشفق استاد و نگراں محترمہ ڈاکٹر عرشیہ جبین صاحبہ کا جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات اور گھریلو ذمہ داریوں کے باجود اصلاح کے لئے اپنا قیمتی وقت دیا۔ ان کا دل کی عمیق گہرائیوں سے میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہیں کی مشفقانہ، مربیانہ محنت و لگن اور سرپرستی سے میں اس لائق ہوا کہ یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہونچا سکا۔ شعبۂ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد کے اساتذہ میں جن کا خلوص و تعاون حاصل رہا ان میں پروفیسر سید فضل اللہ مکرم صدر شعبہ ٔ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد، ڈاکٹر حبیب نثار، ڈاکٹر اے۔ آر منظر، ڈاکٹر محمد کاشف، ڈاکٹر نشاط احمد، ڈاکٹر رفیعہ سلیم اور ڈاکٹر محمد زاہد الحق کا دل کی عمیق گہرائیوں سے مشکور و ممنون ہوں۔

دوران تحقیق مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے اساتذہ میں پروفیسر نسیم الدین فریس، پروفیسر سید علیم اشرف جائسی، پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، پروفیسر احتشام احمد خان اور پروفیسر محمد فریاد اور ڈاکٹر محمد جمال الدین اور آفتاب عالم بیگ جو میرے لئے بڑے بھائی کا درجہ رکھتے ہیں کی دعائیں، الفتیں، محبتیں اور مشورے بھی شامل حال رہے۔ میں ان سب کی محبتوں اور خلوص کا شکر گزار ہوں۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں پروفیسر مظفر حنفی صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے ضعیفی اور اپنے پڑھنے لکھنے کی مصروفیات کے باوجود مجھے دہلی آنے کا موقع فراہم کیا۔ ان کے تعاون اور مواد کی فراہمی کے بغیر میرا مقالہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ انہوں نے نہ صرف انٹرویو دیا بلکہ بہت سی کتابیں اور مواد فراہم کیا میں ان کے اس مخلصانہ تعاون کے لئے ان کے حق میں دعا گو ہوں کہ اللہ پاک انہیں

جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔ پروفیسر مظفر حنفی اوران کی فیملی کے تمام افراد خاص طور پر فیروز مظفر اور پرویز مظفر کا دلی شکریہ کہ انہوں نے گاہے بہ گاہے مواد کی فراہمی میں بھرپور مدد کی اس لیے ان دونوں کے خصوصی شکریے کے ساتھ ان کے تمام افراد خانہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مقالے کی تکمیل میں میرے خاندانی بزرگوں اور ماں باپ کی دعائیں شامل رہیں۔اس تحقیقی کاز کے دوران میں نے اپنی اکلوتی بہن رعنا بانو کو کھویا تو ماں جیسی عظیم نعمت یعنی شاہینہ بانو کے سایۂ شفقت سے بھی محروم ہوا۔وہیں اکلوتی پھوپھی اکرمہ طیبہ اور پھوپھاڈاکٹر جنید عالم نے بھی اس دنیا کو الوداع کہا،اللہ پاک ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین ثم آمین۔والد عزیر احمد کا پیار اور بھائی بہنوں کی یادگار اور آپا کا عطیہ سبھی زحمتوں اور رحمتوں کے ساتھ میرا کام آگے بڑھاتا رہا۔میرے بہنوئی فیاض احمد کی فیاضی بھی رہی ہے۔ان سبھی کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں مقالے کے کمپوزر اخلاق الرحمٰن اور اپنے شعبے کے نان ٹیچنگ اسٹاف کرشنا بھائی،سری سلیم کا بھی ممنون ہوں اور گاؤں کے ان بوڑھے بزرگ مرد وخواتین کا بھی جو دوران پی ایچ ڈی مجھ سے پوچھا کرتے کہ بیٹا!''تو کون چی کر ہین؟ میں پڑھ رہا ہوں''،کون چی پڑھ ہین''پی ایچ ڈی'' ''ای کیا ہوہے؟''اس میں کتاب لکھنی پڑتی ہے،''جا بیٹا!بڑھیاں سے پڑھبے اور اچھا سے لکھبے اور ہمرائیر کا اور گاؤں کا نام روشن کربے''۔اور خاص طور پر اپنے ان تمام بھائیوں،ساتھیوں،رفیقوں اور دوستوں کا جن کا ساتھ ہر لمحہ رہا ہے،شکر گزار ہوں۔

میں تمام دوستوں، بہی خواہوں، مربیوں اور مہربانوں کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا ہوں، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔اللہ پاک سبھی کو جزائے خیر دے،ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد۔

طالب دعاء

محمد خوشتر ابن عزیر احمد (ایم فل اردو)

باب اوّل

مظفر حنفی کی حالاتِ زندگی اور شخصیت

(الف) حالات زندگی

(ب) شخصیت

خاندانی حالات

مظفر حنفی کے آباء واجداد اتر پردیش کے فتح پور سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہی فتح پور جہاں سے علامہ نیاز فتح پوری اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا تعلق ہے۔ ویسے تو یوپی کے بہت سارے قصبے اپنی شہرت آپ رکھتے ہیں، خواہ ان کی وجہیں علمی وادبی شخصیتیں ہوں، صنعت وحرفت ہو، خواہ خانقاہیں ہوں یا پھر دینی مدارس ہوں یا یونیورسیٹیاں۔ اسی طرح اتر پردیش کے بہت سارے اضلاع بھی ہند اور بیرون ہند اپنی انفرادی نوعیت اور مختلف خصوصیات کی بنا پر مشہور ہیں۔ فتح پور ضلع کی موجودہ آبادی ۲۶،۷۵،۳۸۴ (چھبیس لاکھ پچھتّر ہزار تین سو چوراسی) ہے اور خواندگی کا فیصد 58.6% ہے۔ فتح پور کی سرزمین کاشت کاری کے لئے بھی مشہور ہے۔ مختلف پیداوار سے کسان اپنی اور اپنے خاندان کی کفالت کرتے ہیں تو یہی ضلع اپنی مختلف علمی وادبی خدمات کی وجہ سے بھی شہرت رکھتا ہے۔ اس ضلع میں ایک سے بڑھ کر ایک شاعر وادیب پیدا ہوئے ہیں اور ان ادیب وشاعر نے اپنا، گاؤں، خاندان، علاقہ اور ملک کے نام کو بھی روشن کیا ہے، مثال کے طور پر نیازؔ فتح پوری، فرمان فتح پوری، مظفر حنفی اور موجودہ دور کے فاروق ارگلی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یوں تو روز دنیا میں لاکھوں لوگوں کی پیدائش ہوتی ہے اور بہت سے اپنی عمر تمام کر کے ہمیشہ کے لئے دنیا کو الوداع کہتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے افراد ہوتے ہیں کہ صرف اپنا کام ختم کر کے دنیا کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں اور دنیا میں ان کا نام لیوا تک نہیں ہوتا۔ لیکن اسی دنیا میں اپنی آنکھیں کھولنے والی کچھ شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کہ اپنے کام سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔ انہیں شخصیات میں ایک نام مظفر حنفی کا ہے جنہوں نے ہندو ستان کی آزادی کے وقت سے ہی اپنی گوناگوں تخلیقی صلاحیتوں کی وجہ سے جلد ہی شہرت کی بلندی پر فائز ہوئے۔ بچوں کے ادب سے اپنی ادبی زندگی کی شروعات کی۔ پہلے محمد ابوالمظفر کے قلمی نام سے لکھتے تھے بعد میں مظفر حنفی نام اختیار کیا۔ درجنوں کتابوں کے وہ مصنف ومئولف مرتب ومترجم ہیں۔ مظفر حنفی کا وطن مالوف قصبہ ہسوہ ضلع فتح پور اتر پردیش ہے۔ ان کے والد عبدالقدوس ہیں۔ مظفر حنفی

اردو ادب کی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ۔ یو پی کا مشہور قصبہ ہسو ہ اور معروف ضلع فتح پور سے ان کا تعلق ہے۔ مظفر حنفی کے دادا مان پور (ضلع فتح پور، یو پی) کے لٹے پٹے زمیندار عبدالشکور تھے جنہوں نے قصبہ ہسو ہ (فتح پور) کے میاں جی حسین بخش کی اکلوتی بیٹی زیب النساء سے شادی کی۔ اپنے سسر میاں جی کے انتقال کے بعد ہسو ہ ہی میں انہوں نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کے فرزند عبدالقدوس مظفر حنفی کے والد تھے۔ والدہ سیدہ خاتون فاطمہ ایرایاں سادات (فتح پور) کے میر ولایت حسین کی بیٹی تھیں۔ عبدالقدوس اور فاطمہ کے گھر یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو بدھوا بازار کھنڈوہ مدھیہ پردیش کے گھر ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جن کا اصل نام محمد ابوالمظفر رکھا گیا بعد میں وہ اپنے قلمی نام مظفؔر حنفی کے نام سے پہچانے گئے۔ کچھ سالوں تک اپنی تخلیقات میں نام کے ساتھ 'ہسو ی' بھی لکھتے رہے۔ مظفر حنفی سے قبل اس خاندان میں ان کی دو بڑی بہنیں عزیز فاطمہ اور شفیق فاطمہ تولد ہو چکی تھیں۔ ان کے دو برس بعد چھوٹی بہن انیس فاطمہ پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کھنڈوہ کے مین اُردو اسکول میں استاد تھے۔ غالباً چالیس پینتالیس روپے ماہانہ پاتے تھے لیکن سستے کا زمانہ تھا، چھ افراد پر مشتمل یہ کنبہ بدھوا بازار میں ایک کرائے کے مکان میں نچلے متوسط طبقے جیسی قناعت اور اطمینان کی زندگی گزر بسر کر رہا تھا۔ موروثی زمینداری ختم ہو چکی تھی لیکن ان کے یہاں اس کی نشانی باقی تھی۔ طریقے اور سلیقے سے رہتے تھے۔ استری ٹوٹی نہیں کہ کپڑے نا قابلِ استعمال ہو جاتے تھے۔ قمیص، پائجامہ مع شیروانی اور تُرکی ٹوپی پہنتے تھے۔ پائجامے میں گھٹنا نکلا کہ دھوبی کے یہاں گیا۔ دوسرے کپڑے تو کُجا، شیروانی میں بھی کہیں چھوٹا سا سوراخ ہو جاتا تو وطن کے پَرچوں میں بانٹنے کے لئے اُتار دی جاتی۔ جوتے ہمیشہ چمچماتے رہتے اور ترکی ٹوپی ہر دو تین سال میں بدل دی جاتی تھی۔ ان کے والد کی تحریر خوبصورت تھی۔ شہر کے مشہور اور بے حد مقبول استاد تھے۔ تھوڑا بہت شاعری کا بھی ذوق وشوق رکھتے تھے اور منشؔی تخلص کے ساتھ شاعری کرتے تھے لیکن اُن کی شاعری کلاس روم کے طغروں اور شاگردوں کے حافظے میں ہی جگہ پاتی تھی۔ اُس زمانے میں کھنڈوہ کے درجنوں اُردو

اسکولوں میں اُن کی ہی مناجات سے پڑھائی شروع ہوتی تھی۔ پہلی سے چوتھے درجے تک تمام جماعتوں میں نظم خوانی کا ایک پریڈ ہوا کرتا تھا جن میں مظفر حنفی کے والد عبدالقدوس منشی کی نظمیں ''تکلی''، ''جامن''، ''بکری''، ''چڑیا''، اور ''آم'' وغیرہ باقاعدگی سے پڑھی جاتی تھیں۔ وہ ''ایک اور ایک ہوتے دو''، ''آم ہیں میٹھے چکھ کر لو'' اس طرح کی منظوم شاعری کرتے تھے۔ مظفر حنفی کا نام جان بوجھ کر ایک ایسے اسکول میں لکھوایا گیا جہاں ان کے والد نہ ہوں۔ چونکہ مین اُردو اسکول سے اُن کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ اس لئے وہیں پہلی جماعت میں انہیں اور تیسری جماعت میں ان کی بہن کو داخلہ ملا۔ اب انہیں باقاعدگی سے وہاں پڑھنا پڑا۔ مظفر حنفی کو ابتدا سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا والد سے شکایت کی تو انہوں نے بچوں کے دو تین رسالے جاری کرا دیے، ان میں ایک ''پھول'' (لاہور) بھی تھا جس کے مدیر حفیظ جالندھری یا احمد ندیم قاسمی تھے۔ مظفر حنفی کے لئے ان رسالوں کی کہانیوں اور نظموں سے اتنی دلچسپی تھی جو کسی کھیل میں نہیں تھی۔ تیسری جماعت میں تھے کہ ۱۹۴۲ء میں انہیں ان کی والدہ اور بہنوں کے ساتھ ایرایاں بھیج دیا گیا۔ انہیں یہ بستی ابتداء میں بہت اجنبی اور عجیب سی لگی، کیوں کہ یہاں کے بچے 'ہم کا'، 'تم کا' بولتے تھے اور ان کے 'ہمارے کو'، 'تمہارے کو' کہنے پر بہت ہنستے تھے۔ اس کی وجہ سے انہیں زبان کو احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی عادت بچپن ہی سے پڑ گئی۔ بچپن میں ان کے نانا اور ماموں انہیں کسی بھی گلی، کھیت یا میدان میں کھیلتے دیکھ کر بڑی بے تکلفی سے سرزنش کرتے تھے لیکن ساتھ ہی انہیں گڑ، بھنے ہوئے چنے، لائی اور موسم کے پھلوں سے دامن بھر دیتے تھے۔ مظفر حنفی اپنی والدہ کو آپا اور والد کو چچا میاں کہتے تھے۔ گھر میں آپا کی شخصیت بڑی دلچسپ تھی۔ وہ صوم صلوٰۃ کی پابند بہت سادہ لوح بی بی تھیں۔ مظفر حنفی کی والدہ بیس سے آگے کی گنتی نہیں گن سکتی تھیں لیکن بچوں کی تعلیم اور تربیت کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ مستعد واقع ہوئی تھیں۔ وہ سب کو ٹوٹ کر چاہتی تھیں لیکن پڑھائی کے سلسلے میں جم کر سختی کرتی تھیں۔ ان کی دونوں بڑی بہنیں پرائمری مکمل کرنے کے بعد قصبے میں لڑکیوں کے اسکول نہ ہونے کی وجہ سے

پردے میں بٹھادی گئیں کہ گھر ہی میں رہ کر پڑھیں۔ چھوٹی بہن انیس فاطمہ ابھی چھوٹی تھی۔ مظفر حنفی ہی آپا کی توجہ کا مرکز تھے۔ اسکول کے علاوہ عربی پڑھنے کے لئے ایک مکتب میں بھی جانا پڑتا تھا۔ جہاں کے مولوی صاحب ذہنی طور پر انہیں تھوڑی بہت آزادی دیتے تھے۔ صبح سات بجے سے نو دس بجے تک اور شام کو پانچ بجے سے سات بجے تک اُن کی خدمت میں حاضر رہ کر مختلف دُعائیں رٹتے اور قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اُس بزرگ نے مار مار کر ابتدائی دو تین پاروں کا ان کو حافظ بنا دیا تھا۔ شاید اس مکتب کی سختیوں کا اثر ہے کہ ثوابِ طاعت وزہد کا علم ہونے کے باوجود رسمی عبادتوں کے سلسلے میں ان کی دلچسپی واجبی سی رہ گئی تھی۔ تیسری جماعت کا امتحان ہوا تو وہ پاس ہو گئے تھے۔ سب کو اور خاص طور پر ان کی آپا (والدہ) کو حیرت تھی۔ چوتھی جماعت میں بھی یہ سارے جھمیلے جھیلنے پڑے اور کڑاکے کی سردی میں مولوی صاحب کبھی رات کے گیارہ بجے گھر پر نازل ہو جاتے اور انہیں بیدار کر کے مردانے میں بھیج دیا جاتا اور حسب فرمائش سپارے قرأت کے ساتھ بہ آوازِ بلند سناتے تھے۔ اس طرح ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت میں ان کے والدین اور آپا (سیدہ خاتون فاطمہ) کی محبتوں محنتوں، کوششوں اور توجہ کا خاص طور پر اثر رہا ہے۔

بھائی اور بہنیں

مظفر حنفی سے بڑی دو بہنیں تھیں۔ عزیز فاطمہ کی شادی ہسوا فتحپور میں سید صدیق ہاشمی سے ہوئی ان کے ایک لڑکے سید اشفاق ہاشمی تھے ان کا بھی اپریل ۲۰۲۱ء میں انتقال ہو چکا ہے۔ شفیق فاطمہ کی شادی کورا یں فتحپور میں محمد یعقوب سے ہوئی تھی ان کو چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے محمد منصور اور محمد شکیل ہیں۔ چھوٹی بہن کا نام انیس فاطمہ ہے جو سید بشارت حسین سے کانپور میں بیاہی گئی تھیں ان کو دو بیٹی اور تین بیٹے شجاعت حسین، شفاعت حسین اور امانت حسین ہیں۔ مظفر حنفی کی تینوں ہمشیرہ اور بہنوئی کا انتقال ہو چکا ہے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

پروفیسر مظفر حنفی نے کئی جگہوں پر اپنی پیدائش سے متعلق رقم کیا ہے کہ ان کی ولادت یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو کھنڈوہ مدھیہ پردیش میں ہوئی۔ ابتدائی زندگی کھنڈوہ مدھیہ پردیش میں گزاری اور پھر ہسوہ اپنے آبائی گاؤں میں۔ چوں کہ ان کے والد میونسپل اسکول میں معلم کے فرائض انجام دے رہے تھے، اسی لئے ابتدائی تعلیم بھی کھنڈوہ مدھیہ پردیش سے حاصل کی۔ مکان بدھوا بازار میں تھا۔ ان کا وطن اصلی ہسوہ ضلع فتح پور اتر پردیش تھا۔ اس لئے اپنے نانیہال میں رہ کر تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد کچھ سالوں تک دادیہال میں پڑھائی کی اور اسی طرح مزید تعلیم کے حصول کے لئے کانپور کا بھی رخ کیا اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی سے پرائیویٹ سے بی اے اور ایم اے کی تکمیل کی تو برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال سے پروفیسر عبدالقوی دسنوی کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی مکمل کی۔ دریں اثنا نظامت فاصلاتی تعلیم سے وکالت کی تعلیم بھی مکمل کی۔

۱۹۴۰ء میں اردو اسکول کھنڈوا مدھیہ پردیش میں مظفر حنفی نے پہلی جماعت میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۱ء میں والدہ اور تینوں بہنوں کے ساتھ ایرایاں (ضلع فتح پور، اتر پردیش) منتقل ہو گئے اور یہی گاؤں مظفر حنفی کا نانیہال بھی ہے۔ یہاں تیسری اور چوتھی کلاس تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۹۴۳ء میں ہسوہ، ضلع فتح پور، اتر پردیش کے آبائی مکان میں اپنے خاندان کے ساتھ سکونت اختیار کی اور ورنا کیولر مڈل اسکول کی پانچویں جماعت میں داخلہ لیا۔ ان کے اس وقت کے اساتذہ میں مولوی شبراتی اور پنڈت ستیہ نرائن شامل تھے اور دوستوں میں معین الدین جگنو، محمود حسن، شریف الحسن، فرقان علی اور کپور سنگھ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں ورنا کیولر مڈل اسکول کی ساتویں کلاس اول درجے میں کامیابی حاصل کی اور بورڈ کی میرٹ لسٹ میں جگہ پائی جو اس زمانے کا اہم اور شاندار تعلیمی اعزاز تھا۔ اس کے بعد پھر کھنڈوا لے جائے گئے جہاں عبدالشکور ہیڈ ماسٹر نے اردو اسکول میں انہیں ابتدائی انگریزی کے درس دیے۔ قیام وطعام تایازاد بھائی سیٹھ مظہر الدین کے ہاں رہا اور وہیں پڑھتے اور

آگے بڑھتے رہے۔۱۹۴۷ء میں ایم ایم اینگلو مڈل اسکول کھنڈوا میں ساتویں جماعت میں داخلہ ملا اورڈ بیٹنگ سوسائٹی کے سکریٹری بھی مقرر ہوئے استادوں میں احسان الحمید نے بہت زیادہ ہمت و حوصلہ افزائی کی ۔ دوستوں میں حکیم قریشی، محمد فاروق اور سلطان احمد خاص تھے۔۱۹۴۸ء میں اینگلو مڈل اسکول کا امتحان (آٹھویں جماعت) درجہ اول میں پاس کیا اور ضلع کے تمام اردو، ہندی، مراٹھی مڈل اسکولوں میں پہلی پوزیشن پائی۔کلکٹر کے ہاتھوں بی بی سونی پرائز حاصل کی تھی اوران کے لئے یہ ایک بڑا اعزاز تھا۔انہوں نے ۱۹۴۸ء ہی سے بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے چٹکلوں پر مشتمل کہانیاں بھی لکھنی شروع کیں۔۱۹۴۹ء سبھاش ہائی اسکول کھنڈوا میں نویں کلاس میں داخلہ لیا اور پھر مزید تعلیم کا سلسلہ یکسر منقطع ہوگیا لیکن اردو کتابیں پڑھنے اوراس کے مطالعہ کا شوق انتہاء کو پہنچ گیا تھا۔نویں سے گیارہویں کلاس تک کے بہترین دوستوں میں رام کرشن جوشی، مدن لال سیٹھی ، رضا حسن وغیرہ شامل تھے ۔اساتذہ میں سکرگائے صاحب اورمودی صاحب سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔۱۹۵۲ء میں سکنڈری ایجوکیشن بورڈ ناگپور سے ہائر سکنڈری امتحان سکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔جس میں ان کے مضامین ہندی، انگریزی، ریاضی، جغرافیہ اور سائنس تھے اور ذریعہ تعلیم ہندی تھا جس سے پہلی بار ان کو سابقہ پڑا تھا اس دوران چچازاد بھائی مسلسل ان کی تعلیم کے خلاف رہے وہ انہیں اپنے بڑے اوراہم کاروبار میں شریک کرنا چاہتے تھے مگر ان کا دل ودماغ تعلیم کی طرف مائل تھا اس لئے وہ کاروبار میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔اسی سال مظفر حنفی جامعہ اردو (علی گڑھ) کے امتحان ادیب ماہر میں درجہ اول سے کامیاب بھی ہوئے۔۱۹۵۶ء میں ادیب ماہر کی بنیاد پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اوران کے ناول نسیم بک ڈپو لکھنو نے شائع کئے ۔ یہ دونوں ناول انگریزی سے ماخوذ تھے۔اب یہ ناول مفقود ہے۔۱۹۵۷ء میں جامعہ اردو کے امتحان ادیب کامل میں درجہ اول سے کامیابی حاصل کی۔

ابتدائی تعلیم کھنڈوہ، مدھیہ پردیش سے حاصل کی پھر اپنے علاقہ ہسوہ آگئے اور پھر سیہور اوراس کے بعد پھر کھنڈوہ گئے جہاں سے میٹرک کی تعلیم کی تکمیل کی پھر انٹر کانپور سے اور جامعہ اردو علی

گڑھ سے بی،اے اور ایم اے کی تعلیم مکمل کی۔نظامت فاصلاتی تعلیم یعنی کہ پرائیویٹ سے ایل ایل بی بھی پاس کیا اور جب تحقیق کی طرف مائل ہوئے تو اپنے استاد روحانی و مربی شاؔد عارفؔی پر تحقیقی کام برکت اللہ یونیورسیٹی بھوپال مدھیہ پردیش سے ڈاکٹر عبدالقوی دسنوی کے زیرنگرانی بعنوان ''شاؔد عارفی فن اور شخصیت'' پر پی ایچ ڈی کی تکمیل کی اور اس یونیورسٹی کے اولین ریسرچ اسکالر ہونے کا اعزاز بھی انہیں حاصل رہا۔مظفر حنفی کی زندگی کی مشغولیات و مصروفیات کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی ابتدائی زندگی اتھل پتھل کا شکار تھی اور وہ یکسوئی کے ساتھ ایک ہی جگہ اور ایک ہی اسکول میں پہلی کلاس سے دسویں جماعت تک بھی کامیابی کے ساتھ پڑھ نہ سکے۔اس کی کئی وجوہات تھیں ان میں سے ایک خاص وجہ والد کی سرکاری ملازمت تھی جو کہ کھنڈوہ میں تھی اور پھر نانیہال اور دادیہال کا لاڈو پیار تھا تو چچازاد بھائی کی تجارت اور ان کے یہاں رہائش بھی۔ایک اہم اور خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے عین ابتدائی پڑھائی کے زمانے میں ہی ہندوستان میں آزادی کا بگل بج گیا تھا۔آزادی کی لڑائی میں جہاں وطن عزیز کو انگریزوں کی غلامی سے نجات اور آزادی ملی تھی وہیں تقسیم ہند کا المیہ بھی پیش آیا تھا ایسے حالات میں انہوں نے تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھا اسی سے ان کی تعلیم کے تئیں رغبت و دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہی محنت و لگن ان کی کامیابی و کامرانی کی دلیل ہے۔

ملازمت

زندگی کی چکی چلانے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے آدمی کیا کیا نہیں کرتا،سوسوجتن کرتا ہے مظفر حنفی نے بھی مختلف کام کیے اور ان مع العسر یسراً یعنی کہ بے شک پریشانی کے بعد آسانی ہے۔ابتدائی جدوجہد کا ثمرہ بعد میں ان کے لئے نفع بخش ثابت ہوا بایں طور کہ من جدّ وجد (جس نے کوشش کی پایا) کہ مصداق وہ اقبال چیر کلکتہ کے پروفیسر بھی بنے۔مظفر حنفی نے اپنی زندگی میں کئی ملازمتیں اختیار کی اور کئی کو الوداع بھی کہا اس حیثیت سے وہ خوش نصیب واقع ہوئے ہیں کیوں کہ موجودہ دور میں ایک سرکاری ملازمت میسر آنا مشکل ہوتا ہے، چہ جائیکہ انہیں کئی ملازمتیں ملیں۔ان

کی پوری زندگی خاص طور سے ابتدائی زندگی جد وجہد سے پر تھی جس کا ثمرہ بعد میں صبر کے پھل کے طور پر ظاہر ہوا، اور من جد وجد کے تحت ہوا یوں کہ مدھیہ پردیش کے محکمۂ جنگلات سے منسلک ہوئے تو بعدہ NCERT میں نوکری ملی پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں لکچرر شپ کی ملازمت حاصل کی اور ترقی کرتے ہوئے ریڈر بنے اس کے بعد کلکتہ یونیورسیٹی میں اقبال چیر کے پروفیسر بھی بنے۔ان کی ابتدائی ملازمت اور تعلیمی دور کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صبا تحریر کرتی ہیں:

''۱۹۷۰ء اکاؤنٹینٹ کی حیثیت سے ترقی، فن کدہ سیہور سے ان کے افسانوں کا مجموعہ ''دیدۂ حیراں'' منظر عام پر آیا۔۱۹۷۱ء ایم اے (اردو) میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب۔برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال میں پہلی پوزیشن ۲۹/اگست کو پانچویں بیٹے عرفان کی پیدائش۔رسائل سے تلاش کر کے ان کا مرتب کردہ شاد عارفؔی کی نظموں کا مجموعہ، شوخی تحریر، نسیم بک ڈپو لکھنو کے وسیلے سے منظر عام پر آیا۔ پروفیسر عبدالقوی دسنوی کی نگرانی میں بھوپال یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لئے، شاد عارفی کے فن اور شخصیت، پر تحقیق کے لئے بے حد کدو کاوش کے بعد رجسٹریشن ہوا۔۱۹۷۲ء گورنمنٹ کالج سیہور کے پچاس سے زائد امیدواروں میں تنہا مظفر حنفی ایل ایل بی فائنل کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔۱۹۷۳ء سال بھر میں تحقیقی مقالہ مکمل کر کے خصوصی اجازت سے یونیورسٹی میں داخل کیا۔شاد عارفی کے رنگ میں کہی گئی غزلوں کا مجموعہ ''صریر خامہ'' شائع ہوا جسے اتر پردیش کی اردو اکادمی سے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔۱۹۷۴ء برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔'' 1

ابتداء میں محکمہ جنگلات مدھیہ پردیش میں (۷۴۔۱۹۶۰ء) کلرک کی ملازمت ملی پھر اسسٹنٹ پروڈکشن آفیسر (۷۶۔۱۹۷۴ء) نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، دہلی کی حیثیت سے کام کیا پھر ریڈر کی حیثیت سے جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی (۸۹۔۱۹۷۶ء) میں

ملازمت کی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں انہیں اس وقت نوکری ملی جب مسعود حسین خان وائس چانسلر تھے، خود مظفر حنفی اس تعلق سے لکھتے ہیں:

''کچھ عرصہ قبل مسعود حسین خاں وائس چانسلر تھے میرا تقرر انہیں کے دور میں ہوا تھا ایکسپرٹس میں آل احمد سرور، گیان چند جین اور نورالحسن ہاشمی تھے''۔ 2

۱۹۸۹ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے ملازمت سے سبکدوشی کے بعد اقبال چیئر میں بطور سینئر پروفیسر۔ کلکتہ یونیورسیٹی، کلکتہ میں ان کا تقرر ہوا۔ ۲۰۰۱ء۔ ۱۹۸۹ء تک وہ وہیں رہے اس کے بعد کلکتہ ہی سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

شادی

مظفر حنفی نے نوعمری ہی میں شادی کر لی تھی، یعنی کہ ۹/ نومبر ۱۹۵۹ء کو ان کی شادی شہر الہ آباد کے ایک محلّہ کٹرہ میں سید احمد کاظمی کی اکلوتی صاحبزادی سیدہ عاصمہ خاتون سے ہوئی۔ پروفیسر مظفر حنفی ڈاکٹر محبوب راہی کو مورخہ ۲۰/ فروری ۱۹۸۲ء کے خط میں تفصیل سے اپنی شادی کے تعلق سے یوں لکھتے ہیں:

''میری شادی ۹/ نومبر ۱۹۵۹ء کو ہوئی تھی۔ بارات ہسوہ (فتحپور) سے الہ آباد گئی تھی۔ عاصمہ کے والد مرحوم کا نام سید محمد کاظمی تھا ان کا انتقال شادی سے قبل ہو چکا تھا ان کی والدہ مرحومہ کا نام سیدہ حشمت النساء تھا جن کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا۔ نانیہال اور دادیہال ہر دو جانب سے ورثے میں کافی بڑی زمینداری ان لوگوں کے پاس تھی کٹرہ (مانکپور) کے قرب و جوار میں کئی گاؤں ان کی زمینداری میں تھے جو خاتمہ زمینداری کی نذر ہوئے۔ یہ اکلوتی لڑکی تھیں ان کے صرف ایک بڑے بھائی ظہور کاظمی تھے (تقریباً سولہ سال بڑے) لاڈ پیار میں پڑھ نہیں سکے۔ محکمہ جیل میں وارڈر تھے اب استعفیٰ دے کر پاکستان جا رہے ہیں کوئی دوسرا

قریبی عزیز نہیں رہ گیا۔نوح ناروی، وحیدالہ آبادی،صدیق حسن (ای سی ایس)
وغیرہ ان کے دور کے اعزا میں سے ہیں''۔3

مظفر حنفی کی ازدواجی زندگی خوشگوار رہی۔ کچھ عرصہ قبل ان کی شریک حیات فراش تھیں ان کی دیکھ ریکھ میں مظفر حنفی نے کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ان کی شادی کو ایک طویل عرصہ ہو چکا تھا مگر دونوں میں آپسی محبت اور ایک دوسرے کا خیال بہت تھا۔اپنے والدین کی آپسی محبت اور ایک دوسرے کے خیال رکھنے کے تعلق سے پرویز مظفر کہتے ہیں:

''کئی بار ایسے مواقع آئے ان کا (مظفر حنفی) پروگرام ہے، مشاعرہ ہے، بڑے معاوضے پر باہر جانا ہے لیکن ممی کی تھوڑی سی طبیعت خراب ہوگئی تو پاپا اپنے پروگرام ملتوی کر دیں گے، ہم لوگ کئی بار کہتے کہ آپ چلے جایئے ہم ہیں تو، مگر وہ نہیں مانتے، ہر انسان کے چاہنے کے انداز الگ ہوتے ہیں اور ہمارے پاپا کا یہ انداز نرالا ہے۔ ہماری ممی تو کئی بار پاپا کو اپنی طبیعت کے بارے میں بتاتی ہی نہیں ہے مگر پاپا کو جانے کیسے معلوم ہو جاتا ہے''۔4

پرویز مظفر کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مظفر حنفی اپنی شریک حیات سے کس قدر محبت رکھتے ہیں کہ وہ ان کی بیماری کا اندازہ لگا لیتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔مظفر حنفی کی شریک حیات بھی ان کا بہت خیال رکھتی تھیں، پرویز مظفر کے مطابق:

''ہماری ممی بھی پاپا کا بہت خیال رکھتی ہیں، ہر مسئلے میں ان سے مشورہ کرتی ہیں، مگر میرا خیال ہے پاپا کی محبت ان کے لئے بہت زیادہ ہے۔ پاپا کی عادت ہم سب بھائی بہن میں آئی کہ جو پک جائے اللہ کا شکر ادا کر کے کھالو، خدا کا احسان عظیم ہے کہ مجھے ماں، بھابھیاں، بہن اور بیوی ایسی ملی جنہوں نے اچھے اور لذیذ کھانے پکا کر کھلائے''۔ 5

بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں ایسے افراد کہ جن کے والدین ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔اس سے گھر کی فضا خوشگوار ہوتی ہے اور بچوں پر اس کا شاندار اور مثبت اثر پڑتا ہے۔والدین کے لئے بڑے فخر و ناز کی بات ہوتی ہے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی تمام اولادیں کامیابی اور خوش گوار زندگی گزار رہی ہیں اور اس طرح سے ان کا پورا خاندان اس معاملے میں خوش نصیب واقع ہوا ہے۔

اولاد

مظفر حنفی کو پانچ بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔بڑا بیٹا فیروز مظفر دہلی میونسپل کارپوریشن میں سول انجینئر ہے۔ان کی شادی مظفر حنفی کی چھوٹی بہن کی چھوٹی بیٹی گلزار صدف سے ہوئی۔ان کے تین بیٹے (ایمن قدسی، زمن قدسی اور عدنان قدسی) ہیں۔فیروز مظفر کی مرتب کردہ سات کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ان کے دوسرے صاحبزادے پرویز مظفر ہیں۔انہوں نے سوشل ورک میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ایم ایس ڈبلیو اور پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ لیڈرشپ اور منجمینٹ میں برمنگھم سے کیا۔ برمنگھم (برطانیہ) میں ہیلتھ کیئر محکمے میں منیجر ہیں، وہیں نسرین پرویز سے شادی ہوئی۔ایک بیٹی مدیحہ سحر ہے جو کہ انگریزی میں شاعری بھی کرتی ہے، پرویز مظفر انگلینڈ کے معروف شاعر ہیں۔مظفر حنفی کے تیسرے صاحبزادے سہیل مظفر ہیں جو کہ سول انجینئر ہیں اور ان کی اپنی کنسٹرکشن کمپنی ہے۔ ان کی شادی مظفر حنفی کی منجھلی بہن کی بیٹی زرین کے ساتھ ہوئی ہے۔ان کا بیٹا فیضان قدسی کمپیوٹر انجینئر ہے اور بیٹی حمراء عروج زیر تعلیم ہے۔مظفر حنفی کے چوتھے فرزند فضیل مظفر ہیں۔انہوں نے بی کام آنرس کیا ہے۔اس کی شادی سیہور بھوپال کی نزہت درشہوار سے ہوئی۔ابوظہبی میں اکاؤنٹنٹ ہے دو بیٹیاں ثمرہ شفق اور اقراء تمکنت مظفر حنفی کے گھر دہلی میں رہ کر تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔مظفر حنفی کے پانچوے فرزند عرفان مظفر نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم ٹیک کی ڈگری حاصل کی اور عمان میں پروڈکشن مینیجر ہے۔اس کی شادی مظفر حنفی کی خالہ زاد بہن کی بیٹی خورشید فاطمہ سے ہوئی۔ایک بیٹی وجیہ گہر زیر تعلیم ہے۔صبا تسنیم مظفر حنفی کی اکلوتی صاحبزادی ہے۔انہوں نے بی یو ایم ایس پاس

کیا ہے۔صبا پیشے سے ڈاکٹر ہیں۔ان کی شادی ڈاکٹر خالد احمد بجنوری سے ہوئی۔دونوں کے اپنے کلینک ہیں۔ان کی بیٹی اور بیٹے سہا خالد اور حماد احمد زیر تعلیم ہیں۔اس طرح سے مظفر حنفی بحیثیت دادا اور نانا کے بھی اولادوں کا مکمل خیال رکھتے ہیں۔مظفر حنفی کا بھرا پورا خاندان ہے اور سبھی اپنے اپنے شغل میں مصروف بہ کار ہیں۔خاندان میں تعلیم سے لگاؤ اور علمی ماحول ہے تو ایک دوسرے کا خیال اور آپسی رابطہ کافی گہرا ہے۔دہلی میں مقیم ان کی اولادیں اور پوتا پوتی ونواسہ نواسی سبھی ایک ہی چولھا اور ایک ہی دسترخوان کا استعمال کرتی ہیں۔مظفر حنفی اپنے تمام بیٹوں اور پوتے پوتیوں کی تربیت اور سرپرستی فرماتے تھے اور ان کی اولادیں بھی ان کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں۔اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کی پرورش ونگہداشت اور تربیت اچھے طریقے سے کیں جس کی وجہ سے ان کی تمام اولادیں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور عمدہ زندگی بسر کر رہی ہیں۔

ادبی سفر کی شروعات

مظفر حنفی نے لکھنے کی ابتداء زندگی کے بارہویں سال یعنی کہ 1948ء سے کی۔شروع میں انہوں نے بچوں کے لئے کہانیاں اور ڈرامے کے ساتھ ہی ساتھ نظمیں بھی تحریر کی تھیں۔ان کے تحریر کردہ بچوں کی نظمیں، کہانیاں اور ڈرامے اس وقت کے مشاہیر رسائل وجرائد اور اخبارات میں چھپتے رہے تو برابر ان کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین برصغیر کے مختلف رسائل وجرائد اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں، اس کے بعد انہوں نے افسانوی دنیا کی طرف قدم بڑھایا اور اس میں بھی خوب نام کمایا اور ان کے تین افسانوی مجموعے دوغنڈے، اینٹ کا جواب اور دیدۂ حیراں کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔اس کو اکٹھا کر کے ایک مجموعہ بعنوان ''بھولی بسری کہانیاں'' ۲۰۱۲ء میں منظر عام پر لایا گیا ہے۔ پھر غزل کی وادی میں قدم رکھا اور اسی کے ہو کر رہ گئے۔ان کی محبوب اور پسندیدہ صنف سخن غزل ہی رہی ہے۔ایک عام وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا سب سے زیادہ اردو ادب میں سرمایہ غزل میں ہی موجود ہے اسی لیے ان کا غزل سے قلبی لگاؤ رہا ہے۔مظفر حنفی نے ایک شعر میں خود ہی کہا ؎

بری نہیں ہے مظفؔر کوئی بھی صنف سخن
قلم غزل کے اثر میں رہے تو اچھا ہے

ابتدائی زندگی میں ان کا جو قلم چلا وہ رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے بلکہ اسی طرح اور اس سے بھی بڑھ کر چلا اور عمر کے آخری پڑاؤ تک ہندو پاک کے مختلف رسائل وجرائد اور اخبارات میں مضامین اور غزلیں شائع ہوتی رہی ہیں۔اس کے علاوہ موجودہ دور میں سوشل نیٹ ورک سائٹ فیسبک پر بھی ایکٹیو تھے اور آج کا ایک شعر کے نام سے لکھتے رہے ہیں۔ ہندوستان کا کوئی بھی ایسا اردو اخبار یا میگزین اور رسائل وجرائد نہ ہوگا کہ جس میں پروفیسر مظفر حنفی کے مضامین، نظمیں، غزلیں شائع نہ ہوئی ہوں گی۔ان کی غزلیات اور مختلف نوعیّتوں کے مضامین مختلف اخبارات ورسائل اور جرائد میں چھپتے رہے ہیں یعنی کہ ابتدائی زمانے میں ان کے لکھنے کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اور اس کا جو ذائقہ چکھا تھا اس نے ایک مستقل غذا کا روپ دھار لیا اور لکھنا ان کی فطرت ثانیہ بن گئیں۔اسی لئے انہوں نے لکھنے کا ایک اور خوبصورت بہانہ ڈھونڈا اور ایک میگزین ''نئے چراغ'' کی شروعات وابتداء کی اور وہ بھی بیسویں صدی کی نصف آخر کی پہلی دہائی میں۔علاقہ بھی ایسا چنا کہ جو اردو کے لئے غیر معروف اور غیر مشہور ریاست مدھیہ پردیش کا ایک ضلع یعنی کہ کھنڈوا تھا۔

مظفر حنفی نے تحقیق وتنقید، کالم نویسی، اداریہ نگاری، تبصرہ نگاری، فکشن نگاری، ترجمہ نگاری اور ترتیب وتدوین کا کام بھی انجام دیا ہے لیکن ان کی شہرت شاعر کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ انہوں نے تنقید بھی لکھی اور ادب اطفال اور مضامین بھی تحریر کئے ہیں اور یہ سلسلہ ان کے انتقال سے چند ماہ قبل تک جاری رہا۔اگر چیکہ غزل ان کی محبوب صنف سخن رہی ہے لیکن ان کی ادبی زندگی کی شروعات بچوں کی کہانیاں لکھنے سے ہوئی۔ بچوں کے لئے سادہ اور سہل انداز میں انہوں نے ہلکی پھلکی کہانیاں لکھنا شروع کی۔اس وقت وہ بارہویں جماعت میں تھے اور ہندوستان کی آزادی کو محض ایک سال ہی ہوئے تھے۔ان کی تحریر کردہ کہانیاں اس وقت کے مختلف رسالوں بالخصوص بچوں کے اہم رسائل وجرائد میں شائع ہوتی رہیں۔اس تعلق سے ایک جگہ وہ خود لکھتے ہیں:

''کہانیاں، داستانیں پڑھنے کا شوق لڑکپن سے ہی جنون کی حد تک پہونچ گیا تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں عین امتحان کے زمانے میں والد مرحوم نے طلسم ہوشربا پڑھتے ہوئے پکڑ لیا۔ خاصی سرزنش کی اور یہ بھی کہا کہ ایسا ہی شوق ہے تو پڑھ لکھ کر اس لائق بنو کہ تم لکھو اور دوسرے پڑھیں چنانچہ اسی وقت سے چل میرے خامہ بسم اللہ۔۔۔ دہلی سے بچوں کا رسالہ 'کھلونا' نیا نیا جاری ہوا تھا، بچوں کے لئے میرے تحریر کردہ لطیفے، کہانیاں، نظمیں اوّلا اسی پرچے میں چھپیں، پھر 'پھلواری' (دہلی) ٹافی (مالیگاؤں) کلیاں (لکھنؤ) دوست (کراچی) اور ہندو پاک کے دوسرے بچوں کے رسالوں کے لئے خوب خوب لکھا۔ لڑکپن میں ہی معروف ہوجانے کی وجہ سے جب ۱۹۵۳ء کے آس پاس بڑوں کے لئے افسانے غزلیں لکھنے کی ابتدا کی تو معیاری رسالوں میں کسی دشواری کے بغیر شائع ہونے لگا۔ نقاد تو ادب اطفال کو آج بھی اہمیت نہیں دیتے لیکن مقام شکر ہے کہ حکومت ہند کی مطبوعہ درسی کتب سے لے کر دیگر کئی صوبوں کی درسی کتابوں میں میری تخلیقات شامل ہیں۔ ادب اطفال پر میرے متعدد تنقیدی اور تحقیقی مضامین کو حوالہ جاتی اہمیت حاصل ہے۔ اپنی نگرانی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بچوں کے ادب پر ایک ضخیم تحقیقی مقالہ بھی مکمل کرا چکا ہوں اور اب بھی بچوں کے لئے نظمیں لکھتا رہتا ہوں''۔6

ان کی بچوں کے ادب سے دلچسپی اور انعامات حاصل کرنے کے تعلق سے ان کی صاحبزادی ڈاکٹر صبا تسنیم نے یوں لکھا ہے:

''۱۹۴۸ء اینگلو مڈل اسکول کا امتحان (آٹھویں کلاس) درجہ اول میں پاس کیا اور ضلع کے تمام اردو، ہندی، مراٹھی مڈل اسکولوں میں پہلی پوزیشن پائی۔ کلکٹر نماڑ کے ہاتھوں بی بی سونی پرائز حاصل کیا۔ اسی برس سے بچوں کے لئے چھوٹے

چھوٹے چٹکلوں پر مشتمل کہانیاں لکھنی شروع کیں۔'' 7؎

اس طرح مظفر حنفی کے ادبی سفر کا آغاز ہوا اگر چیکہ ابتداء بچوں کے ادب سے ہوئی لیکن انہوں نے تقریباً ادب کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے، چاہے وہ افسانہ نگاری ہو یا سفر نامہ نگاری، ترجمہ نگاری ہو یا مضمون نویسی، شاعری ہو یا تحقیق وتنقید نگاری مگر قلبی اور فطری لگاؤ شاعری سے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر نسیم نکہت سے مظفر حنفی یوں کہتے ہیں:

> ''مجھے بچپن سے ادب کے مختلف پہلوؤں سے لگاؤ رہا ہے۔ میں نے ادب اطفال، ترجمہ نگاری، افسانہ نویسی، ناول نگاری اور تنقید کے مختلف میدانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ جہاں تک غزل کا تعلق ہے بس یہی ایک صنف سخن تھی جس سے مسلسل و متواتر رابطہ رہا۔ دوسرے میدانوں میں دلچسپی کبھی کم ہوئی کبھی زیادہ مگر غزل سے ایک بار جو رشتہ قائم ہوا وہ بہت مستحکم ثابت ہوا۔ تقریباً 55 برس گزر جانے کے باوجود دوسری اصناف کے لئے شعوری طور پر کوشش کرنی پڑتی ہے مگر غزل کا معاملہ ایسا ہے جیسے پکا ہوا پھل شاخ سے ٹپک پڑتا ہے، کب موڈ بن جائے اور کب غزل ہو جائے کچھ کہا نہیں جا سکتا، اندازاً 18-17 سو غزلیں کہنے کے باوجود ایسا لگتا ہے جیسے اندر ہی اندر لاوا ابل رہا ہے اور بھڑاس ابھی نکلی نہیں ہے''۔ 8؎

غرض غزل سے ان کا خاص لگاؤ رہا۔ اس طرح مختلف اصناف پر انہوں نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں۔ ''نیشنل کونسل برائے فروغ اردو زبان'' کے وسائل سے تیار کردہ ان کی وضاحتی کتابیات کی ۲۲ جلدیں ہیں۔ جن میں ہر جلد چار سو سے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ۲۰۰۳ء میں شائع ہو چکی ہیں۔ کل ملا کر ان کی کتابوں کی تعداد ۸۰ کے لگ بھگ ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''پانی کی زبان''، ''شب خون'' نے الہ آباد سے شائع کیا تھا۔ اس کے بعد ''صریر خامہ''، ''ہاتھ اوپر کئے''، ''پرچم گردباد''، ''تیکھی غزلیں''، ''یم بہ یم''، ''عکس ریز''، ''پردہ سخن کا''، ''یا اخی'' کے ساتھ اور کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔ ان کی بیشتر کتابوں پر مختلف اردو اکیڈمیوں نے انہیں انعامات و

اعزازات سے بھی نوازا ہے۔ مظفر حنفی نے اپنی ادبی زندگی میں ۲۵۰۰ سے زیادہ غزلیں کہی ہیں۔ ان کی ایک مقبول غزل کے چند شعر ملاحظہ کیجیے:

رقیبوں سے بھی وہ اظہار بیزاری نہیں کرتے
ادھر ہم ہیں کہ خود اپنی طرف داری نہیں کرتے

اگل دیتے ہیں جو کچھ پیٹ میں گھر میں آتے ہی
پرندے اپنے بچوں سے اداکاری نہیں کرتے

ہمیں جینے کی خواہش ہے کوئی تدبیر کرنے دو
اگر مرنا ہے، مرجائیں گے، تیاری نہیں کرتے

یہ نکتہ کس طرح سمجھائیں ہم اہل سیاست کو
کہ تسخیر کرنے ہوں تو بمباری نہیں کرتے

کلی کا مسکرانا بھی گراں ہے طبع نازک پر
ہوا کے نام اک فرمان کیوں جاری نہیں کرتے

مظفر برگ گل سے پتھروں کو کاٹ سکتے ہیں
مذمت اب غزل کی طوئے انصاری نہیں کرتے

9

شاعری میں دس دواوین کی شمولیت کر کے مجموعہ دیوان ''کمان'' اور'' تیزاب میں تیرتے پھول'' منظر عام پر آچکا ہے تو ان کی غزلوں میں سے انتخاب کر کے مختلف عنوان پر اشعار کو ترتیب دے کر ایک مجموعہ بنام ''ہیرے ایک ڈال کے'' کی اشاعت عمل میں آچکی ہے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ مظفر حنفی نے اردو ادب کی تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ افسانے، سفرنامے کے ساتھ ساتھ تنقیدی اور تحقیقی کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔ ان کی تحریر کردہ، ترتیب شدہ اور ترجمہ کردہ کتابوں کی فہرست طویل ہے۔ ان کے افسانوں کے تین افسانوی مجموعے'' اینٹ کا جواب'' ''دوغنڈے ''اور'' دیدۂ حیراں'' ہیں، جسے اب یکجا کر کے بنام'' بھولی بسری کہانیاں'' کے نام سے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ بچوں کے ادب پر'' بول میری مینا''، ''نرسری کے گیت''، ''نیلا ہیرا''، ''بندروں کا مشاعرہ''، ''چندا ماموں''، ''چٹخارے'' اور بچوں پر یہ دو کتابیں، ''کھیل کھیل میں''، اور'' حلوہ چور'' قابل ذکر ہیں۔ تحقیق وتنقید کی دنیا میں ''نقد ریزے''، ''تنقیدی ابعاد''، ''جہات وجستجو''، ''جدیدیت: تفہیم اور تجزیہ''، ''باتیں ادب کی''، ''آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز ومزاح''، ''مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی''، ''منتخبات شاد عارفی''، ''لاگ لپیٹ کے بغیر''، ''ہندوستان اردو میں''، ''مضامین تازہ''، ''ادبی فیچر اور تقریریں''، ''تنقیدی نگارشات''، ''کچھ انٹرویو'' ان سبھی کے علاوہ کئی اور کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ وضاحتی کتابیات کے نام سے ایک سیریز تحریر کی جو کہ 22 جلدوں پر مشتمل ہے۔ اگر کتابوں کے ناموں کو شمار کرائیں تو اس کی فہرست طویل ہو جائے گی۔ یہاں چند اہم کتابوں کے نام درج ہیں۔ ''نقد ریزے''، ''تنقیدی ابعاد''، ''کتاب شماری''، ''جہات وجستجو''، ''آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز ومزاح''، ''میر تقی میرؔ''، ''ہندوستان اردو میں''، ''جائزے''، ''ہیرے ایک ڈال کے''، ''تنقیدی نگارشات''، ''منتخبات شاد عارفی''، ''شاد عارفی ایک مطالعہ''، ایک سفرنامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے جس میں برطانیہ کے حالات وواقعات کی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ اسی طرح ان کی ترجمہ کردہ کتابوں میں ''پراسرار قتل''، ''چوروں کا قتل''، ''دوہری سازش''، ''گلاگ مجمع الجزائر''، ''بیداری''، ''گجراتی کے یک بابی ڈرامے''، ''اڑیا افسانے''، ''بھارتیندو ہریش

چندر''، ''بنکم چندر چٹرجی'' اور ''سخاروف نے کہا'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اس طرح سے انہوں نے اصناف اردو ادب کی تقریباً تمام صنفوں پر قلم اٹھایا ہے۔

مظفر حنفی پر کتابیں، گوشے

مظفر حنفی کو جاننے سمجھنے پرکھنے تحقیق کرنے اور ان کے کارنامے کے تعارف کے لئے ان پر تحریر کردہ کتابوں کا مطالعہ اشد ضروری ہے ساتھ ہی ساتھ ان سے لئے گئے انٹرویوز پر مشتمل کتابیں اور رسائل و جرائد کا پڑھنا بھی نہایت ہی ضروری ہے تا کہ ہم ان کی ابتدائی زندگی ،شروعاتی دور، پڑھائی، نوکری اور ادبی زندگی کی ابتدا کے ساتھ ہی ساتھ ان کے دیگر ادبی کارناموں کو بھی جان سکیں۔واضح ہو کہ ان سے لئے گئے انٹرویوز کتابی شکل میں منظر عام پر آ چکے ہیں مثلاً ''سوالوں کے حصار میں'' اور ''گفتگو: دوبدو'' ان سے لیے گئے انٹرویوز کے مجموعے ہیں۔مظفر حنفی کی علمی وادبی زندگی کو جن رسالوں نے موضوع بحث بنایا ہے اور ان پر پورا رسالہ وقف کیا ہے ان رسائل و جرائد میں مژگاں، سفیر اردو، چہارسو، مظفر حنفی شخصیت اور فن (سہ ماہی انتساب) نے منظر عام پر لایا ہے۔ سہ ماہی سفیر اردو برطانیہ، سہ ماہی روشنائی کراچی پاکستان اور 'بیسویں صدی' نئی دہلی جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء میں گوشۂ مظفر حنفی بھی شائع ہوا ہے۔مظفر حنفی کی حیات اور خدمات پر تحریر کی جانے والی کتابیں اس طرح سے ہیں۔مظفر حنفی: حیات و جہات، مظفر حنفی: حیات، شخصیت اور کارنامے، مظفر حنفی: ایک مطالعہ، مظفر حنفی فن، شخصیت اور خطوط اور مظفر کے نام وغیرہ۔

نوشاد مومن کلکتہ کی سرزمین سے اردو ادب کا ایک معیاری مجلّہ نکالتے ہیں مژگاں۔اس رسالہ کے ایڈیٹر نوشاد مومن ہیں اور اس میگزین نے مظفر حنفی پر ایک خاص نمبر نکالا تھا جو کہ کلکتہ سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔۴۰۰ صفحات پر مشتمل یہ میگزین ہے جس میں مظفر حنفی کی کچھ تصاویر بھی شامل ہیں۔

بیسویں صدی نئی دہلی جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء میں گوشۂ مظفر حنفی بھی شائع ہوا ہے۔ یہ ۸۰ کی دہائی میں اردو ادب کا مقبول عام رسالہ تصور کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی اردو ادب کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ان کے مضامین اخبارات ورسائل میں برابر شائع ہوتے رہے ہیں، کئی کتابوں کی مصنفہ ومرتبہ ہیں۔ انہوں نے مظفر حنفی کو قریب سے دیکھا ہے ان کی شاگردی بھی اختیار کی ہے۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی نے ان کی زیر نگرانی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے پی ایچ ڈی بھی کی ہے۔ انہوں نے مظفر حنفی کی شخصیت اور ان کی زندگی کے اہم کارنامے بھی کروایا ہے اور یہ خود مظفر حنفی کی علمی وادبی شخصیت سے مانوس بھی ہیں اور وہ بیسویں صدی کی ایڈیٹر بھی ہیں انہوں نے ایک گوشہ مظفر حنفی پر شائع کروایا ہے، جس میں کل ۱۴ صفحات مظفر حنفی کی شخصیت پر شامل کیے گئے ہیں۔

سفیر اردو، یہ ایک سہ ماہی رسالہ ہے جو کہ لیوٹن برطانیہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس رسالے کے کل ۱۴۴ صفحات ہیں جس کے ایڈیٹر سید معراج جامی ہیں۔ اس رسالہ میں ایک گوشہ مظفر حنفی کے نام سے ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا تھا۔

روشنائی، یہ سہ ماہی رسالہ ہے جو کہ کراچی پاکستان سے شائع ہوتا ہے۔ احمد زین الدین اور نکہت بریلوی مدیر ہیں۔ اس میں خراج تحسین کے نام سے مظفر حنفی پر ایک گوشہ شائع کیا گیا تھا، اس گوشے کے صفحات ۱۷۹ سے شروع ہو کر ۲۷۱ صفحات پر اختتام پذیر ہوتا ہے اور یہ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا تھا۔

چہارسو، راولپنڈی پاکستان سے سید ضمیر جعفری کی ادارت میں شائع ہوتا ہے اسی میگزین کا ایک گوشہ پروفیسر مظفر حنفی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس گوشے کی اشاعت ۲۰۰۹ء میں عمل میں آئی تھی۔

'مظفر حنفی شخصیت اور فن'، سہ ماہی انتساب بھوپال کا یہ خاص نمبر ہے جسے سیفی سرونجی نے اپنی ادارت میں شائع کیا تھا۔

سوالوں کے حصار میں، اس کتاب میں رسالہ، اخبار اور ریڈیو کے لئے ان سے لئے گئے

انٹرویوز شامل ہیں۔۲۳ انٹرویو اور ۲۰۰ صفحات پر مبنی یہ کتاب موڈرن پبلشنگ ہاؤس ،نئی دہلی سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی تھی۔تدوین وتہذیب فیروز مظفر کی ہے اور انتساب ڈاکٹر سید خالد یعنی مظفر حنفی کے داماد کے نام سے منسوب ہے۔

گفتگو: دوبدو، یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ رسالہ، اخبار، ریڈیو اور ٹیلی ویژن انٹرویوز پر مشتمل ہے اور دوسرا پارٹ حاضر جوابیاں ہیں۔حاضر جوابیاں میں ان سے کیے گئے بڑے بڑے ادیبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بھری گفتگو ہے، جو کہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔یہ کتاب ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

شکیل اعجاز کی کتاب جس کا نام ''مظفر حنفی :فن ،شخصیت اور خطوط'' ہے۔اس کتاب کی اشاعت ۲۰۲۱ء میں عمل میں آئی ہے اور مجموعی صفحات ۱۲۸ ہیں۔اس کتاب میں جہاں انہوں نے مظفر حنفی کی شخصیت کے حوالے سے گفتگو کی ہے وہیں ان کے فن کے حوالے سے بھی اپنی بات قارئین تک پہنچائی ہے۔اس کا پیش لفظ فصیح اللہ نے تحریر کیا ہے۔اس کتاب میں مظفر حنفی کے وہ خطوط شامل ہیں جنہیں شکیل اعجاز کے نام ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۲ء کے درمیان لکھے تھے۔ان خطوط کے ذریعے ادبی ،سماجی اور ذاتی کوائف کو جان سکتے ہیں۔شکیل اعجاز نے مظفر حنفی کے تعلق سے مفید اور کارآمد اطلاعات اس کتاب کے ذریعے پیش کی ہیں۔اس کتاب میں مظفر حنفی کی کتاب ''روح غزل'' سے شعری نمونے پیش کر کے پڑھنے والوں کو محظوظ ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔

''مظفر کے نام'' مظفر حنفی کے بڑے صاحبزادے فیروز مظفر کی ترتیب شدہ کتاب ہے۔ جس میں مظفر حنفی کے نام مختلف ادیبوں، محققوں اور ناقدوں کے لکھے گئے خطوط ہیں۔۵۹۲ صفحات پر مشتمل ۵۴۰/ خطوط کے مجموعہ کی اشاعت مظفر حنفی میموریل سوسائٹی نئی دہلی کے زیر اہتمام ۲۰۲۲ء میں نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

مظفر حنفی پر تحریر شدہ اور ترتیب دی گئی کتابوں اور ان پر خاص نمبر یا جو گوشے نکالے گئے ہیں۔ان کے عمیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی اردو ادب کے لئے وقف کردی تھی اور ان کی زندگی پڑھنے اور لکھنے میں ہی صرف ہوئی ہے۔دوسری بات کہ مظفر حنفی پر

اتنی کتابیں اوران پرخصوصی رسائل وجرائد کی اشاعت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا دب میں ایک مخصوص مقام ہےاورادبی دنیامیں اپنے کام اوراپنی محنت شاقہ اور جہد مسلسل سےانہوں نےخود کی شناخت بنائی ہے۔

مشاغل

مظفرحنفی کومطالعہ کا بہت شوق تھا۔مظفرحنفی کی اتنی کتابیں ہی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ان کاعمومی طور سے جومشغلہ ہےوہ ان کے یہاں پڑھنا لکھنااورلکھنا وپڑھنا ہی ہے۔میں نے ان کےنجی کتب خانے (واقع بٹلہ ہاؤس نئی دہلی) کودیکھا ہے کتابوں کی اچھی خاصی تعداد ہے ساتھ ہی انعامات واکرامات والے شیلڈ چاروں طرف نظرآئیں گے۔موجودہ دورمیں ہندوستان میں گنے چنے چندایسےافرادملیں گے جواس عمرکوپہنچ کربھی لکھنےاور پڑھنے کے ساتھ ہی ساتھ چھپنے کےسلسلے کو برقراررکھے ہوئے ہیں۔مظفرحنفی اپنی آخری عمرتک اپنے آپ کوبرابر پڑھنے لکھنے میں مشغول رکھتے تھے۔اسی کے ساتھ ہی ساتھ شاعری کرنااورمشاعرہ میں شرکت بھی ان کا اہم مشغلہ رہاہے۔ان سب کے باوجودکلکتہ یونیورسیٹی سے وظیفہ حسن خدمت پرسبکدوش ہونے کے بعد پولٹری فارم کی شروعات کی جوکہ ان کے لئے ایک نیا تجربہ تھااوراس نئے کام میں انہیں کافی نقصان بھی اٹھانا پڑاتھا۔اسی سال کی عمر کے بعدبھی سوشل سائٹ فیسبک پرمنہمک ومستعدنظرآتے تھےاور’آج کا شعر‘ کےعنوان کےتحت ایک شعرپیش کرتے رہتے تھے۔ان کی کتابوں کی اشاعت اورمضامین اور غزلوں کے چھپنے کا سلسلہ تاعمرجاری رہااوران کی طبع شدہ آخری کتاب’’کچھ انٹرویو‘‘ ہے جوکہ ۲۰۱۹ء میں چھپ کرمنظرعام پرآئی تھی۔

سیروسیاحت

اپنے ملک ہندوستان کے مختلف شہروں جیسے کلکتہ، پٹنہ، دہلی ،لکھنؤ، الہ آباد، کانپور، میرٹھ، ہری دوار، چنڈی گڑھ، اجمیر، جے پور، ناگپور، بنگلور، گلبرگہ، آسنسول، پونے، ممبئی، حیدرآباداوردیگر

شہروں کے علاوہ غیر ملکوں میں پاکستان، دبئی، قطر، جرمنی، انگلینڈ اور سعودی عرب کا بھی دورہ کیا ہے۔اللہ کے فضل وکرم سے ان کو تین بار عمرہ کی سعادت بھی حاصل ہو چکی ہے۔۲۰۰۴ء میں جولائی اور اگست میں وہ پاکستان کا سفر بھی کر چکے ہیں۔کراچی اور لاہور میں تقریباً ۳۲/استقبالیہ جلسے ان کے اعزاز میں ہوئے تھے۔ڈھائی ماہ قیام کرنے کے بعد گھر واپسی ہوئی تھی۔وہاں کئی یونیورسیٹیوں، انجمن اردو ترقی، کراچی پریس کلب، انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں میں تقریریں کی اور بارہ معروف اخبارات ورسائل میں ان کے انٹرویوز بھی شائع ہوئے۔انہوں نے برطانیہ کا سفر بھی کیا تھا اور انگلینڈ کے سفر کے دوران آنکھوں دیکھا حال کو اپنی تحریر میں لاتے ہوئے ایک سفر نامہ بنام 'چل چنبیلی باغ میں' کے نام سے تحریر بھی کیا ہے۔

علمی وادبی اور ثقافتی سرگرمیاں

پروفیسر مظفر حنفی کی زندگی کا نصب العین ہی پڑھنا لکھنا تھا۔زندگی بھر علم سے شغف رہا، حصول علم کے لئے تگ ودو کرتے رہے،لکھنا پڑھنا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔مضامین،شاعری اور کتابیں لکھنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔صرف یہ نہیں کہ پڑھنے لکھنے سے ہی انہیں رغبت رہی بلکہ وہ ایک کامیاب منتظم بھی ثابت ہوئے۔ہنداور بیرون ہند بھی کئی علمی وادبی اور ثقافتی کمیٹی کے وہ ممبر رہے۔اپنے طالب علمی ہی کے زمانے میں ۱۹۵۹ء میں ماہنامہ ''نئے چراغ'' کھنڈوا مدھیہ پردیش سے جاری کیا۔مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے اس کے چودہ شمارے منظر عام پر لائے۔حسن بشیر اور حسن رضا وغیرہ اس مجلّہ کے معاون مدیر تھے۔اس سلسلے میں دیگر اہل قلم کے ساتھ ساتھ شاد عارفؔی سے بھی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور یہیں سے شاد عارفؔی کی شاگردی کی شروعات ہوئی جو مرتے دم تک جاری رہا۔مختلف موضوعات پر مضامین قلمبند کرتے رہے۔غزلیں اور نظمیں لکھ کر شاعری میں بھی خوب نام کمایا۔علم وادب کی خارزار راہوں اور سنگلاخ چٹانوں اور ترجمہ کی مشکلوں سے مردانہ وار گزرتے رہے۔انہوں نے افسانے لکھے،بچوں کی کہانیاں اور ناول قلمبند کئے تو وہیں

ہندی ، انگریزی ، اڑیا اور بنگالی کے مشہور ومعروف شہ پاروں کوترجمہ کرکے اردو کے قالب میں ڈھالا۔اس طرح یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ وہ خود پڑھنے لکھنے میں ہی مشغول نہیں رہتے تھے بلکہ مختلف ادبی کانفرنسوں،سیمیناروں اور مشاعروں میں بھی تا عمر شرکت کرتے رہے۔مختلف ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،مشاعروں میں شرکت کرتے رہے اور بحثیت صدر مشاعرہ اپنے فرائض بخوبی انجام دیے۔

مشاعروں میں شرکت

ہندوستان کے مختلف شہروں،قصبوں اور دیہاتوں کے علاوہ مختلف ممالک میں بھی وہ بحثیت شاعر اور صدر مشاعرہ کے شرکت کر چکے ہیں ۔دبئ،سعودی عرب، پاکستان،قطر، برطانیہ میں بھی انہوں نے اپنے اشعار سے عوام وخواص کو محظوظ کیا ہے۔عمر کے آخری دنوں میں وہ مشاعروں میں شرکت سے پرہیز کرنے لگے تھے۔ویسے وہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں بحثیت شاعر شرکت کر چکے ہیں اور کئی مشاعرہ کی صدارت کرنے کا بھی ان کو شرف حاصل رہا ہے۔میرٹھ،علی گڑھ،لدھیانہ، بھوپال، دہلی،ممبئ، پٹنہ،کلکتہ، بنگلور اور حیدرآباد جیسے شہروں میں بحثیت شاعر مشاعرہ میں تشریف لا چکے ہیں۔

بحثیت نگراں

استاد اپنے آپ میں مربی ہوتا ہے اور ماں باپ کی طرح مہربان بھی۔بہتر فرائض کی انجام دہی کے لئے وقت ضرورت ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام چلاتا ہے۔اصل میں استاد وہ نہیں جو صرف نصاب کی تکمیل کرادے یا چند کتابیں پڑھادے بلکہ استاد کے اصل گن اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی کرے اور حسب ضرورت ان کی نگہداشت اور نوکری تک رہنمائی کرتا رہے اور فراغت کے بعد بھی ان کی مدد سے پیچھے نہ ہٹے، بحثیت نگراں مظفر حنفی میں یہ تمام

خوبیاں پائی جاتی ہیں۔میں نے ان کے شاگردوں سے ملاقاتیں کی اوران سے تفصیلی گفتگو بھی کی تھی،ان کے شاگردوں نے ان کی بحیثیت مجموعی استاد کی تعریف ہی کی۔وہ اپنے طلباء کی علمی وادبی رہنمائی میں ہمیشہ آگے رہے ہیں۔ان کے شاگرد آج اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں انہیں میں سے معروف ڈاکٹر خوشحال زیدی ہیں،بچوں کے ادب پر ان کی کئی کتابیں منظرعام پر آچکی ہیں،انہیں کے زیر نگرانی انہوں نے پی ایچ ڈی کی ہے۔ڈاکٹر شمع افروز زیدی (بیسویں صدی کی ایڈیٹر) اورمعروف ادیبہ ہیں۔مشہورادیب ڈاکٹر خالدمحمود(سابق پروفیسر وصدرشعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) کے بھی وہ نگراں تھےاورایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مظفرحنفی کی جگہ پر ہی ان کی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں ملازمت بھی ہوئی۔وہ اپنے شاگردوں کی ترقی سے بہت خوش ہوتے تھےاوران سے بے پناہ محبت بھی رکھتے تھے۔انہوں نے''ادب کی تعبیر'' نامی کتاب کے پیش لفظ میں ایک جگہ لکھا ہے:

> ''خالدمحمود کے مجموعۂ مضامین کا شائع ہونا ایک دل خوش کن بات ہے۔میرے لئے یہ دوگونہ مسرت کا سبب ہے کیونکہ خالدمحمود مجھے کئی اعتبار سے عزیز ہیں وہ میری مادرِدرسگاہ (سیفیہ کالج بھوپال) سے فارغ التحصیل ہیں۔پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ انہوں نے میری نگرانی ہی میں مکمل کیا ہےاورحسن اتفاق سے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں میری ہی جگہ استادمقررہوئے،اس لئے ان کی روزافزوں ترقی پرخوش ہونا ایک فطری امر ہے''۔10

خالدمحمود کے علاوہ ڈاکٹر شکیل اختر (شعبہ ماس کمیونیکیشن جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی) اورڈاکٹر ممتازالحق ان ہی کے شاگردرہے ہیں۔یہ سبھی لوگ ادبی اعتبار سے اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔کلکتہ یونیورسیٹی سے مظفرحنفی کی زیرنگرانی پی ایچ ڈی کرنے والے خوش نصیب افرادحسب ذیل ہیں جنہوں نے ان کی نگرانی میں اپنی پی ایچ ڈی کی تکمیل کی ہے،انہیں

میں شکیل اختر، نصرت جہاں، شکیل احمد خاں، رخسانہ مراد، افضال عاقل، وہاب پردیسی اور اظہار عالم ہیں۔ ان سبھی حضرات کو کلکتہ یونیورسیٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی ہے اور آج یہ سبھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

سماجی خدمات

دنیا میں ہر شخص کے زندگی گزارنے کے کچھ اصول وضوابط ہوا کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص جب اپنے مقام ومرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو اسے دوسروں کی زندگی کو بنانے، سنوارنے اور نکھارنے میں بڑی خوشی ملتی ہے۔ مظفر حنفی بھی جب معاشی طور سے خود کفیل ہوئے اور ان کی تنخواہ بھی معیاری ہوئی تو انہوں نے بھی اپنے خاندان کی کفالت کے ساتھ ہی ساتھ رشتہ داروں کو آگے بڑھانے اور پڑھانے میں خاموشی سے تعاون کرتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ان کے مرتے دم تک قائم رہا۔ ان کی زندگی کا یہ اصول تھا کہ دائیں ہاتھ سے خرچ کیا تو بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے۔ اس تعلق سے خود مظفر حنفی کے صاحبزادے پرویز مظفر برمنگھم، اپنے والد مظفر حنفی کے دوستوں اور ان کی سماجی خدمات کے تعلق سے رقمطراز ہیں:

> ''میں ان کے بہت سے ایسے دوستوں کو جانتا ہوں جن کی انہوں نے مختلف طریقوں سے مدد کی، بڑی بڑی کمیٹیوں سے اپنا نام نکلوا کر دوستوں کو بتائے بغیر ان کا نام ڈلوا دیا۔ کئی ایسے جلسوں میں اور ٹی وی وغیرہ کے پروگراموں میں شرکت نہیں کی جہاں ان کے دوستوں یا استاد محترم کو نہیں بلایا گیا۔ اک آدھ دوست تو ایسے ہیں جن کی پی ایچ ڈی برسوں سے مکمل نہیں ہو رہی تھیں وہ والد محترم نے کرادی اور کام پورا ہوتے ہی موصوف کے رنگ بدل گئے۔ پاپا ایسے بڑے دل کے آدمی ہیں کہ ان کے دشمنوں کا احوال بھی ان کے دوستوں سے

برسوں کے بعد معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ان کی عادت ہے کہ کسی کی برائی کبھی اس کی پیٹھ پیچھے نہیں کرتے اور دشمن کو بھی اچھی نظر سے دیکھتے ہیں''۔11؎

مظفر حنفی اپنے افراد خاندان کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ غریب کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اپنے رشتہ داروں میں جو بھی ضرورت مند ہوتا ہے اس کی خاموشی سے مدد کرتے تھے۔انہوں نے خفیہ طور سے اپنے اعزہ واقارب کی خوب مدد کی تھی۔خاص طور پر تعلیمی اعتبار سے مدد کیا کرتے تھے۔ عیدین کے مواقع سے رشتہ داروں میں لوگوں کو کپڑے دلوائے تو کبھی خاموشی سے شادی کے اخراجات بھی برداشت کرتے تھے۔مظفر حنفی کی امداد کرنے کی عادت کے تعلق سے ان کے صاحبزادے پرویز مظفر یوں گویا ہیں:

''ہمارے پاپا اپنے بھرے پُرے خاندان کے ہر فرد کا خیال رکھتے ہیں۔خاندان ان کے لئے فیملی کی حیثیت رکھتا ہے۔کنبے کا کوئی فرد کسی وجہ سے پریشان ہے یا بیمار پڑا ہے تو پاپا اس کے بارے میں فکرمند ہوجاتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کی مدد کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔رات رات جاگ کر ترجمے کیے۔دو دو ملازمتیں کیں اور خاندان کے افراد کے کام آئے۔متعدد شادیاں کروائی ہیں اور لوگوں کی اس طرح مدد کی کہ دائیں ہاتھ سے دیا اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ان کی یہ صفت ہمارے بڑے بھائی فیروز مظفر میں اس خوبی سے سموئی ہے کہ جواب نہیں۔کاش ان دونوں کے اس وصف کا کچھ حصہ مجھ میں آجاتا۔'' 12؎

دوسروں کے کام آنا بڑی بات ہے اپنے لیے تو سبھی جیتے ہیں اوروں کے لیے جینا بھی ایک فن ہے اور یہ فن پروفیسر مظفر حنفی کو نبھانا خوب آتا تھا اور وہ دردمند دل رکھتے تھے۔دوسروں کی مدد کرکے وہ ہمیشہ خوش رہتے تھے۔

تعلیمی اداروں سے وابستگی

مظفر حنفی مختلف تعلیمی اداروں سے بھی وابستہ رہے، جیسے:

(۱) سابق ممبر مجلس صدارت، آل انڈیا یونیورسیٹی ٹیچرس اسوسی ایشن

(۲) رکن پروگرام ایڈوائزری بورڈ، آل انڈیا ریڈیو کلکتہ

(۳) رکن گورننگ باڈی، جنرل کونسل، مغربی بنگال اردو اکیڈمی

(۴) کنوینر پی ایچ ڈی کمیٹی، شعبۂ اردو کلکتہ یونیورسیٹی

مظفر حنفی کل ہند انجمن اساتذۂ اردو، جامعات ہند کے نائب صدر رہے ہیں، مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی جنرل کونسل نیز گورننگ باڈی کے ممبر اور آل انڈیا ریڈیو کلکتہ کے مشیر بھی رہ چکے ہیں۔

انعامات واعزازات

مظفر حنفی کو کئی ادبی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ ان کی زندگی کا پہلا اعزاز وسمّان کیا تھا اور اس کے بعد انہیں کس قسم کی خوشی ہوئی اور اس انعام پر ان کا ردعمل کیا تھا، خود مظفر حنفی کی زبانی سنیے:

> ''۱۹۶۰ء تک ہم نے افسانہ نگاری کی۔ ان افسانوں کے تین مجموعے ''اینٹ کا جواب'' (۱۹۶۹ء)، اور ''دیدۂ حیراں'' (۱۹۷۰ء) مختلف ناشروں نے شائع کیے۔ دوسرا مجموعہ لکھنؤ کے 'کتاب پبلشرز' نے چھاپا تھا۔ اس کے لئے ایک دن اچانک اتر پردیش اردو اکادمی (لکھنؤ) کی جانب سے چھ سو روپے موصول ہوئے۔ ہر چند کہ ہم کو معلوم بھی نہیں تھا کہ ایسا کوئی ادارہ وجود میں آیا ہے، نہ کتاب انعام کے لئے بھیجی گئی تھی۔ دراصل اکادمی نے پہلی بار انعامات کا سلسلہ اپنی جانب سے شروع کیا تھا ویسے اس زمانے میں اردو کی کتابیں چھپتی ہی کتنی تھیں۔ یہ بن مانگے کے موتی بہت قیمتی لگے۔ ان دنوں بحیثیت کلرک ہماری تنخواہ بمشکل

دوسوروپے ماہانہ تھی۔سونا ڈیڑھ سوروپے تولہ تھا۔آج کے حساب سے وہ چھ سو، پچھتر ہزار روپیوں کے برابر تھے۔ہمیں اپنے مرحوم استاد (شاؔد عارفی) کا کلیات اور دوسری کتابیں شائع کرنے کی تمنا تھی سو یہ پیسے اس کارِ خیر میں کام آ گئے۔باور کیجیے،اب تک بہت بڑے بڑے انعامات خدا کے فضل سے مل چکے ہیں لیکن اتنی مسرت پھر کبھی حاصل نہیں ہوئی جتنی وہ چھ سوروپئے پا کر ہوئی تھی''۔ 13؎

مظفر حنفی نے اپنی زندگی کو پڑھنے لکھنے کے لئے صرف کیا تھا اور وہ زندگی بھر اردو ادب کے فروغ ،تحفظ و بقا اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے لگے رہے۔کبھی مضامین قلمبند کرتے رہے تو کبھی اپنی غزل سے اردو ادب کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں تو کبھی تنقید سے اردو کے گیسو کو سنوارنے کی سعی کرنے میں مشغول ہوتے تو کبھی ترجمہ کر کے اردو زبان و ادب کو وسعت دینے کی ممکنہ جد و جہد کرتے تھے۔ان کے قلم کی روانی اور فکر کی جولانی اور اردو ادب سے جنونی لگاؤ اور ان کی محنت شاقہ کی وجہ سے اردو دنیا نے انہیں آنکھوں پر بٹھایا اور انہیں کئی بڑے اعزازات و انعامات سے نوازا۔یہاں ان کے حاصل کردہ انعامات و اعزازت کو درج کیا جا رہا ہے:

(۱) پرویز شاہدی ایوارڈ،کل ہند،مغربی بنگال اردو اکیڈمی،۱۹۸۸ء۔
(۲) غالب ایوارڈ،کلچرل سوسائٹی بنگلور۔
(۳) قومی ایوارڈ،نیشنل کونسل آف چائلڈ ایجوکیشن،دہلی،۱۹۸۵ء۔
(۴) خصوصی انعام،انڈو برما پٹرولیم،۱۹۹۷ء۔
(۵) فخر الدین علی احمد ایوارڈ،غالب انسٹی ٹیوٹ،دہلی۔
(۶) افتخار میر ایوارڈ،لکھنؤ۔
(۷) سراج میر خاں سحر ایوارڈ،مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی۔
(۸) بھارتیہ بھاشا پریشد ایوارڈ،کلکتہ۔

(۹) ملک حیدر ایوارڈ، کلچرل اکیڈمی گیا، بہار۔

(۱۰) نبّاض ادب ایوارڈ، کھنڈوا، مدھیہ پردیش۔

(۱۱) ماہر اقبالیات، لندن۔

(۱۲) نیشنل ایوارڈ، مجموعی شعری خدمات، دہلی اردو اکیڈمی، ۲۰۰۳ء۔

(۱۳) وضاحتی کتابیات ایوارڈ، دہلی اردو اکیڈمی، ۲۰۰۵ء۔

(۱۴) دیپک راگ ایوارڈ، اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۷۴ء۔

(۱۵) شاد عارفی فن اور شخصیت، اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۷۸ء۔

(۱۶) یم بہ یم ایوارڈ، اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۷۹ء۔

(۱۷) یم بہ یم ایوارڈ، آندھرا پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۷۹ء۔

(۱۸) وضاحتی کتابیات ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی، ۱۹۸۰ء۔

(۱۹) طلسم حرف ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۸۰ء۔

(۲۰) دیپک راگ ایوارڈ، اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۷۴ء۔

(۲۱) کھل جا سم سم ایوارڈ، کلچرل اکیڈمی گیا، بہار، ۱۹۸۱ء۔

(۲۲) بیداری ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۸۱ء۔

(۲۳) گلاگ مجمع الجزائر ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی، ۱۹۸۱ء۔

(۲۴) جہات و جستجو ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۸۱ء۔

(۲۵) نیلا ہیرا ایوارڈ، دہلی اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء۔

(۲۶) نیلا ہیرا ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء۔

(۲۷) نیلا ہیرا ایوارڈ، اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء۔

(۲۸) وضاحتی کتابیات ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۸۴ء۔

(۲۸) پردہ سخن کا (سال کی بہترین کتاب)، دہلی اردو اکیڈمی، ۱۹۸۴ء۔

(۲۹) پردہ سخن کا ایوارڈ، اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۶ء۔

(۳۰) آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز و مزاح، ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۸۰ء۔

(۳۱) حسرت موہانی ایوارڈ، دہلی اردو اکیڈمی، ۱۹۹۰ء۔

(۳۲) باتیں ادب کی ایوارڈ، بہار اردو اکیڈمی، ۱۹۹۴ء۔

(۳۳) یاانخی ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۹۸ء۔

(۳۴) چل چنبیلی باغ میں ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۹۹ء۔

(۳۵) ساغر نظامی ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۱۹۹۹ء۔

(۳۶) چل چنبیلی باغ میں ایوارڈ، اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۹۹ء۔

(۳۷) شاد عارفی فن اور فن کار ایوارڈ، دہلی اردو اکیڈمی، ۲۰۰۱ء۔

(۳۸) حسرت موہانی ایوارڈ، دہلی اردو اکیڈمی، ۲۰۰۳ء۔

(۳۹) آگ مصروف ہے ایوارڈ، مغربی بنگال اردو اکیڈمی، ۲۰۰۶ء۔

مظفر حنفی کی مجموعی خدمات کے اعتراف و اعزاز میں مغربی بنگال اردو اکادمی نے انہیں 'کل ہند پرویز شاہدی ایوارڈ'، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی نے کل ہند فخر الدین علی احمد غالب ایوارڈ برائے تحقیق و تنقید، مدھیہ پردیش اردو اکادمی نے سراج میر خاں سحر صوبائی اعزاز نیز دہلی اردو اکادمی نے مجموعی شعری خدمات کا انعام و اعزاز پیش کیا ہے۔ان کے علاوہ انہیں مزید کئی ایوارڈ ز مل چکے ہیں۔ مظفر حنفی کی مجموعی خدمات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے ادب کی تقریباً تمام شعری و نثری اصناف میں اپنی تخلیقی و علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ان کا ادب کے تئیں سچی محبت، گہری لگن و جستجو، محنت کا جذبہ اور جہد مسلسل کے ذریعے ادب میں انہوں نے خود اپنا ایک اہم اور نمایاں مقام بنایا۔بحیثیت شاعر، ادیب، مترجم، محقق و ناقد کی حیثیت سے ادب کے ہر میدان سے کامیابی سے گزرنے کی انہوں نے کوشش کی۔

اسلوب کی طرح ان کی شخصیت کی بعض اہم خوبیاں ان کے ادب میں درآئیں مثلاً خلوص، محبت، ہمدردی اور اعتدال وتوازن جوان کی شخصیت کی اہم خصوصیات ہیں وہی ان کی تحریروں میں بھی نظر آتی ہیں۔ بحیثیت صحافی ہو یا مدرس یا پھر ادیب وناقد انھوں نے اپنی شخصیت اپنے اعتدال وتوازن، خلوص ومحبت کے جذبات کو بروئے کار لاکر ادب میں اپنا ایک مخصوص مقام بنایا ہے اور اسی انفرادیت کی وجہ سے ان کا شمار اردو کے نامور ادبی ہستیوں میں ہوتا ہے۔

علالت اور وصال

مظفر حنفی نے ۱۰/اکتوبر ۲۰۲۰ء کو اپنے مکان بٹلہ ہاؤس نئی دہلی میں آخری سانس لی۔ بٹلہ ہاؤس کے قبرستان میں اسی روز بعد نماز عشاء دفن کئے گئے۔

☆☆☆

(ب) شخصیت

شخصیت

شخصیت دراصل انسان کی ظاہری و باطنی خصوصیات کے مجموعے کو کہتے ہیں۔لفظ شخص Personality لاطینی لفظ Persona سے لیا گیا ہے۔لفظ Persona کی وضاحت پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر عرشیہ جبین اپنی کتاب میں شخصیت کی تعریف یوں تحریر کرتی ہیں:

> ''لفظ شخص Personality لاطینی Persona سے ماخوذ ہے یعنی وہ نقلی چہرہ جو رومن تہذیب کے عروج کے دور میں ڈرامہ کے اداکار اپنے چہرہ پر لگاتے ہیں۔ شخصیت کی اس تعریف میں کسی شخص کا خارجی روپ مثلاً رنگ و روپ، وضع قطع، چال ڈھال، لباس وغیرہ شامل ہے جب کہ شخصیت کا ایک اور نظریہ یہ بھی ہے کہ شخصیت ان داخلی خصوصیات کا نام ہے جو کسی شخص کے اندر عمر اور تجربے کے ساتھ ساتھ نشو ونما پاتی ہیں ان تعریفوں کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شخصیت دراصل کسی انسان کی داخلی و خارجی خصوصیات کے مجموعے کا نام ہے یہ خصوصیات ماحول تعلیم و تربیت، مختلف سماجی اثرات اور انقلابات عالم کے نتائج سے اثر پذیر ہو کر کسی انسان میں پروان چڑھتی ہیں ان میں موروثی اثرات بھی شامل ہوتے ہیں اور شخصی بھی''۔14

مظفر حنفی کی شخصیت بھی ان کی داخلی و خارجی خصوصیات کی مجموعہ تھی۔ان کی شخصیت پر ان کے گھر کے ماحول اور خاندانی اثرات کا اثر واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔گھر کے علمی و ادبی ماحول کے زیر اثر انہوں نے بھی ادب کو اوڑھنا بچھونا بنالیا ایک اچھے استاد کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب ادیب و شاعر اور نقاد بنے اور اپنی زندگی ادب کی خدمت میں گزاری۔ان کی شخصیت کے ان پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے رسالہ مژگاں کے ایڈیٹر لکھتے ہیں:

''پروفیسر مظفر حنفی سے متعلق یہ امر مشہور عام وخاص ہے کہ ''باتیں ادب کی'' ہوں اور موصوف کا ذکر نہ آئے، علمی وادبی اجتماع ہو اور حنفی صاحب بحث کے نئے دروازے وا نہ کریں، اردو کے معتبر رسائل وجرائد ہوں اور ان کی تخلیقات نظر نہ آئیں، ممکن ہی نہیں۔ اردو زبان وادب کے حوالے سے ڈاکٹر مظفر حنفی کی علمی، ادبی تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی خدمات کا جو سلسلہ ۱۹۵۳ء سے شروع ہوا، وہ آج بھی بہ سرعت جاری ہے۔ ویسے تو حنفی صاحب عمومی چہرے کے مالک ہیں لیکن ان کی شخصیت اور ان کا فن کسی طور پر بھی عمومی نہیں۔ شاید اسی لئے دنیا میں جہاں بھی اردو سے بے پناہ عشق اور اس کی شانہ کشی کرنے والے موجود ہیں، وہاں پروفیسر مظفر حنفی کا نام اور کام کسی تعارف کا محتاج نہیں''۔15

ڈاکٹر شمع افروز زیدی اردو ادب کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ ان کے مضامین اخبارات و رسائل میں برابر شائع ہوتے رہے ہیں، کئی کتابوں کی مصنفہ ومرتبہ ہیں۔ انہوں نے پروفیسر مظفر حنفی کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کی شاگردہ بھی رہی ہیں اور انہیں کے زیر نگرانی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی سے پی ایچ ڈی بھی کی ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر مظفر حنفی کی فعال اور متحرک شخصیت کے اس گوشے کو وا کیا ہے جہاں وہ اپنے کام میں مستعد ومتحرک نظر آتے ہیں مثلاً وہ رقم کرتی ہیں:

''پروفیسر مظفر حنفی کا نام نوک زبان پر آتے ہی ایک ایسی شخصیت کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جو بے حد فعال اور متحرک ہے۔ ان کی شخصیت کے مختلف النوع زاویے ہیں۔ وہ ناقد بھی ہیں، مضمون نگار اور افسانہ نگار بھی۔ انہوں نے سفرنامے بھی قلمبند کئے ہیں اور ترتیب وتدوین تراجم نیز ادب اطفال میں بھی ان کے کارنامے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور ''نئے چراغ'' کے مدیر ہونے کے ناطے صحافی کی حیثیت سے بھی پہچان رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس کا انہوں نے احاطہ نہ کیا ہو اور اپنی شناخت درج نہ کرائی ہو''۔16

حلیہ

مظفر حنفی سے راقم کی تین بار ملاقات ہوئی وہ متاثر کن شخصیت کے مالک تھے۔ دراز قد، پیشانی کشادہ، گھنے اور سفید بال، چوڑا چہرا، بڑی بڑی آنکھیں، گھنے بھنویں، گھٹا ہوا اور سڈول بدن، رنگت سیاہ مائل ہے چہرے سے مگر علمیت جھلکتی ہے۔ ان کے حلیہ کا بیان پروفیسر ظفر احمد نظامی نے نہایت شگفتہ انداز میں یوں کیا ہے:

''چہرہ گول گفتار انمول، چہرے پر نمک پیشانی پر علمیت کی دمک، ابھری ہوئی ناک فکر میں انہماک، بولتے ہوئے لب رخ پر ذہانت کی تاب وتب، آنکھیں پرنور دل مسرور، سر پر سفید بال برف کی شال، یہ ہیں ممتاز افسانہ نگار نامور قلمکار، شاعر بے بدل واقف رموز غزل، محقق باریک بیں شخصیت دلنشیں، صاحب طرز تنقید نگار اسپ ادب کے شہسوار، ماہر ادب اطفال ادیب باکمال، قنوطئ فکر حیات کی نفی۔۔۔یعنی محمد ابوالمظفر، مظفر حنفی''۔17

پروفیسر صغریٰ مہدی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی پروفیسر ہیں اور مظفر حنفی کو قریب سے جانتی بھی ہیں۔ وہ ان کے حلیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:

''دبلا پتلا جسم (جواب فربہی کی طرف مائل ہے)، سرو قد۔ خالص ہندوستانی تپا ہوا رنگ، عینک کے پیچھے سے جھانکتی ذہین آنکھیں، سر پر کالے بالوں کا جھواجن میں اب کافی سفید بھی ہیں۔ صاف ستھرا لباس گھر میں کرتا پاجامہ اور باہر پتلون اور بشرٹ، کفو کے بٹن کبھی نہیں لگاتے۔ جاڑوں میں گہرے رنگ کے سوٹ نکالتے ہیں۔ یہ ہیں مظفر حنفی، افسانہ نگار، نقاد، شاعر، پروفیسر اور کیا نہیں۔ پہلے مظفر ہسوی کہلائے تھے مگر اب مدتوں سے حنفی ہیں''۔18

گفتار

پروفیسر مظفر حنفی کی گفتار میں نرمی تھی۔ بلا لحاظ مذہب وملت ہر ایک کے ساتھ صدق دلی سے پیش آتے اور ایک ساتھ سب کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کو نرم رکھتے تھے۔ آج کل لوگ منہ پر خوشامد اور چاپلوسی خوب کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے برائی، یعنی کہ منافقانہ عادات واطوار اور گفتار عام بات ہے اور لوگ تعریف خواں اور تعریف پسند ہوتے ہیں مگر مظفر حنفی ان دونوں چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔ وہ بغیر کسی جھجک کے حق بات کہتے تھے اور حق بات سننا بھی چاہتے تھے وہ بھی کسی منفعت کے بغیر، ان کی شخصیت کے انہیں اوصاف پر روشنی ڈالتے ہوئے پرویز مظفر لکھتے ہیں:

> ''آج کل دور دورہ ہے کہ لوگ منہ پر خوشامد کرنا اور کروانا پسند کرتے ہیں جو ہمارے پاپا کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ اس طرح لوگوں کا دوستی سے بھروسہ اٹھتا جارہا ہے، ہم نے اپنے ڈرائنگ روم میں ایسے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو کسی شخص کی اس قدر برائی کرتے ہیں جیسے کوئی دشمن کرتا ہے اور ہفتہ بھر بعد اسی شخص سے فنکشن میں اس طرح بغل گیر ہوں گے جیسے ان کا سب سے بڑا دوست ہو۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ہمارے والد محترم اپنے ڈرائنگ روم سے ایسے لوگوں کو نکال باہر کرتے ہیں جو ہمارے والد کے دوست یا دشمن کی برائی کررہا ہو۔ اب یہ بات ہمارے والد کے کسی منافق دوست کو جاکر کون بتائے گا، ہمارے پاپا تو جانے سے رہے اور جس کو دوڑا لیا ہے وہ بتانے سے رہا''۔19

مظفر حنفی صاف گو واقع ہوئے ہیں۔ وہ بغیر کسی چاپلوسی اور خوشامد کے حق بات کہنے اور حق بات سننے میں یقین رکھتے تھے اور کھری کھوٹی نیز صاف گوئی ان کی فطرت میں شامل تھی۔ بات چیت میں نرم لہجہ رکھتے تھے۔ بڑے ہوں یا چھوٹے ہر ایک کو آپ ہی کے ذریعے مخاطب کرتے نظر آئے ہیں۔ ان کی گفتار کے لئے انہیں کے دو شعر ملاحظہ کریں تاکہ اسی سے ان کی گفتار کے بارے میں پتہ چل سکے۔

کچھ لوگوں کو جھوٹی تعریفیں بھاتی ہیں مثلاً وہ
کچھ سچی تعریفیں سن کر شرماتے ہیں مثلاً میں

☆☆☆

اکثر بے چاروں نے اتنے دھوکے کھائے دنیا میں
اب مخلص لوگوں سے مل کر گھبراتے ہیں مثلاً میں

مظفر حنفی کے ایک شعری مجموعے کا نام ہی لاگ لپیٹ کے بغیر ہے، اس سے بھی یہ اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا کہ ان کو بات کہنے کا ہنر آتا ہے۔ وہ چاپلوسی، تملق کے بغیر کسی بھید بھاؤ اور لاگ لپیٹ کے اپنی بات کو رکھتے ہیں جس سے ان کی حق گوئی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا۔ ان کی حق گوئی کے تعلق سے ان کے صاحبزادے پرویز مظفر یوں کہتے ہیں:

''ہم نے ہمیشہ محسوس کیا ہے کہ وہ صاف بات کہنے والے بے حد حق گو انسان ہیں۔ پاپا کو یہ بالکل پسند نہیں ہے کہ لوگ کسی کی غیبت کریں جو کہنا ہو وہ منہ پر ہی صاف صاف کہہ دیتے ہیں۔ کوئی لاگ لپیٹ نہیں رکھتے۔ حالانکہ بات سچ ہوتی ہے مگر اکثر لوگوں کو حتیٰ کہ دوست احباب کو بھی پسند نہیں آتی''۔20

حقیقت کڑوی ہوتی ہے اس لیے لوگ سننا پسند نہیں کرتے ہیں۔ مظفر حنفی نے اپنی زندگی سچائی، ایمانداری اور حق گوئی سے بسر کی ہے اور مرتے دم تک وہ اپنے اصولوں پر قائم رہے ہیں۔

معمولات

عام طور سے مظفر حنفی کی معمولات زندگی یوں ہوا کرتی تھی۔ صبح سویرے نیند سے بیدار ہونا اور صبح کی چہل قدمی کے بعد کچھ تناول فرمانا اور پھر پڑھتے رہنا۔ چونکہ اشعار لکھنا اور اشعار پڑھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے تو اس سے نجات کہاں یعنی کہ شعر و شاعری لکھنا اور اس کے لئے تگ و دو اور کاپی و قلم اپنے حجرۂ خاص میں رکھنا اور پھر کچھ نہ کچھ لکھتے اور پڑھتے رہنا ان کا محبوب ترین

مشغلہ اور پسندیدہ عمل تھا جس پر وہ عمر بھر سختی سے کار بند رہے۔ پرویز مظفر اپنے والد مظفر حنفی کی معمولات زندگی کے متعلق رقمطراز ہیں:

''پاپا کو پڑھنے لکھنے کا اتنا شوق ہے کہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کوئی مضمون لکھنا ہو کسی کے اوپر لکھنا ہو اس کی کتاب کا مطالعہ ضرور کریں گے پھر لکھیں گے۔ کتابیں پڑھنے کا اتنا شوق ہے کہ ہم جتنی محنت امتحان کے زمانے میں کرتے تھے اس سے کئی گنا زیادہ پڑھنا لکھنا ان کا روز کا معمول ہے۔ اردو ہندی انگریزی کی کتابیں 45 سال سے تو میں دیکھ رہا ہوں، دن رات پڑھنا اور کام کو پابندی سے کرنا ان کے مزاج میں شامل ہے۔ کلکتہ قیام کے دوران وہاں کا کیئر ٹیکر ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ پروفیسر صاحب جب صبح ٹہلنے نکلتے ہیں تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ صبح کے 5:30 بجے ہیں''۔21

مظفر حنفی کے معمولات میں پڑھنے لکھنے کے شوق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انہیں کام اچھی طرح کرنا اور وقت پر کرنے کی عادت تھی وہ خود اپنی صحت کا خیال کیے بغیر لگا تار انتھک محنت کرتے تھے۔ ان کی زندگی کی جدوجہد، ان کی محنت اور کام کے تئیں لگن کا ذکر ان کے فرزند پرویز مظفر ایک مثال کے ذریعے یوں بیان کرتے ہیں:

''پروفیسر قمر رئیس صاحب نے پاپا سے میر تقی میرؔ کا مونوگراف تین ہفتوں میں تیار کرنے کی گزارش کی اور انہوں نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے پاپا سے کہا کہ اگر ہندوستان میں کوئی یہ کام اتنے دنوں میں کر سکتا ہے تو وہ صرف آپ ہیں۔ پاپا نے اس کام کو مکمل کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیے اور اٹھارہ انیس گھنٹے روز کام کیا اور اٹھارہ دن میں یہ کام مکمل کر کے دہلی اردو اکادمی کے حوالے کر دیا''۔22

مظفر حنفی ابتداء ہی سے محنتی واقع ہوئے تھے۔ کام کرنے میں انہیں لطف آتا تھا۔ وہ وقت برباد کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ دن رات محنت ولگن سے کام کرتے تھے۔ پڑھنا لکھنا ان کا روز کا معمول تھا۔ وہ اپنے کام نہایت منظّم، مربوط اور سلیقہ مندی سے کیا کرتے تھے۔ شمیم حنفی سے ان کے دیرینہ مراسم تھے۔ شمیم حنفی ان کی شخصیت کی ان خوبیوں کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''۱۹۷۶ء میں ہم دونوں دلی آن بسے۔ شعبہ ایک، علاقہ اور ادارہ ایک روزمرہ کی مصروفیتیں بھی ایک جیسی۔ لیکن پچھلے لگ بھگ چالیس برسوں سے، مظفر صاحب کے چلن اور انداز واطوار میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ میں نے اپنے کسی شاعر دوست کو اتنا منظّم، اپنے مشاغل کا اتنا پابند، اتنا مربوط اور سلیقہ مند نہیں دیکھا۔ بظاہر ان میں شاعروں جیسی کوئی بات، کوئی بے قاعدگی نہیں۔ وہ ایک انتہائی ذمہ دار انسان کی زندگی گزارتے آئے ہیں اور ان کی اس روش میں کبھی فرق نہیں آیا''۔23

قیام دلی کے دوران مظفر حنفی کی اردو ادب کی کئی اہم شخصیات سے ملاقاتیں رہیں۔ ان میں بہتوں سے دوستی بھی رہی۔ ادب نواز، ادب شناس اور ادب شعار دوستوں کی ایک طویل فہرست ہے تو انہیں ادباء میں سے ایک ادیب کے ساتھ کاز کو ہاتھ بٹھانے کا حسین موقع میسر آیا تو ایک دوسرے کے ساتھ کام بھی کرنے کا خوبصورت موقع ملا۔ انہیں ادب نواز شخصیتوں میں سے ایک اردو ادب کے معروف وممتاز مزاح نگار پدم شری مجتبیٰ حسین بھی ہیں دونوں نے دلی میں این سی ای آر ٹی میں بیک وقت ملازمت کی شروعات کی اور کئی سالوں تک ایک ساتھ کام بھی کرتے رہے اور ایک دوسرے کے یہاں آمد ورفت بھی رہی۔ مجتبیٰ حسین نے انہیں لکھتے پڑھتے، مصروف رہتے، ترجمہ کرتے غرض یہ کہ انہوں نے مظفر حنفی کو ہر طرح کے علمی وادبی کام کرتے دیکھا۔ وہ ان کی شخصیت میں کام کے تئیں محنت، لگن اور مشقت کا جو جذبہ ہے اسی کو وہ ان کی کامیابی کا ضامن سمجھتے ہیں۔ انہوں نے این سی ای آر ٹی میں اردو کا کام ترقی اردو بورڈ کے تعاون سے شروع کیا تھا اور ان دونوں کو ترقی اردو بورڈ کے عہدیداروں شہباز حسین اور راج نارائن راز وغیرہ کی بھرپور

سرپرستی حاصل رہی تھی۔مجتبیٰ حسین نے اپنی فیملی کو حیدرآباد سے اور مظفر حنفی نے بھی اپنی فیملی کو بھوپال سے دہلی بلا لیا تھا۔ دونوں کے بچے چھوٹے اور ابتدائی جماعتوں میں تھے۔ان دونوں کے گھر بھی قریب قریب ہی تھے۔اس طرح مظفر حنفی اور ان کے ارکان خاندان سے مجتبیٰ حسین کے ارکان خاندان کے مراسم بھی استوار ہوتے چلے گئے۔مظفر حنفی کبھی اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔صرف دفتر میں ہی نہیں بلکہ گھر پر بھی ہمیشہ مصروف ہی رہتے تھے۔کبھی شعر کہہ رہے ہیں، مضامین لکھ رہے ہیں، تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں، ترجمہ کر رہے ہیں، پروف پڑھ رہے ہیں۔وہ ہمیشہ مختلف کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ان کے دہلی میں آنے کے بعد مواقع اور امکانات کے دروازے کھل گئے تو انہوں نے اسی مناسبت سے اپنے کام کی رفتار بھی تیز کر دی تھی۔ چنانچہ مجتبیٰ حسین نے این سی ای آر ٹی میں ان کے کام کرنے کے طریقے اور تجاویز کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شخصیت پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''مظفر حنفی کی کامیاب و کامران زندگی کے پیچھے ان کی کڑی محنت اور مشقت کا بڑا دخل ہے۔مظفر حنفی دفتری معاملات میں بڑے معاملہ فہم اور کارساز بھی ثابت ہوئے۔این سی ای آر ٹی میں جب اردو کی کتابوں کی اشاعت کا کام شروع ہوا تو کتابوں کی تیاری میں بھاری خرچ آتا تھا اور چونکہ اردو نصابی کتابوں کی تعداد اشاعت کم ہوا کرتی تھی تو نتیجہ اردو کتابوں کی قیمت ہندی اور انگریزی کتابوں کے مقابلہ میں تین گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ قیمتوں کے اس بھاری فرق کو دور کرنے کے لئے یہ تجویز آئی کہ ہندی اور انگریزی کتابوں کے ری پرنٹ ایڈیشنوں کے بھاری تعداد میں چھپنے کے بعد این سی ای آر ٹی کو جو منافع ہوتا ہے اس منافع کو اس خسارے پر صرف کیا جائے جو اردو کتابوں کی اشاعت کے باعث پیش آتا ہے۔اس تجویز کو پیش کرنے اور عملی جامہ پہنانے میں مظفر حنفی کی نوٹنگ اور ڈرافٹنگ کو بڑا دخل رہا ہے۔ چنانچہ

آج تک این سی ای آر ٹی کی اردو کتابوں کے دام نرخوں کے اسی فارمولے پر
رکھے جاتے ہیں''۔24؎

پروفیسر مظفر حنفی اس طرح ہر وقت پڑھنے لکھنے میں ہی مصروف نہیں رہتے بلکہ وہ اپنے کام کو سلیقہ مندی اور محنت و مشقت سے کرتے تھے اور ان کے مشوروں سے لوگوں کو فائدہ ہی پہنچتا تھا اور وہ بغیر کسی صلہ کے اپنی بے لوث خدمات انجام دیتے رہے۔

غذا

مظفر حنفی عام طور سے سادہ غذا پسند کرتے تھے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی خاص اور محبوب غذا ہو گھر میں جو کچھ بھی بن جاتا ہے وہ اللہ کا شکر ادا کر کے کھا لیتے تھے۔ ویسے روٹی، سبزی، دال، کے ساتھ ساتھ انہیں گوشت بھی پسند تھا۔ راقم الحروف کو ان کے گھر بٹلہ ہاؤس دہلی میں ان کے ساتھ دوپہر کے کھانے کا موقع بھی ملا۔ اس وقت ان کے دسترخوان پر ہمہ اقسام کے لوازمات شامل تھے اور ان کی اکلوتی صاحبزادی ڈاکٹر صبا مہمان نوازی میں والد کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچھی غذا پسند کرتے تھے بلکہ مہمانوں کو بھی اچھی غذا کھلا کر خوش ہوتے تھے۔

لباس

مظفر حنفی لباس میں پینٹ شرٹ کا استعمال کرتے تھے۔ سفاری و سوٹ بھی خوب پہنتے تھے، مشاعرہ اور سیمیناروں میں کوٹ پینٹ کے ساتھ ٹائی کا بھی استعمال کرتے تھے۔ گھر میں عام طور سے کرتہ پائجامہ ہی پہنا کرتے تھے۔

اعلیٰ ظرفی اور کشادہ قلبی

مظفر حنفی کا ظرف کشادہ ہے۔ بڑے ہوں یا چھوٹے، جاننے والے ہوں یا انجان ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے تھے۔ راقم نے جب بھی انہیں فون کیا نہایت ہی اپنائیت کے ساتھ

بات کی۔ چوں کہ وہ خود استاد رہ چکے ہیں۔اس لئے ایک استاد کی طرح مواد کی فراہمی میں مدد فرمائی تھی۔ جب بھی بات ہوتی نہ صرف میری خیر خیریت دریافت کرتے بلکہ والدین وغیرہ کی خیریت بھی پوچھتے اور میرے بہتر مستقبل کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔اس سے ان کی صاف دلی اور چھوٹوں کے تئیں محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ان کی شخصیت میں کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی تھی۔ چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت ان کا وطیرہ رہا ہے۔ کشادہ قلبی اور اعلیٰ ظرفی سے اپنے افراد خاندان کا خیال رکھتے تھے۔ان کے ایک انٹرویو سے ان کی زندگی کی مشکلات اور بہتر ملازمت کی تلاش کا پتہ چلتا ہے جس سے ان کی زندگی میں سکوں میسر آیا وہ کہتے ہیں:

> ''سخت محنت اور جانفشانی سے ان کا (اپنے تایا زاد بڑے بھائی) کاروبار دوبارہ مستحکم کیا۔ پھر میری شادی ہوگئی اور والدین کی خواہش کے مطابق دوبارہ ملازمت کی۔ چودہ برس تک محکمہ جنگلات میں کلرک رہ کر ایم اے، ایل ایل بی اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔قلیل تنخواہ میں والدین، بیوہ بہن اور ان کے بیٹے نیز چھوٹی بہن کی کفالت کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کی پرورش، مزید برآں منجھلی بہن کی افلاس زدہ حالت میں اعانت پھر چھوٹی بہن کی شادی، خوشدامن کے کینسر کا علاج وغیرہ۔ خاصے پاپڑ بیلنے پڑے۔ کہیں 1974ء میں جا کر بہتر ملازمت نصیب ہوئی تو چین کی سانس لی۔'' 25؎

مظفر حنفی نہ صرف کشادہ قلبی سے اپنے گھر والوں کا خیال رکھتے تھے بلکہ اپنے سے چھوٹوں کی بھی عزت کرتے تھے۔ان سے راقم کی صرف تین بار ملاقات ہوئی مگر ان کے مسکراتے ہوئے لب و لہجہ سے بات کرنے کا انداز، خلوص و محبت کے ساتھ ہم کم عمروں سے بغلگیر ہونے کا انداز، محبت و ملائمت سے پیش آنے کا طریقہ یہ سبھی ایسی چیزیں ہیں جس سے ان کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔اس طرح راقم نے خود انہیں مشفق، شگفتہ مزاج، خوش گفتار، بذلہ سنج، بلند کردار، نفیس طبع پایا اور خوش اخلاق، خوش گفتار، خوش کردار، خوش اطوار، وضع دار، مہمان نواز اور پر خلوص شخص لگے۔ اس کی وجہ

خاص یہ ہے کہ وہ طالب علم کو بھی اتنی ہی عزت دیتے ہیں اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے اور بات چیت کرتے رہے اور بار بار آپ سے ہی مخاطب ہوتے اور ان کے مستقبل کے تئیں فکرمند بھی دکھائی دیتے تھے۔ یہ کشادہ ذہنی اور وسیع القلبی بہت کم لوگوں میں نظر آتی ہے۔

قلندرانہ صفت

انسان کی صفت میں بہت سی خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں۔انسان دوصفتوں کا مجموعہ ہے جسے خیر اور شر کہتے ہیں،قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔مظفر حنفی اصول پسند ہیں وہ قلندرانہ مزاج کے حامل نظر آتے ہیں۔ان کی شخصیت کی قلندرانہ صفت سے متعلق ابراہیم اشک یوں لکھتے ہیں:

> ''مظفر حنفی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ہندوستان کی مٹی سے جڑے رہنا۔ وہ عام بول چال اور محاوروں میں ایسی گیان دھیان کی باتیں کر جاتے ہیں جو ولی صفت انسان یا قلندر کے علاوہ کوئی اور کر ہی نہیں سکتا۔ وہ بہت کھلے دل دماغ سے سوچتے ہیں اور بغیر کسی مصلحت کے اسے اوراق کی زینت بنا دیتے ہیں۔ان کی صاف گوئی اور بے باکی میں نیکیاں برستی ہیں جن سے انسانی اقدار کی چادر دھلتی اور روشن ہوتی چلی جاتی ہے۔ان کے یہاں زندگی کا فلسفہ الجھا ہوا نہیں ہے بلکہ کھلی کتاب کی طرح روشن ہے اور کئی سمتوں میں پھیلا ہوا ہے''۔ 26

مذکورہ باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بے باک، صاف گو اور قلندرانہ صفت کے مالک تھے۔

تعصب سے بالاتر شخصیت

کیا ادیب، کیا شاعر، کیا افسانہ نویس! ہر شخص کو علاقائی تعصب، نسلی تعصب، ذاتی تعصب، لسانی تعصب اور مذہبی تعصب سے بلند و بالا ہونا چاہیے اور یہ تمام خوبیاں مظفر حنفی کی شخصیت میں دیکھ سکتے ہیں۔وہ علاقائی بھید بھاؤ ذات و پات کی منافرت، لسانی اور مذہبی تعصب سے بالاتر ہیں۔

وہ استاد اور شاگرد کا بھی برابر خیال رکھتے ہیں اور جب ہم جیسے طلباء و طالبات ان سے علمی و عملی استفادہ کرنے جاتے ہیں تو انہیں بلا کسی تکلف کے ہر ممکنہ مدد اور تعاون بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ رہنمائی بھی۔ مظفر حنفی علاقہ واریت، تعصب اور تنگ نظری سے پرے ہیں۔ وہ اپنے دوست اور دشمن کا یکساں خیال رکھتے ہیں۔ بڑے ہوں یا چھوٹے ہر ایک کے ساتھ بغیر کسی منفعت کے پیار کرتے ہیں۔ مظفر حنفی کے تعصب سے بالاتر شخصیت ہونے کے بارے میں پرویز مظفر کہتے ہیں:

> ''ہمارے پاپا کو بناوٹ اور جھوٹ سے سخت نفرت ہے مگر لوگ شاید آج کل ان چیزوں کو فیشن کے طور پر استعمال کرنے لگے ہیں۔ اور بھول جاتے ہیں کہ ہمارا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا، ہم میں سے کوئی بڑا سے بڑا نقصان یا غلطی کر دیں جو اکثر کرتے ہیں اور آ کر پاپا کو بتا دیا تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پاپا ناراض ہوئے ہوں، ہمیشہ پیار سے سمجھایا ہے۔ پاپا کی انہیں خوبیوں کی وجہ سے شاید ان کے دوست کم اور دشمن زیادہ ہیں''۔ 27

مظفر حنفی نے عمر بھر بناوٹ اور جھوٹ کا سہارا نہیں لیا اور بچوں کی غلطیوں پر سختی کرنے کی بجائے پیار و خلوص سے ان کی تربیت کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی انہیں اصولوں کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔

نفاست پسندی

مظفر حنفی عام طور سے نازک مزاج اور نفاست پسند واقع ہوئے ہیں۔ صاف ستھرا رہنا اور صاف ستھرا دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کے ڈرائینگ روم کی سجاوٹ اور ان کے حاصل کردہ مختلف اعزازات و انعامات ان کے مکان میں سلیقے سے رکھے ہوئے ہیں جو ان کی نفاست پسندی پر دال ہے۔

دوست واحباب

پروفیسر مظفر حنفی کی علمی وادبی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے اور ملازمت کا دائرۂ کار بھی مختلف رہا ہے۔ اس لئے ان کے دوست و احباب کا دائرہ بھی کافی وسعت رکھتا ہے۔ وہ مختلف الجہات شخصیت ہونے کے ساتھ شاعر بھی ہیں اور گاہے بگاہے مشاعرہ میں بھی شرکت ہوتی رہتی تھی۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ مظفر حنفی کی پیدائش کھنڈوہ مدھیہ پردیش میں ہوئی تھی اور ان کا آبائی وطن اور ان کے خاندان والے ہسوہ ضلع فتحپور، یوپی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ابتدائی تعلیم کھنڈوہ سے ہوئی، نانیہال ایرایاں اور دادیہال ہسوہ ہے اور اس کے قرب وجوار میں ان کے احباب ورشتہ دار بستے ہیں اس لئے ان دونوں گاؤں اور اس کے اطراف واکناف کے افراد سے تعلق رکھتے ہیں اس طرح وہاں کئی لوگوں سے ان کی دوستی رہی۔ ان کی محکمۂ جنگلات میں نوکری ہوئی تو وہاں بھی دوست ہوئے اور جب ٹیچر بنے تو کئی لوگ وہاں بھی دوست بنے۔ این سی ای آر ٹی دہلی میں معاشی استحکام کیا تو اس میں بھی فرینڈ ہوئے اور جب جامعہ ملیہ اسلامیہ میں استاد ہوئے تو وہاں کے بھی دوستوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ کلکتہ گئے اور وہاں آل انڈیا ریڈیو کلکتہ کے بھی ممبر بنائے گئے تو دوستی کا دائرہ بڑھتا ہی گیا۔ انہوں نے شاعری کی، افسانے قلمبند کئے، ناول لکھے، مضامین تحریر کئے ماہنامہ نئے چراغ کی نشر واشاعت کی۔ اس طرح کئی جگہوں اور شعبوں سے تعلق رہا اور کئی دوست بنتے گئے جس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ اس لئے ان پر ان کے دوستوں نے خوب لکھا۔ کچھ عرصہ قبل تک وہ سوشل میڈیا مثلاً فیسبک پر بھی کافی ایکٹیو تھے۔ اس لئے ان کے احباب اور دوستی کا نیٹ ورک بھی مضبوط، مستحکم اور وسیع ہے۔ ان کے دوستوں کی فہرست میں مشہور مزاح نگار مجتبیٰ حسین بھی ہیں، این سی ای آر ٹی میں مجتبیٰ حسین اور مظفر حنفی دونوں نے ایک ساتھ جاب کی شروعات کی تھی، اس تعلق سے خود مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں:

> ''ان سے پہلی ملاقات کے بعد ہمیں یہ اطمینان ضرور ہوا کہ چلو ہمارا انتخاب ہو یا نہ ہو یہ کیا کم ہے کہ ہماری ملاقات اپنے محبوب ادیب سے ہوگئی۔ پہلی ملاقات

میں مظفر حنفی کا رنگ زیادہ سیاہ نظر آیا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ رہی ہوگی کہ وہ جنگلات کے محکمہ میں کام کرتے تھے اور جنگل میں زیادہ رہنے کا اثر آدمی کے رنگ پر بھی پڑتا ہے۔ تاہم دہلی میں قیام اور ان کی پے بہ پے ترقیوں نے ان کے رنگ کو اب زیادہ خوشگوار اور خوشنما بنا دیا ہے''۔ 28؎

شمیم حنفی اور مظفر حنفی کی ملاقات اور دوستی کا واقعہ بھی خوب ہے۔ دونوں حنفی ایک ہی ساتھ ایک ہی وقت اور ایک ہی جگہ سے اور ایک ہی جگہ میں وارد ہوئے پڑھانے کی شروعات جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہوئی۔ اس طرح ان کی دوستی پروان چڑھی۔ اس واقعہ کو شمیم حنفی نے اس طرح بیان کیا ہے:

''۱۹۷۶ء میں ہم دونوں دلی آن بسے۔ شعبہ ایک، علاقہ اور ادارہ ایک روزمرہ کی مصروفیتیں بھی ایک جیسی۔ لیکن پچھلے لگ بھگ چالیس برسوں سے، مظفر صاحب کے چلن اور انداز و اطوار میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ میں نے اپنے کسی شاعر دوست کو اتنا منظّم، اپنے مشاغل کا اتنا پابند، اتنا مربوط اور سلیقہ مند نہیں دیکھا۔ بظاہر ان میں شاعروں جیسی کوئی بات، کوئی بے قاعدگی نہیں۔ وہ ایک انتہائی ذمہ دار انسان کی زندگی گزارتے آئے ہیں اور ان کی اس روش میں کبھی فرق نہیں آیا۔ شاید اسی لئے دنیوی کامرانیوں کی حصولیابی کے ساتھ ساتھ نثر و نظم کے میدان میں مظفر صاحب نے جتنا کچھ کر ڈالا ہے کئی لوگ بھی مل کر نہیں کر سکتے''۔ 29؎

شمیم حنفی نے ان کی سلیقہ مندی، اصول کی پابندی اور مربوط مزاجی جیسی خصوصیات کی ستائش کی ہے۔ مظفر حنفی کے ہم وطن ہم عمر اور بے تکلف دوست نے مظفر حنفی پر ایک مضمون بعنوان مظفر حنفی: میرا ساتھی، میرا دوست تحریر کیا ہے۔ اس میں ان کی زندگی کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، خصوصاً ان کے کھیل کود کے مشغلے، کبڈی، والی بال، بیڈمینٹن اور کیرم وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''مظفر میرے ہم وطن، بچپن کے ساتھی اور میرے عزیز دوست ہیں۔ان کا اصل نام سید محمد ابوالمظفر ہے.....مظفر میرے برادر بزرگ سید شریف الحسن عرف مچھن بھائی کے ہم جماعت ہو گئے جو مجھ سے ایک سال آگے تھے۔ دونوں میں دوستی تھی مگر طبائع میں تضاد تھا۔ بھائی شریف الحسن صاحب بچپن سے ہی سنجیدہ محتاط اور مذہبی مزاج کے آدمی تھے، کھیل کود اور لہو ولعب سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی لہٰذا مظفر کی دوستی اور بے تکلفی نسبتاً مجھ سے زیادہ ہوگئی۔ہم دونوں کے مزاج اور مذاق میں ہم آہنگی تھی چنانچہ ہم دونوں میلاد النبی ﷺ کے جلسے ہوں یا محرم کے جلوس اور مجلسیں، قوالیاں ہوں یا مشاعرے غرض یہ کہ ہر جگہ ساتھ ہوتے۔ میدانی کھیلوں میں، کبڈی، والی بال اور بیڈمنٹن کے سوا ہم لوگوں نے کوئی کھیل نہیں کھیلا۔ گھریلو کھیلوں میں ہم دونوں کو تعلیمی تاش اور کیرم سے خاص دلچسپی تھی۔ گرمی کی چھٹیوں میں فتح پور اور ہسوہ سے تعلق رکھنے والے لڑکے بھوپال، حیدرآباد، علی گڑھ وغیرہ سے آکر جمع ہو جاتے اور خوب چہل پہل رہتی۔ مجھے یاد ہے کہ میرے مکان کے باہر چبوترے پر نیم کا جو بڑا اور گھنا سا درخت تھا، اس کے نیچے شدت کی گرمی، لو اور دھوپ کے سخت موسم میں بھی ساری ساری دوپہر کیرم کھیلتے اور کھانے پینے کی سدھ نہ رہتی۔ وہ بھی کیا دن تھے!''۔ 30

مظفر حنفی اور پروفیسر عنوان چشتی جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسیٹی نئی دہلی میں بحیثیت لکچرر کے اپنی ملازمت کی ابتدا کی۔ یہاں ان دونوں کے درمیان اچھے مراسم قائم ہوئے۔مظفر حنفی کی شخصیت میں سادگی اور ملنساری تھی کہ لوگ ان سے متأثر ہوتے تھے عنوان چشتی نہ صرف ان کی شخصیت سے متأثر تھے بلکہ ان کی تحریر اور اسلوب و زبان کی صحت سے بھی متأثر تھے چنانچہ وہ ان کی تحریروں کی خصوصیات کا احاطہ کرتے ہوئے ان کی انفرادیت کو ان کے فکر و احساس کی دین بتایا ہے:

''مظفر حنفی کے یہاں صحت زبان و بیان کا خاص اہتمام ہے اور ان کی شاعری میں انفرادیت کے آثار بھی پائے جاتے ہیں اور مظفر حنفی کے اشعار پہچانے بھی جاتے ہیں۔ مظفر حنفی نے اگر چہ اپنی ایک کتاب کا نام ''تیکھی غزلیں'' رکھا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ مظفر حنفی کے یہاں کھردرے پن سے زیادہ سڈول انداز بیان ملتا ہے۔ انہوں نے نئے فکر و احساس کو اردو شاعری میں سمونے کے لئے نئے الفاظ برتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی غزلوں پر کھردرے پن کا گمان ہوتا ہے۔ کہیں میں نے کہا ہے کہ مظفر حنفی کے یہاں لسانی فنی اور عروضی چابک دستی ملتی ہے۔ اس چابک دستی اور قادرالکلامی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے جی لگا کر شاد عارفی سے اکتساب فیض کیا ہے اور اپنے مشاہدہ اور مطالعہ سے اس خاکہ میں رنگ بھرا ہے۔ میں نے یہ بھی کہا ہے کہ پروفیسر مظفر حنفی کے یہاں انفرادیت کا ایک رنگ جھلکتا ہے۔ یہ انفرادیت ایک طرف نئے فکر و احساس کی دین ہے اور دوسری طرف اظہار کے عناصر کے نئے تال میل سے پیدا ہوئی ہے''۔31

مشہور و معروف شاعر منور رانا سے بھی ان کے دیرینہ مراسم رہے ہیں۔ انہوں نے ان کی شخصیت میں شریف النفسی، سادہ لوحی، دلداری اور انکساری جیسی صفات کی نشاندہی کی ہے مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ڈاکٹر مظفر حنفی نہایت شریف آدمی ہیں۔ تربیت میں انکسار اتنا کہ فقیروں اور درویشوں کے یہاں بھی اتنا دکھائی نہیں دیتا ہے۔ سادہ لوح اتنے کہ دلدار نگر کے ایک میدان میں اترنے سے بھی نہیں شرماتے۔ دوست نواز اتنے کہ راشن کی دکان والا بھی ان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو اظہار افسوس بھی کرتا ہے''۔32

مجموعی اعتبار سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے دوست واحباب کا حلقہ کافی وسیع تھا۔مختلف مقامات اورمختلف نوکریوں سے وابستہ رہنے کی وجہ سے ان کے کئی دوست بنے اوران کی زندگی کے مختلف مراحل میں دوستوں کا تعاون بھی رہا۔ان کے دوستوں کی ایک طویل فہرست ہے مگر چند مخصوص اور اہم دوستوں کے نام اس طرح ہیں۔بچپن کے دوست ،اختر ،بقرعیدی۔لڑکپن کے دوست جگنو،محمود،فرقان،شریف الحسن، کپورسنگھ۔اسکول کے دوست،سلطان،رام کرشن جوشی، مدن لال سیٹھی، حکیم قریشی۔بھوپال کے دوست ،وجئے سنگھ رانا،مہیش گپتا، نجیب رامش،بخشش عباس،عشرت قادری ،ڈاکٹرعبدالودود، واحد پریمی،فضل تابش،نعیم کوثر،مشتاق افغانی اور اخلاق اثر۔ کھنڈوا کے دوست،قاضی حسن رضا،حسن بشیر،قاضی انصار علی،احمدقریشی،اورخورشیداحمد صدیقی۔دہلی کے دوستوں میں گوپی چندنارنگ،صغراءمہدی،حنیف قریشی،عنوان چشتی،شمیم حنفی اور مجتبیٰ حسین۔کلکتہ کے دوستوں میں کچھ اہم نام منوررانا،اعزازافضل،عین رشید،سالک لکھنوی،خواجہ محمد یوسف،شہود عالم آفاقی،ف س اعجاز،علقمہ شبلی اور قیصرشمیم شامل ہیں۔اس طرح ان کے خلوص و محبت اورشخصیت کی انکساری وہمدردی کی وجہ سے ان کے دوست واحباب کا حلقہ کافی وسیع تھا۔

مظفرحنفی مشاہیر کی نظر میں

مظفرحنفی کی علمی وادبی خدمات کا ایک زمانہ معترف رہا ہے۔ان کی خدمات اورادبی مرتبے کی وجہ سے ان کے زمانے کے اکثر وبیشتر اردو کے ادیب،قلمکار،فنکار،شاعر،تنقید نگار،محقق،ناول نویس اورافسانہ نگاروں نے ان کی علمی وادبی خدمات پرقلم اٹھایا ہے اوران کے کارنامے پرروشنی ڈالی ہے۔ان کے ہم عصر کے ساتھ ساتھ ان کے اساتذہ اوران کے شاگردوں نے بھی ان کی تعریف وتوصیف کی ہے اورحقیقت بیانی کرکے ان کی شخصیت نیز ان کی علمی،عملی وادبی خدمات کا اظہار کھلے طور پر کیا ہے۔کئی رسائل وجرائد نے ان پرخصوصی شمارے شائع بھی کیے ہیں تو کئی رسائل نے خصوصی گوشہ کی اشاعت عمل میں لائی ہے۔مظفرحنفی کے معاصرین نے ان کی خدمات کا جو

اعتراف کیا ہے۔ان کی آراء کے حوالے سے اسے یہاں پیش کیا جارہا ہے،مثلاً کرشن چندران کے معاصرین میں اہم اور بڑا نام رہا ہے وہ مشہور فکشن نگار ہیں ۔انہوں نے ان کے افسانوں کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ان کی ادبی شخصیت پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''مظفرؔ حنفی نے اندھیرے کنویں میں ڈول نہیں ڈالے ہیں۔لاشعور کی بھول بھلیوں میں گم نہیں ہوا ہے۔حد سے بڑھی ہوئی دروں بینی کا شکار نہیں ہوا ہے۔ تجزیاتی ٹامک ٹوئیوں میں الجھ کر نہیں رہ گیا ہے۔وہ زبان و بیان کے الجھاوے دے دے کر زندگی سے آنکھیں چرانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ آنکھیں چار کرنے کی کوشش کرتا ہے''۔ 33؎

مظفر حنفی نے جس وقت افسانہ نگاری کی ابتداء کی فراق گورکھپوری اس وقت مشہور و معروف شاعر تھے۔انہوں نے اپنے نوجوان معاصر کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے انداز بیان کی یوں ستائش کی ہے:

''مظفرؔ حنفی صاحب ہمارے نئے افسانہ نگاروں میں ایک ہونہار ادیب ہیں۔ان کے افسانوں میں زندگی کے کئی پہلوؤں کی عکاسی ہے۔ بیان نہایت سلجھا ہوا ہے۔ان میں نیا پن ہے۔ان کا انداز دلکش ہے، مکالمے فطری ہیں اور پلاٹ میں جدت ہے۔اگر نوجوان مصنف نے اپنی کوششیں جاری رکھیں تو وہ ترقی کی نئی منزلیں کامیابی سے طے کرتے جائیں گے۔34؎

یہ مظفر حنفی کی خوش نصیبی رہی ہے کہ ان کے کام کو اس زمانے کے تقریباً تمام بڑے اساتذہ اور ادباء و شعراء نے سراہا ہے اور ان کی تخلیقات پر اظہار خیال بھی فرمایا ہے۔آل احمد سرور کا نام اردو دنیا کے لئے محتاج تعارف نہیں ہے۔مظفر حنفی کی غزل کی خصوصیات کا احاطہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''مظفرؔ حنفی جدید اردو غزل کا ایک معتبر نام ہے۔ ان کے اشعار میں دھیمی دھیمی بہنے والی جوئے آب کی سی بہتی ہوئی روانی ہے۔ پہاڑی چشمے کی سی تند و تیز لہر ہے۔ ان کے اشعار میں تلوار کی کاٹ ہے''۔ 35؎

ڈاکٹر وزیر آغا اردو ادب کا ایک اہم نام ہے مظفر حنفی کی غزل گوئی پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے روایت کے امتزاج کو ان کی غزل کا امتیازی وصف بتایا ہے:

''مظفرؔ حنفی کی غزل، جدید اردو غزل کی سمفنی سے پھوٹا ہوا ایک منفرد، تازہ، پیچ و خم کھاتا دل موہ لینے والا، وہ سر ہے جس نے غزل کے ''کل'' سے لحظہ بھر کے لئے الگ ہو کر اپنے وجود کا اثبات کیا ہے مگر پھر لپک کر غزل کی سمفنی میں دوبارہ شامل ہو گیا ہے۔ تجربے اور روایت کا بنتا بگڑتا نجوگ مظفرؔ حنفی کی غزل کا امتیازی وصف ہے''۔36؎

پروفیسر سید امین اشرف کا تعلق انگریزی ادب سے ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی میں انگریزی کے پروفیسر بھی رہے ہیں۔ اردو ادب پر بھی ان کی مضبوط پکڑ ہے نیز وہ اردو کے بہترین شاعر بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے مظفر حنفی کی شاعری کی انفرادی خصوصیات کا احاطہ کرتے ہوئے ان کی شاعری کو زندہ رہنے والی شاعری بتایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''مظفرؔ حنفی کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کو نام نہاد شدت پسند جدید شعراء کی مہمل گوئی سے بچایا ہے اور ترقی پسند شعراء کے مصنوعی شور و غوغا سے بھی۔ یہ زندہ رہنے والی شاعری ہے۔ مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جس اسلوب یا جس لہجے کو مظفرؔ نے اختیار کیا ہے وہ اس کے موجد ہیں اور خاتم بھی''۔37؎

مظفر حنفی کی شاعری کے تعلق سے ڈاکٹر حنیف فوق اظہار خیال کرتے ہوئے ان کی شاعری کی تازہ کاری کی خصوصیت کی نشاندہی کی ہے:

''مظفرؔ حنفی کے انداز غزل میں نئی جہت کا احساس ہوتا ہے۔ان کی تازہ کاری کی بنیاد اردو شاعری کا کلاسیکی سرمایہ ہے''۔38؎

خلیل الرحمٰن اعظمی عمدہ شاعر اور اچھے وکھرے نقاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔انہوں نے بھی ان کی شاعری میں حقیقت پسندی اور طنز آمیز خارجیت کو تلاش کر کے ان کی شاعری کو سراہا ہے، مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''ان کی غزل کی نمایاں خصوصیت اس کا غیر رومانی لہجہ ہے۔انہوں نے نئے دور کی حقیقت پیش کرنے کے لئے کھردرے اور درشت لہجے کو اپنایا ہے اور انفعالی جذبات نگاری کے بجائے ایک طنز آمیز جارحیت سے کام لینے کی کوشش کی ہے جو اس دور کے مزاج سے ہم آہنگ ہے جہاں زندگی کی تمام قدریں اور سماجی و معاشرتی ادارے انحطاط و بوسیدگی کا شکار ہیں۔انہیں شاد عارفی کے شاعرانہ مزاج سے ایک فطری مناسبت ہے اور اس نوع کی ہم آہنگی اور مماثلت مجھے اردو شاعری میں بہت کم دکھائی دیتی ہے''۔ 39؎

ڈاکٹر فرمان فتح پوری اردو ادب میں ایک اہم نام ہے، وہ بھی خلیل الرحمٰن اعظمی کی طرح ان کی شاعری کی ستائش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''غزل کی شاعری سے شعوری طور پر طنز کے نشتروں کا کام لینے کا آغاز اردو میں مظفرؔ کے استاد شادؔ عارفی نے کیا تھا۔مظفرؔ حنفی نے ان نشتروں کو کچھ اور آبدار بنانے کی کوشش کی ہے اور اس کی کوشش میں وہ ہر طرح کامیاب ہوتے ہیں''۔40؎

پروفیسر وہاب اشرفی بھی ان کی طنز نگاری کو ان کا عمومی مزاج تصور کرتے ہیں اور ان کی آواز اور انداز کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''طنز نگاری مظفرؔ حنفی کا عمومی مزاج ہے۔ویسے جدید شاعروں میں ان کی آواز

اپنے تیکھے انداز کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے''۔41

ماہر جمالیات پروفیسر شکیل الرحمٰن نے بھی مظفر حنفی کی خدمات پر خامہ فرسائی کی ہے:

''مظفر حنفی کی تیز کاٹنے والی اور جھٹ سے کلیجے میں چبھ جانے والی شاعری ان کے احساس جمال اور سوز و گداز، ان کی دردمندی اور آرزومندی کا عطیہ ہے''۔42

پروفیسر محمد حسن ان کی شاعری میں جدت پسندی کو ہیئت پرستی تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ ان کے انداز کا شگفتہ پن سمجھتے ہیں۔ان کی تحریروں میں تاثر پیدا کرنے کی خوبی کی ستائش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''ان کا نیا پن محض ہیئت پرستی نہیں ہے بلکہ شگفتہ اور منفرد انداز بیان کی کوشش ہے۔نئی تکنیک یعنی رمزیت اور بکھرے ہوئے تأثر پاروں کو ایک رشتے میں پرو کر وحدت میں تاثیر پیدا کرنے کا ہنر انہیں آتا ہے''۔43

پروفیسر کرامت علی کرامت کا تعلق اڑیسہ سے ہے اور وہ اردو ادب کی خدمات کے سلسلے میں اڑیسہ بھر میں مشہور بھی ہیں، مظفر حنفی کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان کے یہاں تجربات کا جس قدر تنوع پایا جاتا ہے وہ ان کے ہم عصروں میں بہت کم کہیں نظر آتا ہے۔تجربوں کی راہوں میں ایک ہی سمت چلتے رہنا مظفر حنفی کے شعری ذوق کے منافی ہے''۔44

کرشن چندر، فراق گورکھپوری، ڈاکٹر وزیر آغا، خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، پروفیسر شکیل الرحمٰن، پروفیسر وہاب اشرفی، ڈاکٹر خلیق انجم، آل احمد سرور، گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی، محمود ہاشمی، شمیم حنفی، عمیق حنفی، مخمور سعیدی جیسے نامور شعراء و ادیب و ناقد سبھی نے مظفر حنفی کی شاعری پر کھل کر اظہار خیال کیا ہے اور مظفر حنفی کی شخصیت اور شاعری کی انفرادی خصوصیات کا احاطہ

کرتے ہوئے ستائش کی ہے۔ مظفر حنفی کے کام کی نوعیت، انفرادیت اور خصوصیت کا مطالعہ ومشاہدہ کیا جائے تو ان کی شخصیت کے مختلف النوع پہلو سامنے آجائیں گے اور انہیں بڑا ادیب اور اردو سے رغبت ودلچسپی لینے والا اہم خدمت گزار قرار دیا جاسکتا ہے۔

مظفر حنفی کی تعریف وتوصیف میں شاعروں نے اشعار بھی کہے ہیں تو نظمیں بھی لکھی ہیں اور قطعات بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک نظم جس سے ان کی شخصیت کے مختلف اوصاف کا احاطہ کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، چند شعر ملاحظہ کیجیے:

تلخی تمہارے سچ میں ہے شامل مٹھاس بھی
رہتی ہے ساتھ ساتھ تجسس کی پیاس بھی

کرتے ہو اہتمام غزل شہر عشق میں
جب ڈوب ڈوب جاتے ہو تم بحر عشق میں

حنفی تمہارے دل میں ادب کا نشہ بھی ہے
حنفی تمہارے فکر میں فن کی ضیا بھی ہے

آنکھوں میں حوصلوں کی چمک و دمک بھی ہے
اردو کے تم سپاہی ہو لڑتے ہو جنگ بھی

بزم جہاں میں چار سو اردو کا ہے رواج
اردو میں ہو رہے ہیں بہت آج کام کاج

اس کا تھا جو مقام ابھی تک ملا نہیں
جو چاہئے تھا اس کے لئے وہ ہوا نہیں

روشن تمہارے دم سے غزل کا دیار ہے
واقف ہوں اس لئے تمہیں اردو سے پیار ہے

اللہ لم یزال کا سایا تمہیں ملے
ہر لمحہ روشنی کا سہارا تمہیں ملے

تم کیا ہو اک شجر ہو بہت سایہ دار ہو
میرے لئے تو جوش نمو کی پکار ہو

تم کاشف جمال ہو، عظمت نشاں بھی ہو
شاعر بھی ہو ادیب بھی ہو، نکتہ داں بھی ہو

الفاظ تم سے ہوتے ہیں ہر روز روبرو
حقّی تمہیں کو آتے ہیں انداز گفتگو

اہل نظر کے دل میں نہ کیوں احترام ہو
تم باکمال شاعر اعلیٰ مقام ہو

لکھے ہیں تم نے کتنے دفاتر علوم کے
پڑھتے ہیں جن کو اہل ہنر جھوم جھوم کے

ہوتا ہے کیا غزل کا اثر جانتے ہو تم
ملک سخن کی ساری خبر جانتے ہو تم

لفظوں کے تاجدار، معانی کی شان ہو
دشت ادب میں آبلہ پائی کی جان ہو

زور بیاں میں کاٹ ہے الفاظ دل نشیں
تم منفرد ہو کوئی بھی تم سا یہاں نہیں

شہر غزل کے راز نہاں سے ہو آشنا
تخلیق کے جنون میں رہتے ہو مبتلا

حنفی تمہاری سانس ہیں تسکین آرزو
حنفی تم ایک گل ، کہ فدا جس پہ رنگ و بو

خوشبو سے بھر کے لکھتے ہو ہر لفظ صاف صاف
ترکیب نا تراش ہے تم کو ہے انحراف

دیتے ہو تازگی تو لپک اور تیز ہو
حنفی تمہارے فن کی مہک اور تیز ہو

اس نظم کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مظفر حنفی کی شخصیت میں بے باکی، حق گوئی، صاف دلی، انکساری، ہمدردی، مخلص اور محبت اپنے عزیزوں، دوستوں اور معاصر سبھی کے ساتھ رہی ہے یہی وجہ رہی ہے کہ ان کے چاہنے والوں کا حلقہ بہت وسیع رہا ہے۔ اتنی محبت خود انہوں نے اپنے اور پرایوں سے بھی حاصل کی ہے۔ حق گوئی کی وجہ سے بعض دفعہ ان کے لہجے میں تیزی اور طنزیہ انداز آجاتا ہے لیکن یہ لہجہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا بلکہ ان کے مزاج کی نرمی اور مٹھاس اور محبت وخلوص کے ساتھ اعتدال سے ان کا حسن سلوک ہمیشہ قائم رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کے دشمن بھی ہوجاتے ہیں تو ان کے حسن سلوک کا اعتراف ضرور کرتے نظر آتے ہیں۔ غرض مظفر حنفی بڑے محنتی اور اردو کے سچے خدمت گزار تھے۔ جنہوں نے اپنی شخصیت کی انفرادیت اور اپنی تحریروں کے انداز سے اپنے اساتذہ، معاصر اور نوجوانوں کو بھی متأثر کیا اور اپنی انہی خوبیوں کی بدولت وہ اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

☆☆☆

حوالے

1۔ ماہنامہ چہارسو، راولپنڈی پاکستان، ص6

2۔ مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی، ص98

3۔ مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی، ص98

4۔ سہ ماہی سفیر، اردو لیوٹن برطانیہ، ص127

5۔ سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن برطانیہ، پرویز مظفر، ص28-127

6۔ ڈاکٹر مظفر حنفی، دہلی، شریک انٹرویو، گلزار جاوید، ماہنامہ چہارسو، راولپنڈی، پاکستان، ص-15

7۔ ڈاکٹر صبا تسنیم، دہلی، ماہنامہ چہارسو، راولپنڈی، پاکستان ص-05

8۔ ڈاکٹر نسیم نکہت، مژگاں، ص258

9۔ ماہنامہ چہارسو، راولپنڈی، پاکستان، ص24

10۔ ڈاکٹر خالد محمود، ادب کی تعبیر ص9، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی، 1999

11۔ سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن، برطانیہ، ص127

12۔ پرویز مظفر، برمنگھم، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن، برطانیہ، ص127

13۔ گفتگو: دوبدو، مظفر حنفی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2013ء ص26

14۔ شارب ردولوی، شخصیت اور تنقید نگاری، ڈاکٹر عرشیہ جبین، ص103

15۔ نوشاد مومن، مژگاں، کولکاتا، 2006 (مظفر حنفی فن اور فن کار) ص7

16۔ ڈاکٹر شمع افروز زیدی، بیسویں صدی، نئی دہلی، جولائی تا دسمبر 2011، ص29

17۔ پروفیسر ظفر احمد نظامی، مژگاں، کولکاتا، 2006 (مظفر حنفی فن اور فن کار)، ص19

18۔ پروفیسر صغراء مہدی، مژگاں، کولکاتا، ص72

19۔ پرویز مظفر، سہ ماہی سفیر اردو لیوٹن، برطانیہ ص130

20۔ پرویز مظفر، برمنگھم سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص131

21۔ پرویز مظفر، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص130

22۔ پرویز مظفر، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص07-106

23۔ پروفیسر شمیم حنفی، ماہنامہ چہارسو، راولپنڈی (پاکستان) ص14

24۔ مجتبیٰ حسین، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص107

25۔ پروفیسر مظفر حنفی، گفتو: دوبدو، انٹرویو، ص41

26۔ ابراہیم اشک، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص94

27۔ پرویز مظفر، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن، (برطانیہ) ص127

28۔ مجتبیٰ حسین، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص105

29۔ پروفیسر شمیم حنفی، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص30

30۔ حباب ہاشمی، سہ ماہی روشنائی کراچی، پاکستان، ص186

31۔ پروفیسر عنوان چشتی، چہارسو، راولپنڈی، پاکستان، ص58

32۔ منور رانا، مژگاں، 2006 (مظفر حنفی فن اور فن کار) کلکتہ، ص101

33۔ کرشن چندر، سہ ماہی روشنائی کراچی، پاکستان، ص196

34۔ فراق گورکھپوری، بھولی بسری کہانیاں، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ص13

35۔ پروفیسر آل احمد سرور، مژگاں، 2006 (مظفر حنفی فن اور فن کار) ص134

36۔ ڈاکٹر وزیر آغا، مژگاں، 2006 (مظفر حنفی فن اور فن کار) ص148

37۔ پروفیسر سید امین اشرف، مزگاں، کولکاتا، ص383

38۔ ڈاکٹر حنیف فوق، سہ ماہی روشنائی، کراچی، ص211

39۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، سہ ماہی روشنائی کراچی ص199

40۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کمان، فلیپ

41۔ پروفیسر وہاب اشرفی، مژگاں، ۲۰۰۶ (مظفر حنفی فن اور فن کار) ص274

42۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن، مظفر حنفی: ایک مطالعہ، ص375

43۔ پروفیسر محمد حسن، سہ ماہی روشنائی کراچی، پاکستان، ص200

44۔ پروفیسر کرامت علی کرامت، مظفر حنفی: ایک مطالعہ؟، ص301

باب دوم

مظفر حنفی کی شعری خدمات

(الف) حمد

(ب) نعت

(ج) منقبت

(د) غزل گوئی

(ہ) نظم نگاری

(و) رباعی گوئی

(ز) گیت

(ح) ترانے

(ط) دوہے

مظفر حنفی کی شعری خدمات

مظفر حنفی نے ابتداء میں اپنی بہن کے لیے فی البدیہہ شعر کہہ کر شاعری کی طرف توجہ کی اور آخری عمر تک اشعار ہی کہتے رہے۔ مظفر حنفی اردو ادب میں بحیثیت شاعر معروف ہیں۔ یوں تو انہوں نے نثر نگاری کی طرف بھی توجہ کی ہے لیکن شاعری ہی ان کا خصوصی میدان رہا اور وہ اردو ادب میں شاعر کی حیثیت سے ہی زیادہ جانے جاتے ہیں۔ بحیثیت شاعر انہوں نے اردو شاعری کی تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے مثلاً نعت، حمد، منقبت، غزل، نظم، رباعی، مرثیہ، سلام، دوہے، گیت اور ترانے وغیرہ لیکن ان کی پسندیدہ و محبوب صنف سخن غزل ہی رہی ہے۔

مظفر حنفی نے تقریباً اردو ادب کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کی پسندیدہ اور محبوب صنف سخن شاعری ہی رہی ہے۔ وہ ابتداء میں بچوں کے لئے کہانیاں لکھا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے افسانوی دنیا میں قدم رکھا لیکن بعد میں شاعری کے میدان میں قدم رکھا اور اسی کے ہو کر رہ گئے۔ اپنے ایک انٹرویو میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے وہ خود یوں فرماتے ہیں:

''ہمارا ایک شعر ہے:

بچپن میں کھلواڑ کیا تھا اک دن ہم نے شعروں سے
بھوگ رہے ہیں بچپن برسوں سے اپنی نادانی کو

یہ دس برس پرانا شعر ہے یعنی شعروں سے کھلواڑ کوئی ۴۶۔۱۹۴۵ء کے آس پاس کیا تھا۔ ہوا یوں کہ منجھلی بہن شفیق فاطمہ اپنی سہیلی کو خط لکھنے کے لئے ایک مناسب شعر چاہتی تھیں ہم نے ایک آنہ کے عوض گڑھ دیا اور تا حال اس اکنّی کا قرض ادا کر رہے ہیں''۔[1]

اس طرح سے مظفر حنفی نے ابتداء میں اپنی بہن کی فرمائش پر شعر کہا تھا لیکن آگے چل کر وہ

ان کا مستقل مشغلہ بن گیا۔ وہ شاعری صرف ذوق کی تسکین کے لئے نہیں کرتے تھے بلکہ شاعری سے ان کی قلبی وابستگی تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ شاعری ہی کی ہے اور شاعری میں غزل ان کی محبوب صنف رہی ہے۔ ان کی غزلوں کی تعداد دو ہزار سے بھی زائد ہے۔ مظفر حنفی اپنی شاعری کے مجموعے کی اشاعت کرتے رہے اور ان سب دواوین کو اکٹھا اور یکجا کر کے آخر کار کلیات کی شکل دے دی گئی ہے۔ ان کی دو کلیات ''کمان'' اور ''تیزاب میں تیرتے پھول'' ہیں۔ ''کمان'' اور ''تیزاب میں تیرتے پھول'' میں تمام شعری مجموعوں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے جبکہ ان کے متفرق غیر مطبوعہ تخلیقات کو ''کمان'' میں شامل کیا گیا ہے جو ۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ واضح ہو کہ یہ غیر مطبوعہ تخلیقات ۱۹۵۲ء سے لے ۲۰۱۲ء کے دوران کے ہیں، ان میں غزلیں، نظمیں اور بچوں کے لئے لکھے گئے اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ سنٹرل یونیورسٹی کشمیر کے لئے لکھا گیا ترانہ بھی اس میں شامل ہے اور اسی کے ساتھ شاد عارفی کی موت پر رقم کیا گیا شخصی مرثیہ بھی شامل ہے نیز قطعات اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں تحریر کیا گیا سلام بھی ہے۔ زیر تذکرہ مجموعہ میں شامل ترانہ کی مجموعی تعداد ۱۰ ہیں جس میں سے ۹ سینٹرل یونیورسٹی کشمیر کے لئے لکھے گئے ہیں اور ایک ترانہ جواہر ہائی اسکول کھنڈوہ مدھیہ پردیش کے لئے انہوں نے لکھا تھا۔ کمان اور تیزاب میں تیرتے پھول ان دونوں کلیات سے انہوں نے ۲۵۰۰ غزل کے موضوعاتی اشعار کو یکجا کر کے ایک کتاب کی اشاعت عمل میں لائی ہے اور ان اشعار کے مجموعہ کا نام ہے ''ہیرے ایک ڈال کے''۔ مظفر حنفی کے دونوں کلیات کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان میں حمد بھی ہے اور نعت بھی، غزل بھی ہے تو منقبت بھی، نظم ہے اور رباعی بھی، گیت ہے تو دوہے بھی اور سلام ہے تو مرثیے بھی۔ غرض انہوں نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر کے شعری میدان میں وسعت دینے کی کوشش کی ہے۔

حمد

اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف وتوصیف اوران کے صفات میں جو اشعار کہے جاتے ہیں اسے حمد کہتے ہیں ۔عربی ، فارسی ، ہندی اور دیگر زبانوں میں بھی حمد کہے گئے ہیں۔اردو زبان وادب کے بڑے بڑے اور معتبر ومستند شعراء نے بھی حمد لکھ کر خدا کی بارگاہ میں اپنے بندہ ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے۔ مظفر حنفی کی دونوں شعری کلیات ''کمان'' اور ''تیزاب میں تیرتے پھول'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے حمد بھی کہے ہیں اوران دونوں کلیات کو خالق اکبر کے نام معنون کرتے ہوئے ایک حمدیہ شعر کہتے ہیں ۔

خدائے عزو جل تو جاوداں کرتا ہے لفظوں کو
مظفرؔ اپنی ہر تخلیق تیرے نام کرتا ہے

مظفر حنفی کی تحریر کردہ شعری کلیات ''کمان'' میں ایک بھی حمد نہیں ہے جبکہ ''تیزاب میں تیرتے پھول ''میں ان کی لکھی ہوئی حمد کی تعداد سات ہے۔ان کی ایک حمد سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

بے کسوں کے لئے سہارا تو ڈوبتوں کے لئے کنارا تو
ایک کے واسطے فراز صلیب ایک کو طور کا نظارا تو
بو تری دامن صبا میں ہے ہر شگوفے سے آشکارا تو
ہم سے تیرے لئے کروڑوں ہیں اور لے دے کے اک ہمارا تو
دن میں راتوں کی یاد ہے تجھ سے رات میں صبح کا ستاراتو
اس طرف ہولناک طوفاں ہے اس طرف نور کا منارا تو
تھک گئے ہم گناہ کر کر کے رحم کرتے ہوئے نہ ہارا تو
ہے مظفرؔ تمام خواہش مرگ زندگی کا ہے استعارا تو

نعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو اشعار کہے جاتے ہیں اسے نعت کہتے ہیں۔ مختلف زبانوں میں شعراء نے نعت شریف لکھ کر اپنی شاعری کو پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے۔ اردو ادب کے مسلم الثبوت شعراء نے نعت شریف لکھ کر اپنے آپ کو بارگاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں مظفر حنفی کی لکھی ہوئی صرف ایک نعت شریف ہی ملتی ہے جیسا کہ انہوں اپنے سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' ایک جگہ تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ'' مجھے نعت کہنے میں بڑا خوف آتا ہے۔ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار، لے دے کر ایک نعت عاصی کی جھولی میں ہے اور یہ مستحکم اعتقاد ہے کہ بہتوں کی نجات کے لئے وہی کافی ہوگی''۔ مظفر حنفی کی کلیات ''کمان'' میں ایک بھی نعت شریف نہیں ہے جبکہ کلیات ''تیزاب میں تیرتے پھول'' کے صفحہ ۵۷ پر یہی ایک نعت شریف ملتی ہے۔ ان کی تحریر کردہ چھوٹی بحر میں ایک نعت شریف کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

غنچے غنچے کھلا محمد خوشبو سا پھیلتا محمد
سینے سینے مہک رہا ہے چاند کرن موتیا محمد
کیسی اٹھلاتی پھرتی ہے تتلی پر لکھ دیا محمد
ریشہ ریشہ دھوپ کے نیزے سر پر کالی گھٹا محمد
دم گھٹنے کی کیفیت میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا محمد
یوم ازل سے روز ابد تک رحمت کا سلسلہ محمد
سر تا پا عصیاں پیکر ہوں مجھ کو بھی دیکھنا محمد
مرنے کے لاکھوں حیلے ہیں جینے کا آسرا محمد
ہر مشکل میں ہر آفت میں پڑھیے صل علیٰ محمد

منقبت

صحابہ کرام، بزرگان دین، اولیاء کاملین کی تعریف وتوصیف میں کہی جانی والی نظم کو منقبت کہتے ہیں۔ مظفر حنفی نے کئی بزرگان دین کی شان میں نظمیں تحریر کی ہیں۔ان کی کلیات میں کئی منقبتیں ملتی ہیں اسی میں ایک منقبت ہندوستان کے مشہور ومعروف صوفی بزرگ اور سلسلہ چشتیہ کے روحانی پیشوا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید وخلیفہ اور حضرت امیر خسرو کے پیرومرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف میں منقبت تحریر کی ہے۔مظفر حنفی کے قلم سے نظام الدین اولیاء کی شان میں تحریر کردہ منقبت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

محبوب پیمبر ، فخر علی حضرت سلطان نظام الدین
''تم نور مجسم، حق کے ولی، حضرت سلطان نظام الدین''
تری چاہ میں ہم بھی فقیر ہوئے، تری زلف کے ہم بھی اسیر ہوئے
ترے نام کی تن بھبھوت ملی، حضرت سلطان نظام الدین
کیا نذر عقیدت پیش کریں، حاضر ہے تمہارے قدموں میں
یہ تازہ بہ تازہ دل کی کلی ،حضرت سلطان نظام الدین
امید ہماری بر آئے ، اس ڈال پہ اب تو ثمر آئے
مدت سے نہیں یہ پھولی پھلی، حضرت سلطان نظام الدین
رہبر ہے کون مظفؔر کا، محور ہے کون مظفؔر کا
کردو تحریر بخط جلی، حضرت سلطان نظام الدین

اس منقبت میں مظفر حنفی نے اپنی کم مائیگی کا احساس کرایا ہے اور حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کو اپنا رہبر ورہنما تسلیم کیا ہے۔

غزل گوئی

غزل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے متعلق باتیں کرنا اور حسن وعشق سے متعلق گفتگو کرنا کے ہیں۔لیکن اب غزل کے موضوعات میں تنوع آیا ہے اور مختلف النوع مضامین میں غزلیں رقم کی جاتی ہیں۔اس کے موضوعات میں سماجی، ادبی، معاشی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور گھریلو مسائل الغرض ہمہ جہت موضوعات پر غزلیں لکھی جاتی رہی ہیں اسی روایت کو مظفر حنفی نے بھی مضبوط کیا ہے اور انہوں نے بھی اپنی غزلوں میں مختلف النوع موضوعات ومسائل کو پیش کیا ہے۔اردو ادب کے معتبر ومستند اور مسلم الثبوت شعراء نے غزل کی صنف میں اپنی اہمیت تسلیم کرائی ہے۔مظفر حنفی نے تقریباً اردو شاعری کی تمام اصناف میں خامہ فرسائی کی ہے مگر ان کی محبوب صنف سخن غزل ہی رہی ہے۔غزل سے ان کا تعلق قلبی تھا اور یہ شعر اس بات کی دلیل کے لئے کافی ہے۔یہی وجہ رہی ہے کہ وہ غزل سے دلی وابستگی رکھتے ہیں اس لیے خود کہتے ہیں کہ

بری نہیں ہے مظفرؔ کوئی بھی صنف ادب
قلم غزل کے اثر میں رہے تو اچھا ہے

☆☆☆

پروفیسر مظفر حنفی کا اردو ادب میں سب سے زیادہ سرمایہ غزل میں ہی موجود ہے جبکہ انہوں نے غزلوں کے علاوہ نظمیں، رباعیات، مرثیے اور ترانے بھی قلمبند کئے ہیں۔مگر ان کو دلی لگاؤ غزل سے ہی رہا۔ان کی ایک خوبصورت غزل جسے ان کی شعری کلیات ''تیزاب کے تیرتے پھول'' کے صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے اسی غزل سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اڑ رہی تھی وہاں گرد تشکیک کی، آندھیاں تیز تھیں طنز وتضحیک کی
راستے میں پڑا نیک نامی کا پل، خوف آیا جسے پار کرتے ہوئے

وہ خراشیں دکھاتے رہے ہاتھ کی ، سنگ باری کے دوران آئی تھیں جو
ہم ادھر زخم سر کو چھپاتے رہے اور تزئین دستار کرتے ہوئے

☆☆☆

بے رخی کی ہوائیں موافق نہ تھیں، کیسے اخلاص کی کونپلیں پھوٹتیں
چار آنسو زمینوں کو نم کر گئے ، سرد لفظوں کو بے کار کرتے ہوئے

☆☆☆

پھر چھٹی حس نے پرچے لگائے بہت، آئینے عاقبت نے دکھائے بہت
بھائی نے آج کیوں مجھ کو دیکھا نہیں، تاج پوشی کا دربار کرتے ہوئے

☆☆☆

یہ زمانہ لگا ہے کہ اب جسم میں، خار کے واسطے قطرہ خوں نہیں
ایک وہ وقت بھی تھا کہ چلتے تھے ہم، راستے بھر کو گلنار کرتے ہوئے

☆☆☆

طرز تعمیر کے کچھ نئے زاویے ، عصر نو کو مظفؔر نے بخشے تو ہیں
اپنی ہی ذات پر وار کرتے ہوئے اپنی ہستی کو مسمار کرتے ہوئے

☆☆☆

پروفیسر مظفر حنفی کی شخصیت میں صاف گوئی اور حق گوئی کی وجہ سے لہجے میں سختی آ گئی تھی وہ ان کی شاعری میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ان کی شاعری میں زیادہ تر تند، تیز اور طنزیہ انداز ملتا ہے اور یہی ڈاکٹر مظفر حنفی کی شاعری کی انفرادیت بھی ہے۔ان کا اپنا انداز ہے، ان کا اپنا لہجہ ہے، ان کا اپنا ایک مقام ہے اور ان کی شاعری اور ان کا لہجہ انہوں نے اپنے پیش رؤوں اور اپنے ماقبلوں سے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ ان کی شخصیت کی دین ہے۔چاہے موضوع کوئی ہو وہ روایات سے

ہٹ کر کچھ نیا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کسی حد تک انہیں اس میں کامیابی بھی ملی ہے۔ مثال کے طور پر ان کے غزلیہ اشعار سے چند شعر بطور نمونہ پیش ہیں:

اس نے اس انداز سے جھٹکا اپنے بالوں کو
میری آنکھوں میں در آیا پورا کجلی بن

☆☆☆

اے مظفؔر کس لئے بھوپال یاد آنے لگا
کیا سمجھتے تھے کہ دلی میں نہ ہوگا آسماں

☆☆☆

ملہاریں گاتے ہیں مینڈک تال کنارے
آسمان پر بھورے بادل مٹک رہے ہیں

☆☆☆

بچپن میں آکاش کو چھوتا سا لگتا تھا
اس پیپل کی شاخیں اب کتنی نیچی ہیں

☆☆☆

سادہ کاغذ کی کہانی کا پس منظر ہیں
دوج کا چاند، ہرے بانس چمکتا پانی

☆☆☆

جھوم کر کیلے کے پودے نے بلایا تھا
وہ بھی نکلا کوئلے کی گرد میں لتھڑا ہوا

☆☆☆

موسم نے کھیت کھیت اگائی ہے فصل زرد
سرسوں کے کھیت ہیں کہ جو پیلے نہیں رہے

مذکورہ چند متفرق اشعار سے ان کی غزل کی صلاحیت وانفرادیت کو آسانی سے آنکا جا سکتا ہے۔ان کی تعریف میں رطب اللسان ان کے ہم عصر اور مشہور ومعروف نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ نے انہیں بنیادی طور پر تخلیق کار کہا ہے لیکن یہی حقیقت ہے کہ مظفر حنفی بنیادی طور پر شاعر ہی ہیں۔ بہترین شاعری کے لئے یا تو اچھے اور نئے خیالات، شاندار تفکر اور عمدہ سوچ درکار ہوتی ہے یا نیا انداز بیان اور یہ دونوں چیزیں ان کے یہاں آسانی سے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ شاعری ذات کا آئینہ ہوتی ہے اور سماج ، ماحول ،عصری حالات کو موضوع بنا کر شاعر شاعری کرتا ہے، شاعر پر جو گزرتی ہے یا اس کے اردگرد جو واقعہ، سانحہ اور حادثہ پیش آتا ہے اسی کے مدنظر شاعر اپنے خیالات پیش کرتا نظر آتا ہے، ان سب کے مدنظر ہم ان کی شاعری کو کامیاب شاعری اور انہیں کامیاب شاعر تسلیم کر سکتے ہیں۔ پروفیسر مظفر حنفی کے اشعار کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں سوز وگداز، خلوص، وارفتگی، جذبہ، محبت اور دنیا کا درد سبھی کچھ نظر آتا ہے۔ چند اشعار دیکھئے:

اختلاف رائے کے اندر زیاں کو ئی نہیں
آپ کا دشمن نصیب دشمناں کوئی نہیں
خلوتوں کے بھید کوئی جاننے والا بھی ہے
مت سمجھ لینا ہمارے درمیاں کو ئی نہیں

☆☆☆

دوسروں کے واقعات عشق اپناتے ہیں وہ
جن سخن سازوں کی اپنی داستاں کو ئی نہیں

جب ان کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو علم ہوتا ہے کہ جہاں انہوں نے تمام موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے مثلاً عشقیہ مضامین کے علاوہ سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی

تقریباً تمام موضوعات ان کے یہاں ملتے ہیں۔ نہ صرف موضوعات میں تنوع ملتا ہے بلکہ انہوں نے اسلوب بیان کے بھی کرشمے دکھائے ہیں مثلاً ان کی شاعری میں تشبیہ، استعارہ، روزمرہ، محاورہ اور صنائع وبدائع کا خوب خوب استعمال ہوا ہے۔ ممتاز صنعتیں اپنے تمام تر حسن کے بہار دکھاتے ہوئے جلوہ افروز ہیں۔ جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ میں ایک خاص قسم کا توازن پایا جائے تو وہ پورا شعر یا مصرعہ فصیح کہلاتا ہے۔ اسی کو بندش کی چستی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دل آویزی، برجستگی، روانی اور سلاست بھی کہتے ہیں۔ ان کے کلام میں اس طرح کی خوبیاں بہ کثرت پائی جاتی ہیں اور ان کی شاعری میں آہنگ، موسیقیت اور لفظوں کی تکرار کے استعمال سے ان کی شاعری میں خوبصورتی پیدا ہوگئی ہے جو غزل کا حسن بھی ہے۔

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ مظفر حنفی کی شخصیت میں حق گوئی تھی وہ سچ چاہے جتنا بھی تلخ کیوں نہ ہو اسے کہنے سے نہیں چوکتے تھے ان کی یہی بے باکی، تیکھا انداز اور طنزیہ لہجہ ان کی شاعری میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شخصیت میں یہ اثرات ان کے استاد شاد عارفی کے زیر اثر آئے ہیں اس لئے ان کی شخصیت میں بھی صاف گوئی اور سختی دکھائی دیتی ہے۔ وہ چھل کھپٹ، دکھاوا، القاب وخطاب اور ناز ونخرے سے پرہیز کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مظفر حنفی کے یہاں بھی طنز کے تیز اور نکیلے نشتر کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے عصر حاضر کے درپیش حالات کو اپنے اشعار میں سمویا ہے۔ آنکھوں دیکھا حال اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔ خالد محمود لکھتے ہیں:

> ''ابتداء میں مظفر حنفی تیز نکیلے نشتر چلاتے ہیں، جس پر وار کرتے ہیں اس کو طنز کے تیروں سے زخمی کر دیتے ہیں، ان کے نشتر عصر حاضر کی روح میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ''تیکھی غزلیں'' اور ''صریر خامہ'' میں اس قبیل کے اشعار کثرت سے موجود ہیں۔ ''پانی کی زبان'' کی غزلوں میں اسلوب کی تازگی اور گفتار کی ندرت اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ ''تیکھی غزلیں'' اور ''صریر خامہ'' کی طرح ''پانی کی زبان'' میں شعری رویہ کا انحصار طنز پر نہیں، طنز ہمرکاب ضرور ہے۔ طنز

آمیز گفتار کا نرالا پن ان کے شعری سرمایہ کی جان ہے۔ یہ نرالا پن ٹیڑھی ترچھی اور بانکی سجیلی چال سے عبارت ہے۔ مظفر حنفی کی اپنی اس چال پر بڑا ناز ہے۔ بقول ظ۔ انصاری 'اسے اپنی ترچھی پرواز پر ناز ہے اور ہمیں بھی اس کے ہاں یہی صفت خوب جچتی ہے''۔2

مظفر حنفی کی غزل کی خاص خصوصیات الفاظ کی تکرار سے موسیقیت اور مہمل لفظیات سے مطلوبہ معنویت پیدا کرنا مظفر حنفی کا کمال ہے۔ زندگی کی ناہمواریوں کو وہ غزل کی میٹھی زبان اور ترنم میں پیش کرنے کے قائل ہیں۔ وہ صنعت تضاد، صنعت تکرار، پیکر تراشی کا اپنے اشعار میں عمدہ استعمال کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کریں:

صنعت تضاد

ہمارے پاس ابھی زخم ہیں دکھانے کو
تمہارے پاس نمک ہی نہیں رہا دیکھا

صنعت تضاد

قصہ یہ ہے اک شیشہ تھا اک پتھر تھا پھر کیا تھا
اس نے مجھ کو میں نے اس کو چھو کر دیکھا پھر کیا تھا

صنعت تکرار

گردا گردد گردا گردد گردا گردد گردا گرد
جب راہوں کے بندھن ٹوٹے صحرا صحرا پھر کیا تھا

پیکر تراشی

تاروں کے چلے تیر لگاتار ہمیں پر
اڑا کے گری رات کی دیوار ہمیں پر

گیت کا انداز

منزل ونزل ہم کیا جانیں چلنا ہے سو چلتے جائیں
ہمت چور ڈگر ان جانی ڈگ مگ پاؤں پھسلتی ریت

مظفر حنفی نے صنائع وبدائع کا استعمال نہ صرف غزل بلکہ نظم اور قطعات میں بھی بڑی عمدگی سے کرتے ہیں۔ان کی شاعری کو جب ہم علم صنائع کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو ہمیں اس پر بھی ان کی شاعری کھری نظر آتی ہے۔استعاروں، نادر تشبیہوں، کنایوں اور رمز کا بھرپور استعمال بھی ان کے یہاں ملتا ہے۔ان کی شاعری میں جدیدیت کا اثر ہونے کے باوجود وہ غزل کی روایات اور فن کا خیال رکھتے ہیں۔ایک بات کو مختلف ڈھنگ اور مختلف باتوں کو یک رنگ و یک ڈھنگ سے کہنے کا ہنر انہیں بخوبی معلوم ہے۔ان کی شاعری کی انہی خوبیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی کے حوالے سے خالد محمود تحریر کرتے ہیں:

''ان (مظفر حنفی) کے اشعار میں بلا کی روانی ہے اور تو اور وہ تنافر حرفی جیسی معمولی خامیوں سے بھی اپنے شعروں کا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔حرف کا ''گرنا'' یا ''دبنا'' بھی انہیں منظور نہیں، وہ اس معاملے میں کافی محتاط ہیں۔نئی اور تازہ زمینوں کا انتخاب نادر تشبیہات نئے استعارات اور قرین قیاس علامتوں کی تلاش ان کا محبوب مشغلہ ہے۔انہوں نے اردو کی نئی شاعری کو جو صدائیں دی ہیں اگر چہ دیر تک ان کی بازگشت سنی جاتی رہی ہے لیکن مختلف آوازوں میں مظفر حنفی کی آواز صاف پہچانی جا سکتی ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی نے سچ کہا ہے کہ ''مظفر حنفی نے انتہائی شگفتہ زمینوں میں رواں دواں شعر کہے ہیں، ان کی شاعرانہ چالاکی کہیں مات نہیں کھاتی،طنزیہ شاعری کی بے خوفی اور حاضر جوابی ان کے یہاں موجود ہے۔مختلف باتوں کو ایک ہی طرح اور ایک ہی بات کو کئی طرح سے کہنے کا ڈھنگ انھیں بخوبی آتا ہے''۔نئی شاعری میں کلاسیکی شعرا کی سی روانی اتنی عام نہیں لیکن مظفر حنفی کے اشعار بہتے دریا کی مانند ہیں''3؎

مظفر حنفی چوں کہ جدیدیت کے تحت لکھ رہے تھے اس لیے ان کی شاعری میں تنہائی کا کرب اور رشتوں کا درد واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، چند شعر بطور مثال دیکھئے۔

عصر حاضر کے حالات اور بھائی سے دوری کی مثال پہلے شعر میں:

تجھے خبر ہے کنارے نہیں رہے محفوظ
بہاؤ تیز ہے مجھ سے نہ دور جا بھائی

☆☆☆

جتنی متاع درد تھی ہم نے سمیٹ لی
چادر پھر اس کے دست کرم نے سمیٹ لی

☆☆☆

جدیدیت اور مایوسی ان دونوں شعروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کئی سوکھے ہوئے پتے ہرے معلوم ہوتے ہیں
ہمیں دیکھو کہیں سے دل جلے معلوم ہوتے ہیں

☆☆☆

غموں میں مسکرالیتے ہیں لیکن مسکراکر ہم
خود اپنی ہی نظر میں چور سے معلوم ہوتے ہیں

مظفر حنفی سے راقم کی کئی بار ملاقاتیں رہی ہیں ان کو میں نے ذاتی طور پر سچا پایا ہے اور ان کے اندر کھرا پن اور صاف گوئی کا ہنر بدرجہ اتم موجود ہے۔ دوران گفتگو انہوں نے کئی واقعات سنائے اور کئی جگہوں کا حوالہ بھی دیا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ اپنے لئے میں نے کبھی سفارش نہیں کی! ہاں محنت سے کبھی جی نہیں چرایا۔ اس محنت کی دلیل یہ ہے کہ اب بھی وہ اسی سرعت کے ساتھ لکھتے ہیں اور چھپتے بھی۔ لوگوں نے اپنی نوکریوں کے لئے بھی ان سے سفارش طلب کی لیکن انہوں نے حق دار را بحق رسید کا کردار ادا کیا اور حق دار کو اس کا حق دلانے میں وہ پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ زبان و دل

میں تفاوت نہیں کرتے وہ کھرا اور کھوٹا کہنے سے دریغ نہیں کرتے ہیں اور حق بات کہنے میں کبھی نہیں جھجھکتے تھے۔صوتی پیکر تراشی ان دونوں شعر میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ستارہ سحری کا جگر جگر کرنا
وہ چاندنی کا کتھک ناچنا درختوں پر

☆☆☆

بڑھا ہوا ہاتھ پان جیسا
نظر میں کچھ آسمان جیسا

☆☆☆

پیکر تراشی اس شعر میں دیکھ سکتے ہیں۔

ٹوٹی ہوئی چوڑی کی مزے دار کہانی
خوابیدہ گلی جاگ پڑی آنکھ مسل کر

شاعری میں غزل کی اہمیت مسلم ہے اور غزل میں ردیف وقافیہ کی اہمیت جگ ظاہر ہے۔ مظفر حنفی ان دونوں کا بخوبی استعمال کرتے ہیں اور مزید یہ کہ اس میں نئے نئے الفاظ کے ساتھ نئے تراکیب پیش کرنے کی خوبصورت اور جدید کوشش بھی کرتے ہیں۔ان کی شاعری میں رمزیت، ایمائیت اور اشارے ہیں تو اسی طرح بات الگ الگ انداز اور مختلف ڈھنگ سے کہنے کا ہنر انہیں بخوبی آتا ہے تو وہیں اپنی غزلوں، نظموں اور شاعری میں محاورہ، کہاوت اور ضرب الامثال کا بھی بہترین استعمال کرتے ہیں۔شاعری کے ذریعے مفہوم، مطالب اور اپنی بات کو عوام وخواص تک پہنچانے میں کامیاب ہیں، ان شعروں میں بھائی کا خون کا پیاسہ ہونا اور تہذیب وروایات کی پاسداری کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

جھوٹ کہتے ہو کہ اونچا ہے تمہارا آسمان
ابتدا ہی سے مرے سر پر نہیں تھا آسمان

☆☆☆

اک اور وار کہ شہ رگ نہیں ہوئی سیراب
مرے عزیز مرے آشنا بھائی

☆☆☆

جب گاؤں ترقی کے لئے شہر میں آیا
ناپید ہوئے پھول ٹھکانے لگے جگنو

☆☆☆

اردو شاعری کی دنیا میں ایسے شعراء کی تعداد بہت ہی مختصر رہی ہے کہ جن کی شاعری میں علامتوں اور سمبل کا استعمال کثرت سے ملتا ہو۔ ان کی شاعری میں علامتوں کی تعداد بھی وافر مقدار میں پائی جاتی ہے۔ صنعت تلمیح کا بہترین استعمال ان کے یہاں موجود ہے۔ اردو میں بہت کم ایسے شعراء ہوں گے جنہوں نے قصے کہانیاں اور دیو مالائی کہانیاں اپنی غزلوں میں پیش کیے ہوں۔ اس لحاظ سے بھی مظفر حنفی کی انفرادیت مسلم ہے اور وہ مشہور غزل جس کی ردیف ''فریب فریب'' داستانی فضابندی کی بہترین مثال ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کریں:

اور پھر پانچویں درویش کی باری آئی
باغ افسانہ میں ندرت کی سواری آئی

☆☆☆

چنچل پری کو ڈھونڈھ کے لائیں کہاں سے ہم
منے کی ضد بھی کم تو نہیں دیو زاد سے

☆☆☆

مشین عہد رواں کی خدا ، فریب فریب
یہ ارتقا ہے کہ تحت الثریٰ فریب فریب

☆☆☆

محاصرہ جو کیا آستین کے سانپوں نے
مرا عصا نہ بنا اژدھا فریب فریب

☆☆☆

کھلی جو آنکھ تو اک حجرۂ بلا میں ہوں
نہ وہ فضا نہ وہ مہ لقا فریب فریب

☆☆☆

پکارتا تھا کوئی مجھ کو یا اخی کہہ کر
کوئی دریچہ نہ مجھ پر کھلا فریب فریب

☆☆☆

مجھے بھی مارا مرا نام تھا انا جادو
طلسم ذات شکستہ ہوا فریب فریب

مظفر حنفی کے کئی شعری مجموعے کو اکٹھا کر کے نئے سرے سے شاندار گیٹپ ،عمدہ کاغذ ،نئی کمپوزنگ کے ساتھ ان کا کلیات ''کمان'' ایجوکیشنل بکڈ پو، نئی دہلی سے ۲۰۱۳ء میں منظر عام پر آیا ہے۔''کمان'' میں آل احمد سرور، مظفر حنفی کی شاعری کے متعلق رقم طراز ہیں:

''مظفر حنفی جدید اردو غزل کا ایک معتبر نام ہے کوئی ایسا اہم ادبی رسالہ نہ ہوگا جس میں ان کا کلام شائع نہ ہوتا ہو۔ جدید غزل کے جلوۂ صد رنگ میں ان کی کرنوں کی روشنی اور گرمی سے کون واقف نہ ہوگا۔ شعروں کے تیر اور غزلوں کی چھڑ ہی کمانیں، سخت زمینوں اور رواں دواں آبشار کا سا لہجہ، لہو میں تر اشعار، آسمان پر چھائی ہوئی زمینیں، یہ سب باتیں مظفر حنفی کے لہجے، ان کی کھردری، تیغ کی سی تیزی رکھنے والی زبان کے متعلق کیا کچھ نہیں کہتیں، ان کے اشعار میں دھیمی دھیمی

بہنے والی جوئے آب کی سی سوئی ہوئی روانی نہیں ہے، پہاڑی چشمے کی سی تند و تیز لہر ہے۔ ان کے اشعار میں تلوار کی کاٹ ہے ایک برہم نوجوان کے لہجے کی تلخی ہے۔ اس میں کچھ توڑنے اور پھر کچھ جوڑنے کی بات بھی ہے۔ اس میں بگاڑ اور پھر نئے بناؤ کی داستان بھی ہے اور اس میں غزل کی کمائی سے کچھ نہ آسودگی کی آہٹ بھی ہے۔ یہ ایک سرکش روح کی کہانی ہے اور ایک باغی کا خواب۔ زندگی کا کتنا زہر پی کر یہ امرت حاصل ہوا ہے۔''4؎

پروفیسر گوپی چند نارنگ اردو ادب کا ایک بڑا نام ہے انہوں نے درجنوں کتابیں رقم کی ہیں۔ گوپی چند نارنگ اور مظفر حنفی، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں چند سالوں تک ایک ساتھ درس و تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں اور ان دونوں کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی نے مشترکہ طور پر ایک پراجیکٹ بھی سپرد کیا تھا اور ان دونوں نے وضاحتی کتابیات کی ابتدائی تین جلدوں میں ترتیب دے کر نئی کوشش بھی کی تھی۔ گوپی چند نارنگ ان کے اچھے دوستوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ نے ان کی شاعری اور ان کی تخلیقات سے متعلق بڑی کارآمد باتیں کی ہیں، وہ ''کمان'' کلیات مظفر حنفی کے فلیپ پیج پہ لکھتے ہیں:

''مظفر حنفی ان تخلیق کاروں میں سے ہیں جنہوں نے وادئ شعر میں اپنا سفر سینے کے بل طے کیا ہے۔ ان کا رسمی تزئین اور روایتی ممکری سے بے نیاز ہے۔ زوال کے اس منظر نامے میں جب لوگ منصبی ذمہ داریوں سے اپنی شناخت کرانے میں مصروف ہیں، مظفر حنفی نے تخلیق سے برابر اپنا رشتہ استوار رکھا ہے اور کسی منزل کو پڑاؤ نہیں بننے دیا۔ جو شخص بارہ شعری مجموعوں کا خالق ہو اور اہل نظر سے داد پا چکا ہو، اس کے امتیازت گنوانا، حقائق کو دہرانا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کاٹ دار تیکھی غزل کی راہ انہوں نے شاؔد عارفی سے پائی لیکن اس میں بوقلمونی، تہہ داری اور طرح داری کی فضا اپنی بنائی نیز زندگی کے گرم و سرد پر بے نیازانہ نگاہ کی

اورحوصلہ مندانہ گزرجانے کی جہات ان کی اپنی ہیں۔مظفرحنفی کا کلام اس عہد کے
سخت سے انتخابات میں جگہ پاتا رہا ہے۔ان دنوں جب مشاعروں کی ریل پیل
میں اچھے اچھوں کے پیر اکھڑ گئے ہیں اور تحسین نا شناس کی بھیڑ میں کھوجانا
آسان ترین شغل ہے،کسی شاعر کا اپنے لہجے اور اپنے تیور سے پہچانا جانا ایسی
سعادت ہے جس کو تخلیق کا سب سے بڑا افتخار اور اعزاز ہی کہنا چاہئے''۔5

اس طرح سے مظفرحنفی کے رفیق کار، دوست اور مشہور ومعروف ناقد گوپی چند نارنگ نے مظفرحنفی کی نہ صرف یہ کہ جم کر تعریف کی ہے بلکہ اسے بہترین شاعر اور تخلیق کار بھی شمار کیا ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے مظفرحنفی پر مضمون بھی رقم کرنے کے ساتھ ایک کتاب پر پیش لفظ بھی انہوں نے تحریر کیا ہے۔ پروفیسر مظفرحنفی کے کئی مجموعہ کلام بہت پہلے شائع ہو چکے تھے اور وہ دواوین کی شکل میں موجود ہیں اب ان دواوین کو اکٹھا کر کے کلیات کی شکل دے دی گئی ہے ۔ان کے تمام شاعری کے مجموعوں کی کلیات دو جلدوں میں شائع ہوکر منظر عام پر آ چکی ہے پہلی جلد کا نام ''کمان'' ہے اور دوسری جلد کا نام ''تیزاب میں تیرتے پھول''۔جلد اول ''کمان'' ہے اس کے کل صفحات ۴۹۶ ہیں۔عرشیہ پبلی کیشنز ،نئی دہلی سے شاندار گیٹپ جاندار سیٹپ اور خوبصورت سیٹنگ کے ساتھ عمدہ کاغذ اور بہترین کمپوزنگ کے ذریعے منظر عام پر آئی ہے۔اس پہلی کلیات میں ان کی شاعری کے ان مجموعوں کو جگہ ملی ہے تیکھی غزلیں،عکس ریز،صریر خامہ، پانی کی زبان،طلسم حرف،کھیل کھیل میں کے علاوہ ان کی شاعری کے غیر مطبوعہ غزل،نظم قطعات، سلام،شخصی مرثیہ اور ترانے متفرقات کے عنوان کے تحت شامل ہیں۔دیباچہ مشہور ومعروف نقاد شمس الرحمٰن فاروقی نے تحریر کیا ہے اور انہوں نے 'یہ کلیات' کے نام سے ڈھائی صفحات کو رنگین کیا ہے۔ پہلے فلیپ پیج کو آل احمد سرور نے رونق بخشی ہے تو آخری پیج کا فلیپ گوپی چند نارنگ کا لکھا ہوا ہے۔''تیزاب میں تیرتے پھول'' مظفرحنفی کے کلیات کا دوسرا مجموعہ ہے،اس میں بھی ان کی غزلیں،نظمیں اور قطعات ورباعی درج ہیں۔اس مجموعے کے اسلوب اور طرز نگارش سے متعلق

مظفر حنفی کے ہم علاقہ فرمان فتحپوری نے رقم کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

''ان غزلوں کو صرف اس لحاظ سے روایتی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بحر و وزن اور ردیف وقافیہ کی پابند ہیں ورنہ اپنی معنویت، اسلوب اور مزاج کے لحاظ سے یہ اردو غزل کی مروجہ ڈگر سے بہت الگ ہیں، اس میں غزل کا وہ لسانی اور مصنوعی لہجہ کہیں نظر نہیں آتا جو اردو غزل کو ''سخن بازناں گفتن'' اور ''تصوف برائے گفتن خوب است'' کے طفیل ملا تھا اور اگلے وقتوں کا مزاج رکھنے والے شعراء آج بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان غزلوں میں تخیل اور رومان کی رنگینیاں نہیں ہیں، جو افسانے کو حقیقت اور افسانہ بنا دیتی ہیں اور جنہیں آج بھی بعض حضرات غزل کا طرۂ امتیاز خیال کرتے ہیں۔ اس فرسودہ روش کے برعکس زیر نظر مجموعہ کی غزلوں کا لہجہ آج کی زندگی کی طرح پرشور، سخت اور حقیقت پسندانہ ہے۔ یہ غزلیں خیال اور رسمی مضامین سے بہت دور ہیں۔ یہ دراصل شاعر کے حقیقی اور سچے تجربات و مشاہدات کا آئینہ ہیں۔ ایسا آئینہ جس میں ہمارے آپ کے عہد کی زندگی اپنی جملہ رعنائیوں اور ریاکاریوں کے ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں۔ زندگی کی یہی روش جو خود کو بے نقاب کر کے ان غزلوں کے ذریعہ اپنی جھلک دکھاتی ہیں، اس مجموعہ کو ایک مردانہ لب ولہجہ سے ہمکنار کرتی ہے''۔ 6

مظفر حنفی اور پروفیسر عنوان چشتی نے ایک ہی ساتھ کام کی ابتدا کی تھی اور وہ بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسیٹی نئی دہلی میں لکچرر کی حیثیت سے۔ پروفیسر عنوان چشتی نے مظفر حنفی کی شاعری کے تعلق سے خوبصورت باتیں تحریر کی ہیں، مشاہدہ کریں:

''مظفر حنفی کے یہاں صحت زبان و بیان کا خاص اہتمام ہے اور ان کی شاعری میں انفرادیت کے آثار بھی پائے جاتے ہیں اور مظفر حنفی کے اشعار پہچانے بھی جاتے ہیں۔ مظفر حنفی نے اگرچہ اپنی ایک کتاب کا نام ''تیکھی غزلیں'' رکھا ہے

لیکن میرا خیال ہے کہ مظفر حنفی کے یہاں کھردرے پن سے زیادہ سڈول انداز بیان ملتا ہے۔ انہوں نے نئے فکر و احساس کو اردو شاعری میں سمونے کے لئے نئے الفاظ برتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی غزلوں پر کھردرے پن کا گمان ہوتا ہے۔ کہیں میں نے کہا ہے کہ مظفر حنفی کے یہاں لسانی فنی اور عروضی چابک دستی ملتی ہے۔ اس چابک دستی اور قادرالکلامی کا راز یہ ہے کہ انہوں نے جی لگا کر شاد عارفی سے اکتساب فیض کیا ہے اور اپنے مشاہدہ اور مطالعہ سے اس خاکہ میں رنگ بھرا ہے۔ میں نے یہ بھی کہا ہے کہ پروفیسر مظفر حنفی کے یہاں انفرادیت کا ایک رنگ جھلکتا ہے۔ یہ انفرادیت ایک طرف نئے فکر و احساس کی دین ہے اور دوسری طرف اظہار کے عناصر کے نئے تال میل سے پیدا ہوئی ہے''۔7

مظفر حنفی کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کے بارے میں مشہور و معروف ناقد اور موجودہ زمانے میں اردو کی اہم شخصیت شمس الرحمٰن فاروقی نے کچھ یوں نقشہ کھینچا ہے:

''ایک مدت سے میں مظفر حنفی کے بارے میں لکھنے کی سوچ رہا ہوں۔ لیکن ہمیشہ یہ مشکل مانع آجاتی تھی کہ مظفر حنفی جیسے پرگو اور متنوع غزل گو اور نظم گو کے بارے میں بات کہاں سے شروع کروں، خاص کر جب وہ بہت اچھے رباعی گو بھی ہیں، تنقید بھی انہوں نے جب لکھی ہے تو اچھی خاصی لکھی ہے۔ افسانہ نگاری کے بھی کوچے سے وہ نا آشنا نہیں۔ ان کے طوفان زار تخلیقی جوش کے باعث ان کی انتہا تو انتہا، ابتداء پر بھی ہاتھ پڑنا مشکل معلوم ہوتا تھا اور اب جب ان کے کلیات کے چھپ جانے کا امکان ہے یہ مجھے اور بھی مشکل لیکن اور بھی مناسب لگنے لگا ہے کہ ان پر کچھ لکھا جائے''۔8

مظفر حنفی چوں کہ شاد عارفی کے شاگرد رہے ہیں اور ان کی روایت و درایت اور ان کے ہی طرز فکر اور میدان شاعری میں شاعری کرنا چاہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شاد عارفی کے کلام نے انہیں

اپنی طرف کھینچا اور متاثر بھی کیا اور اسی وجہ سے پروفیسر مظفر حنفی نے ان کی شاگردی بھی اختیار کی تھی۔ان کی شاعری میں اس کا فائدہ بھی ہوا اور ان کے شعر میں بھی اس کا برمحل تذکرہ ملتا ہے۔اردو ادب کے ممتاز ادیب اور مشہور و معروف ناقد پروفیسر گوپی چند نارنگ اور مظفر حنفی کی دوستی بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ہی کی دین ہے۔یہیں سے دونوں کی ملاقات اور علمی، عملی و ادبی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔گوپی چند نارنگ کی زبانی مظفر حنفی کی شاعری، تند، تیز اور تیکھے پن کی کہانی:

''ڈاکٹر مظفر حنفی ان شاعروں میں ہیں جو اپنے لہجے اور آواز سے پہچانے جاتے ہیں۔انہوں نے شاد عارفی کے رنگ کو نہ صرف برتا ہے، بلکہ اس کی توسیع کی ہے۔شاد عارفی کی واقعیت اور خارجیت مظفر حنفی کے یہاں داخلی لے میں بدل گئی ہے اور تجسس اور آشوب آگہی کی سان پر چڑھ کر تیز ہوگئی ہے''

ہے شاؔد عارفی سے مظفر کا سلسلہ
اشعار سان چڑھ کے بہت تیز ہوگئے

9

پروفیسر ظ۔انصاری نے مظفر حنفی کی شاعری کی خوب ستائش کی ہے۔انہوں نے کہا کہ مظفر حنفی کی غزل میں ہمیں کلاسیکی ورثے پر بھرپور گرفت ملتی ہے۔ذرا ان کا خیال بھی ملاحظہ فرمائیں، اسے آپ بھی پڑھ سکتے ہیں:

''قدرت کلام، کلاسیکی ورثے پر بھرپور گرفت، طبیعت کا رچاؤ، سہارا اور سبھاؤ۔ پھر ماضی کی صفوں سے ایک چھلانگ میں بے نیازانہ باہر نکل پڑنے کا دم خم جب یکجا ہوجائے تب کہیں جا کے دیسی شڈول اور خوشگوار غزل ہوتی ہے، جس کی اٹھان جاں نثار اختر سے ہوئی تھی اور شباب مظفؔر حنفی کے قلم میں نظر آتا ہے''۔10

ڈاکٹر وزیر آغا اردو ادب کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔انہوں نے باضابطہ مظفر حنفی کی اردو شاعری پر ایک مضمون بھی رقم کیا ہے۔اس مضمون میں وزیر آغا نے ان کے بارے میں بڑی

خوبصورت باتیں تحریر کی ہیں تو وہیں انہوں نے ان کے اشعار کو خاص ترتیب دے کر ایک دلچسپ کہانی بیان کی ہے۔ وزیر آغا ان کے بارے میں کہتے ہیں:

''مظفر حنفی جدید غزل کے اس خاص انداز سے بھی آگے گئے ہیں اور انہوں نے بڑی دلیری سے غزل کو اس کے اعماق میں چھپی کہانی سے اس طور پر متعارف کرایا ہے کہ فاصلے کم ہو گئے ہیں۔ ہر چند کہ غزل کی مخصوص خوشبو اور دھند بہ دستور موجود ہے مگر کہانی کے نقوش مدھم نہیں پڑے جیسا کہ غزل میں عام طور سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر انسان کی زندگی کا محور وہ جنسی رشتہ ہے جو مرد اور عورت کے درمیان کئی مراحل سے گزرتا ہے۔ کلاسیکی غزل نے زیادہ تر اس کے محض ایک مرحلے یعنی عشق (وہ بھی زیادہ تر ناکام عشق) کو موضوع بنایا تھا۔ مگر مظفر حنفی نے اپنی غزل میں قاشوں اور ٹکڑوں کی صورت میں ساری کہانی بیان کر دی ہے۔ میں یہاں ان کے چند اشعار ایک خاص ترتیب کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ آپ دیکھیں ان میں کس طرح پوری ازدواجی زندگی اپنی جملہ کروٹوں کے ساتھ ابھر آتی ہے:

کھل گئے پھول لفافے پہ ترے نام کے گرد
رقص کرتا ہے قلم زیر زبر میں کیسے
(محبت)

آ گیا میں کسی جگنو کی نظر میں کیسے
بوند بھر نرم اجالا مرے گھر میں کیسے
(شادی)

وسعتیں مجھ کو خلاؤں سے صدا دیتی ہیں
یہ نشیمن کی گرہ پڑ گئی پر میں کیسے
(نیا گھر)

سانس لیتی ہے زمیں سن تو سہی
بیج پھوٹا ہے کہیں سن تو سہی

(بچے کی پیدائش)

بگولے کو بلایا ریت نے کس دردمندی سے
کہ سنتے ہو' کوئی آواز دیتا ہے بلندی سے

(ازدواجی ٹھہراؤ)

بدل رہا ہے ہمارے تعلقات کا رنگ
پرانے پیڑ کے پتے نہیں بدل جاتے

(جذبات میں تبدیلی)

ہم اپنے آبلوں سے راستے گلنار کرتے ہیں
ہمارے پاؤں پر قوس قزح بیکار کرتی ہے

(گوتم کا بیوی سے فرار)

سائے مچل رہے ہیں چراغوں کی گود میں
سمجھے تھے ہم کہ گھر سے اندھیرا نکل گیا

(ردعمل)

ہونے لگا ہے ماں کی دعا میں غلط اثر
بیٹی تو گھر میں بیٹھی ہے بیٹا نکل گیا

(گھریلو بحران)

ایسے میں گھر سے باہر ہے یا گھر میں بیٹے کا فرض
باغی باپ کہیں زنداں میں، ماں دیوانی گھر میں ہے

(شکست وریخت)

اوپر بوڑھے ہاتھ اٹھائے سوکھتے تھے دو چار درخت
پہلے ان پر بجلی ٹوٹی ، ویسے بادل برسا بھی
(آخری ایام)

بچوں کا نہیں ذکر کہ تہذیب و ادب سے
بیگانہ ہیں کچھ اہل ادب تک میرے مولیٰ
(حرماں نصیبی) 11

پروفیسر مظفر حنفی کی شاعری اور ان کی جدید شاعری، طنزیہ شاعری، تیکھی اور نوکیلی شاعری پر ادیبوں نے مضامین تحریر کئے ہیں تو ان کی شاعری کی خصوصیات کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کی انفرادیت اور طنزیہ شاعری کے بارے میں پروفیسر سلیم اختر کی رائے پیش خدمت ہے:

''مظفر حنفی صرف طنز کا شاعر ہی نہیں بلکہ کیفیات عشق میں جدید طرز احساس کا ترجمان بھی ہے۔ اس کا عشق روایتی نہیں اور نہ ہی آج کی غزل اور اس کے قاری کا روایتی عشق سے گزارا ہوتا ہے۔ مظفر کی ان غزلوں میں روایت سے بچنے کی شعوری کوشش کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں اسے طنز نے مہلت دی ہے وہیں اس نے واردات عشق میں بیان حسن سے جذبات کے تموج کی تصویر کشی کی ہے اور خوب کی ہے''۔12

پروفیسر انوار صدیقی کی بات کو بھی پڑھ ہی لیتے ہیں کہ انہوں نے مظفر حنفی کی شاعری کے بارے میں کیا لکھا ہے:

''ہندوستان میں فانی کے بعد مظفر حنفی اور محمد علوی ایسے دو شاعر ہیں جنہیں ہم اعتماد کے ساتھ پاکستانی غزل کے مقابلے میں پیش کر سکتے ہیں۔ علوی کے مقابلے میں لسانی اور فنی مہارت کے اعتبار سے مظفر زیادہ پختہ اور زیادہ قادرالکلام شاعر ہیں''۔13

اردو ادب میں ایک جانا پہچانا نام ماجد الباقری کا ہے۔ وہ پروفیسر مظفر حنفی کی شاعری کے تجربات، مشاہدات اور نفسیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''مظفر حنفی کے یہاں فن، زبان، قواعد اور شاعری کے شعور پختہ ہیں۔ مجھے جو بات ان کی شاعری میں زیادہ پسند ہے وہ ان کے تجربات کی آفاقیت اور نفسیات ژرف بینی ہے''۔

چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

کم ظرف کی طینت کا پرتو نظر آجائے
ایسا کوئی پیمانہ ایجاد کرے کوئی

کیا بیٹھے وہاں کوئی عزت جہاں نہ ہو
لیکن خطا معاف میرے ساتھ ہی اٹھو

اس وقت کہ جب آپ سے پیمان نہیں تھی
اتنی تو مصیبت میری جان نہیں تھی

14

صوبہ راجستھان سے تعلق رکھنے والے مشہور و معروف شاعر و ادیب مخمور سعیدی نے مظفر حنفی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے اپنے ہم عصر اہم شعراء کی چنندہ فہرست میں سے ایک اہم شاعر کی حیثیت سے پروفیسر مظفر حنفی کو بھی شمار کیا ہے اور ان کے مخصوص لہجے کے بارے میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

''مظفر حنفی کا لہجہ بھی اس دور کے مزاج سے ہم آہنگ ہے جس کی ترجمانی انہوں نے اپنے ذمے لی ہے۔ خوشنما، نرم و نازک الفاظ ان مفاہیم کے زیادہ متحمل نہیں

ہو سکتے جو اس دورِ آتش و آہن کی پیداوار ہے۔''15؎

پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی اردو ادب کی مشہور و معروف شخصیتوں میں سے ایک ہیں اور یہ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی کے پروفیسر بھی رہ چکے ہیں اور فی الحال غالب اکیڈمی دہلی کے صدر کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ ذرا ان کا خیال بھی تو جانیں کہ مظفر حنفی کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے:

''ان کی شاعری کا موضوع نئی نسل کا وہ کرب ہے جو اس کے جذبات کی دنیا اور خارجی دنیا کی تضاد کی بدولت وجود میں آیا ہے''۔ 16؎

محمود ہاشمی، مظفر حنفی کی غزل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مظفر حنفی کی غزل کا ہر مقطع ایک ایسے شاعر کی داخلی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے جو جبر و اقتدار کی کش مکش میں شامل ہے۔ عوامی اور اجتماعی احساس سے پوری طرح وابستہ رہ کر اپنی انفرادیت اور کج کلاہی کو قائم رکھنا چاہتا ہے''۔17؎

ڈاکٹر انور سعید نے مظفر حنفی کی شاعری میں ان کے استاد کی جھلک دکھلائی ہے وہ اس بارے میں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر مظفر حنفی کو شاد عارفی کے قبیلے کا شاعر شمار کیا جاتا رہا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شاد عارفی کے ہونہار تلامذہ میں سے ہیں اور بات کو کھردری اور سچائی سے کہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں تاہم اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ ایک طویل عرصے تک شاد عارفی کے سائے تلے سفر کرنے کے باوجود مظفر حنفی نے اپنی الگ انفرادیت نکھاری ہے ان کے شاعری کا ذائقہ الگ ہے اور وہ اپنی الگ پہچان بھی رکھتے ہیں''۔18؎

عمیق حنفی نے مظفر حنفی کے بارے میں یوں لکھا ہے:

''وہ (مظفر حنفی) شاد عارفی کے آزاد بے باک، راست گو اور منہ پھٹ روایت کے تسلسل کو قائم رکھنے پر تلے ہوئے ہیں''۔19؎

پروفیسر شمیم حنفی، مظفر حنفی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مظفر صاحب کے اشعار میں تخلیقی اظہار کی اخلاقی قدر اور معنویت کا عنصر نہ صرف ایک حاوی حیثیت رکھتا ہے، اس میں خلوص اور سچائی کا تاثر بھی بہت طاقتور ہے''۔20؎

گزشتہ چند صفحات سے جو مختلف ادباء، نقاد، محقق، ادیب، فنکار اور قلمکار کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ان سب کی قرأت کے بعد ہم یہ نتیجہ آسانی کے ساتھ اخذ کر سکتے ہیں کہ پروفیسر مظفر حنفی کے ہم عصر ادیبوں، رفیقوں، رقیبوں، شاعروں، محققوں اور نقادوں، فنکاروں اور قلمکاروں نے ان کی شخصیت، صلاحیت وقابلیت، لیاقت، ادبی زندگی، عملی اور علمی زندگی کو موضوع بنا کر ان کی شاعری، غزل، نظم، قطعہ، رباعی اور اس کی ہئیت وتکنیک اور ساخت و پرداخت کے ساتھ شاعری کے مختلف النوع موضوعات پر بھی کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ اکثر و بیشتر ادباء ونقاد نے ان کے یہاں تیز وتند، طنز، نکیلے اور نشتریت سے پر شاعری کو بتایا ہے اور یہی ان کی انفرادیت وخاصیت بھی ہے۔

چاہے کوئی بھی ملک ہو اور وہاں کا باشندہ اور اس ملک میں کوئی بھی لینگویج بولی جاتی ہو مگر اس ملک کے شاعر اپنی شاعری میں اپنے ملک سے پیار، وطن کی محبت، تعریف وتوصیف اور اس ملک عزیز کی خصوصیات اور اس کی انفرادیت کو ضرور بتاتے ہیں۔ اور اپنے ملک کے تاریخی، تہذیبی، دینی ومذہبی، ثقافتی، عصری وحسی اور سیاسی، سماجی، معاشی اقتصادی، معاشرتی اور جغرافیائی حالات کا اپنی شاعری میں ضرور ذکر کرتے ہیں تو وہیں دریاؤں، ندیوں، سمندروں، تالابوں، جھیلوں، باغوں، جنگلوں، پیڑ پودوں، پہاڑوں، کھیت کھلیانوں، فصلوں، پھولوں، پھلوں، میووں، جانوروں، پرندوں، آدمیوں اور پھر سماجوں، پیشوں، تیوہاروں اور عمارتوں کا تذکرہ شاعری میں خوب ملتا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان سب کا ذکر شعراء نے کبھی نام کے ساتھ تو کبھی اشارے اور کنایے میں تو کبھی تلمیح، استعارہ اور علامت کے ساتھ اظہار کرتے ہوئے نظر آئے ہیں۔ اس روایت ودرایت اور شاعری کی راہ کو مظفر حنفی نے بھی اپنایا ہے اور انہوں نے بھی اپنی شاعری میں

ان سب کا خیال رکھا ہے۔

پروفیسر مظفر حنفی کی شاعری میں بے تکلف اور اپنا پن لئے ہوئے دلکشی اور جاذبیت ملتی ہے۔ ان کی شاعری صرف شاعری ہی نہیں بلکہ معاشرے، ماحول، اردگرد پر نظر عمیق ڈالتے ہوئے شاعری کرتے ہیں اور اسی لئے ان کی شاعری میں تغیر پذیر رسم ورواج و معاشرہ اور حالات کا رونا، دھونا، سب کچھ ملتا ہے۔ نئے حالات، نئی ضرورتیں، نئے خیالات، نئے تصورات اور عملی زندگی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ ہمیں ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ تو وہیں موجودہ زمانے اور ماحول کی دیکھ ریکھ تو آس پاس کے حالات واحوال پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں اسی لئے ان کی شاعری اطراف واکناف کے حالات کی تصویر بھی ہے اور تفسیر بھی۔ ظاہر سی بات ہے کہ ادیب بڑا احساس اور دردمند دل رکھتا ہے اسی لئے قوم کی کسمپرسی پر اگر کھل کر لکھتا ہے تو وہیں مہنگائی، مفلسی، غریبی، ناداری، بے روزگاری، معاشی تنگی، اخلاقی پستی، سیاست کے کھوکھلے پن تو اقلیتوں میں عدم تحفظ کے احساس پر بھی شاعر شاعری کرتا ہے اور اس طرح کے موضوعات پر ان کی شاعری میں غزلیں اور نظمیں موجود ہیں۔

مظفر حنفی کا اسلوب شاعری منفرد ہے۔ ان کی غزلوں میں سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی، روانی، صفائی اور نزاکت و لطافت کا خوبصورت استعمال ملتا ہے۔ اردو، فارسی اور ہندی کے ساتھ علاقائی الفاظ کا بھی استعمال کرتے ہیں جس سے ندرت ادا، لطافت بیان، ذوق وشوق کی صفائی اور محاورہ بندی جیسی خصوصیات سے ان کی شاعری پر ہے۔ کیوں کہ انہوں نے پچاس سال سے زیادہ شاعری کی دنیا میں اپنی زندگی گزاری ہے اور ان کی وجہ سے مشاقی بہت بلند ہوگئی تھی اور یہ مشق سخن تقریباً ساٹھ سال تک جا پہنچتا ہے۔ ایک خاص نظام فکر سے وابستگی، تسلسل کے ساتھ غور وفکر کی عادتیں، اس سے حاصل ہونے والی محرومی، فطری خلاقی، اونچی سوچ اور شدت احساس نے ان کی شاعری میں ایسی ایسی تخلیقی پرتیں پیدا کردی ہیں کہ ان پہلودار اور معنی دار تخلیقات اور شاعری کو

پڑھتے ہوئے نئے نئے امکانات اور نئی نئی جہتوں کے باب وا ہوتے ہیں۔ان کی غزلوں،نظموں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو کبھی غنائیہ اور رومانی نظر آتی ہیں تو کبھی خارجی اور داخلی کیفیات کا حسین سنگم ملتا ہے،اس طرح سے ان کی شاعری فکری وفنی آہنگی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ان کی غزلوں میں سے ایک غزل جو مجھے پسند آئی ضروری نہیں کہ آپ کو بھی پسند آئے ملاحظہ فرمائیں:

بوند بھر حدت جو باقی دل کی چنگاری میں ہے
قطرہ قطرہ خون کا، آندھی کی تیاری میں ہے

رقص بسمل کا تو مکاری میں ہوتا ہے شمار
آپ کا خنجر چلانا بھی طرح داری میں ہے

ریت کا ہر ذرہ ، میرا ہم سفر ہے دشت میں
جو بھی کانٹا ہے ، میرے چھالوں کی غم خواری میں ہے

بج رہے ہیں سارے ہمسایوں کے گھر میں جلترنگ
اور ایک سیلاب ، میری چار دیواری میں ہے

تم بھی کرسکتے ہو دل پر چوٹ کھا کر تجربہ
اے مسیحاؤ ! مجھے آرام بیماری میں ہے

کوئی بھی چلنے پہ آمادہ نظر آتا نہیں!
کارواں کا کارواں مصروف سالاری میں ہے

شعر کہتا ہے مظفؔر، داد سے بیگانہ وار
پھل میں وہ لذت کہاں جو شجر کاری میں ہے

مظفر حنفی کی غزلیں ان کے فن کی تدریجی ارتقا،عصری معلومات،فکری آگہی،قلبی وارفتگی اور فنی بالیدگی کا مظہر ہیں۔ان کی غزل نے بھی اپنی روایت و درایت کی جڑیں خوب مضبوط کر رکھی

ہیں۔ان کے لہجے کی کھنک ،گمبھیرتا، خیال کی ندرت اور موضوعات کا تنوع خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ان کی غزلوں کے مطالعہ سے یہ بات آسانی کے ساتھ ثابت ہو جائے گی کہ انہوں نے اپنی تخلیقی انفرادیت و امتیازات کے لئے غزل کے خارجی اور باطنی دونوں پہلوؤں پر توجہ مبذول کی ہے ان کے اگر موضوعات نئے ہیں تو انہوں نے نئی زمین اور نئے انداز میں نظم کرنے کی خوبصورت کوششیں بھی کی ہیں۔نئی زمینیں ، نئے انداز، نیا پن اور جدت وجدیدیت اور پر لطف قافیے ،خوبصورت تراکیب اور بہترین ردیف سے اپنی غزلوں کو خوشترین بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی غزلوں میں خوبصورتی ،تازگی ،شگفتگی ،شایستگی ، اپنائیت ، نیا پن کا احساس جوں کا توں برقرار رہے۔

مظفر حنفی نے اپنی بیشتر غزلوں میں سے پچیس سو اشعار کو منتخب کیا ہے اور ایک کتاب بنام ''ہیرے ایک ڈال کے'' ترتیب دیا ہے۔اگر ہم ''ہیرے ایک ڈال کے'' منتخبہ مجموعۂ شعر کتاب کا مطالعہ کریں گے تو ہمیں اس کتاب میں ان موضوعات پر اشعار دیکھنے اور پڑھنے کو ملیں گے۔انہوں نے بھی شاعری کی ماضی کی روایات کو بحسن وخوبی آگے بڑھایا اور اپنی غزلوں میں بھی چاند، شبنم، آگ ، درخت ، پتے ،عشق ، عاشقی ، پیار، محبت ، الفت ،مودت ، اخوت ، بھائی چارگی ، دل لگی ، دل شکنی ، بڑوں کا ادب ، بچوں پر شفقت ، استاد کی عزت وعظمت ، وطن کی محبت اور اس کے لئے قربانی ، جاں نثاری ، فدائیت کا جذبہ تو وہیں گلاب ، جھرنا ، آبشار ، چنبیلی ، یاسمین ، چمپا ، گیندا ، موگرا اور نا جانے کتنے پھولوں اور اشاروں اشاروں کے ذریعے اپنی بات ، جذبات ، خیالات ، تصورات ، محسوسات اور سپنوں کو موزونیت کی شکل دے کر اشعار میں پرویا ہے۔ان کی شاعری میں جدت ہے ، نیا پن ہے لب ولہجہ میں بھی جدیدیت ہے ان سب کے باوجود بھی وہ کائنات کی عظیم سچائیوں ، بلندترین حقیقتوں اور مذاہب سے بے نیازی اور بے زاری اختیار نہیں کرتے ہیں بلکہ انہوں نے فطرت سے لگاؤ کی شاعری کی ہے تو وہیں روایات واقدار ، ماضی کے جھروکے ، حال کی کمی و خامی اور اس کی

ضرورتوں، مستقبل پر نظریں اور اپنی جڑوں سے قلبی لگاؤ کا اظہار بھی ان کی شاعری میں خوب دیکھنے اور پڑھنے کو ملتا ہے۔

مظفر حنفی کے تمام اشعار، غزلیات میں سے پچیس سو غزلوں کا انتخاب کر کے موضوعات کے اعتبار سے ترتیب دے کر ایک مجموعہ موضوعات ''ہیرے ایک ڈال کے'' شائع ہو کر عوام و خواص میں مقبولیت کی سند پا چکی ہیں انہی کے ان اشعار میں جو کہ موضوعاتی ہیں ان میں سے کچھ اشعار جو مجھے اچھے لگے اور دل کو چھوا بھی صفحۂ قرطاس پر رقم کیا جا رہا ہے۔

ہیرے ایک ڈال کے

موضوع: آبشار/جھرنا

جھرنا بنے ہوئے ہو کوئی تم سے کیا ملے
اترے پہاڑ سے تو سمندر سے جا ملے

☆☆☆

دکھائی دیتا ہے اکثر ہماری آنکھوں میں
کبھی غبار کبھی آبشار جنگل کا

موضوع: احتیاط

وہ ضبط واحتیاط کا منظر ہے سامنے
دلدل عقب میں اور سمندر ہے سامنے

☆☆☆

کہیں کسی کا نام آنہ جائے درمیان شعر
بیان واقعہ میں احتیاط برقرار رہے

☆☆☆

موضوع: برف

گل کھلے برف کے پگھلتے ہی
کٹ گئی رات آنکھ ملتے ہی

☆☆☆

ہاتھ کی برف نہ پگھلے تو مظفر کیا ہو
وہ میری آگ چرانے کے لئے آئے تھے

☆☆☆

رگوں میں جم رہی ہے برف۔اڑتی ریت آنکھوں میں
مقابل آگ کا دریا ہے۔ساحل پر اکیلے ہم

22

موضوع: پرچم،علم

شعر ہمارے نشتر جیسے کام ہمارا مرہم رکھنا
کیا غزلوں میں ڈھول بجانا کیوں شانے پر پرچم رکھنا

☆☆☆

کھڑے ہیں دھوپ کے پرچم تلے در و دیوار
سمجھ رہے تھے کہ گھر میں کنیز آئی ہے

☆☆☆

انا غبار اڑا رہی ہے میرے خون میں بہت
ادھر علم ہے شعر کا ادھر ہوا ہے زور پر

☆☆☆

درخشندہ تو ہے لیکن ہمیں پیارا نہیں ہے وہ
علم بردار شب ہے صبح کا تارا نہیں ہے وہ

☆☆☆

قبضہ کر رکھا ہے دھوپ ۔ ہوا ۔ پانی پر
قومی یکجہتی کا پرچم اڑا رہے ہو

23

موضوع: جنگل

عجب ہے وہ کہیں محلوں کو جنگل کردیا اس نے
کہیں سوکھے پڑے کھیتوں کو جل تھل کردیا اس نے

☆☆☆

ہماری آبلہ پائی نے کیا کیا گل کھلائے ہیں
ادھر جنگل ہے کانٹوں کا ادھر فصلیں گلابوں کی

☆☆☆

جہاں اپنائیت کم ہو ہمارا جی نہیں لگتا
کہ لوگوں کے گھنے جنگل کو آبادی نہیں کہتے

☆☆☆

ہر آدمی اندر سے شاداب اگر ہوتا
شہروں میں یہ جسموں کے جنگل بھی نہیں بنتے

24

مظفر حنفی نے ابتداء ہی سے ایک پختہ عمر کے شاعروں کی طرح شاعری کی ہے۔ وہ ایک کہنہ مشق شاعر کی طرح کلام میں کبھی کلاسیکیت تو کبھی ترقی پسندیت تو کبھی جدیدیت والے اشعار کہتے ہیں انہوں ایک دو جگہ پر لکھا بھی ہے کہ میں اپنے آپ کو کسی بھی تحریک سے متعلق و منسلک نہیں کرتا۔ انہیں پیچیدہ اور نازک جذبات کے اظہار پر قدرت حاصل ہے تو وہیں کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ عصری حسیت، اشعار میں چاشنی تو اپنی غزلوں میں غنائیت اور ترش و تلخ لہجے کے ساتھ حالات کی عکاسی ان کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ غزل میں ایجاز و اختصار اور اضطراب و انتشار ہے تو وہیں اس میں اپنی طنز، احساس اور جدت خیال کو آمیز کر کے اپنی فنی خوبیوں اور موزونیت وسلیقہ مندی سے بہترین غزلیں قلمبند کی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اپنے ہم عصروں سے کافی آگے ہیں۔ بحیثیت شاعر ان کا کلام ملک اور بیرون ملک اردو کے اہم رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے شاید ہی برصغیر ہند و پاک کی کوئی ایسی میگزین اور اخبار ہو جس میں ان کی غزلیں نہ شائع ہوئی ہوں۔ ان کے کلام کا جب ہم مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ لگانا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ وہ غزل گو شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری اور غزلوں میں اپنے تجربات، خیالات، محسوسات اور مشاہدات کا بیان نہایت ہی سادہ اور سلیس زبان اور سہل انداز میں کیا ہے۔ پروفیسر مظفر حنفی کی شاعری کی شروعات ۱۹۶۰ء کے آس پاس ہے اسی لئے ان کے یہاں جدیدیت کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ افراد کی محرومی، ناکامی، جھنجھلاہٹ، تنہائی، خوف، بھاگ دوڑ، بھیڑ بھاڑ سے بیزاری، انسانی اقدار کا زوال، ماضی کی روایات سے انحراف اور تہذیبی اقدار کی پامالی، معیشت، معاشرت، اقتصادیات جیسے موضوعات ان کی شاعری میں آسانی کے ساتھ مل جائیں گے۔ کلاسیکی اور روایتی شاعری بھی ان کے یہاں خوب ہے۔ غزل جس نے اردو ادب کے تقریباً ہر دور، ہر عصر، اور ہر زمانے میں اپنے آپ کو یعنی کہ غزل نے ماحول کے مطابق ڈھالا ہے۔ صنف شاعری میں غزل ہمیشہ سے سبھی کی یعنی کہ ادباء، شعراء، علماء، نثر نگار، تنقید نگار، محقق اور عوام و خواص کی تمام اصناف سخن میں پسندیدہ صنف سخن

رہی ہے۔غزل کے الگ الگ اور مختلف پہلو ہوا کرتے ہیں اور ہر پہلو اپنی جگہ اہم اور خاص و شاندار ہوا کرتا ہے۔غزل کے موضوعات میں یکسانیت نہیں رہتی وہ وقت،ضرورت، حالات اور زمانے کے اعتبار و منہج کے موافق و مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے۔مظفر حنفی کی شاعری کا جب ہم عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو زندگی کے مختلف پہلو ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے اور اس سے زندگی کے مختلف ادوار اور عمر کے الگ الگ پہلو کو سمجھا اور معلوم کیا جا سکتا ہے۔ان کا کلام انسان کے رنج و مسرت،کش مکش و اضطراب، جوش و ولولہ،غم و غصہ،عشق و محبت، وفاداری و جاں نثاری، بے بسی و مظلومی،ہجر و وصال، ایصال و مطلوب،مقصد و مفہوم کی کیفیتوں کا بھی آئینہ دار ہے۔وہ بات میں نئی نئی پرتیں پیدا کرتے ہیں اور نئی نئی تراکیب سے اپنی شاعری میں حسن بھی پیدا کرتے ہیں۔وہ اپنی شاعری کے لئے خود اپنا دماغ اپنا ذہن اور اپنی فکر کا وافر حصہ استعمال کرتے ہیں وہ چربہ سے بچتے ہیں اور اپنی کھلی آنکھوں سے حالات، دنیا اور دنیا میں موجود اشیاء کا مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہیں اور اپنے ذہن و دل و دماغ کو کھلا رکھ کر کشادہ کر کے بہترین شاعری اور عمدہ خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر موزونیت سے سجا سنوار اور نکھار کر اشعار کی شکل میں مشکل کر کے قارئین تک پہنچانے کی خوبصورت سعی کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ان کی وفات سے چند ماہ قبل تک جاری تھا۔ان کی شاعری کا ایک زمانہ معترف رہا ہے انہوں نے آنکھ، کان، ناک، بال، ہاتھ، ہتھیلی، زبان، جسم، عشق، پیار، محبت، محبّ، محبوب، محبوبہ، جنگل، منگل، پہاڑ، دریا، سمندر، ندی، تالاب، باغ و باغیچہ، درخت، پیڑ، پودہ، بستی، گاؤں، شہر، مکان، کچے گھر، بلڈنگ، عمارت، چاند، ستارے، سورج، آسمان، زمین، کھیت، کھلیان، سرسوں، گیہوں، مکئی اور دھان کا ذکر بھی ان کی شاعری میں ملتا ہے مثال کے لئے چند شعروں کو دیکھتے ہیں:

اس نے اس انداز سے جھٹکا اپنے بالوں کو
میری آنکھوں میں درآیا پورا کجلی بن کر

☆☆☆

اے مظفؔر کس لئے بھوپال یاد آنے لگا
کیا سمجھتے تھے کہ دلی میں نہ ہوگا آسماں

☆☆☆

ملہاریں گاتے ہیں مینڈک تال کنارے
آسمان پر بھورے بادل مٹک رہے ہیں

☆☆☆

اس پیپل کی شاخیں اب کتنی نیچی ہیں
سادہ کاغذ کی کہانی کا پس منظر ہیں

☆☆☆

دوج کا چاند ، ہرے بانس چمکتا پانی
جھوم کر کیلے کے پودے نے بلایا تھا ہمیں

☆☆☆

وہ بھی نکلا کوئلے کی گرد میں لتھڑا ہوا
موسم نے کھیت کھیت اگائی ہے فصل زرد

☆☆☆

سرسوں کے کھیت ہیں کہ جو پیلے نہیں رہے
آنگن میں یہ رات کی رانی سانپوں کا گھر کاٹ اسے

☆☆☆

کمرہ البتہ سونا ہے کونے میں گلدان لگا
کھیتوں پہ ابر لے کے نہ پروائی جائے گی

☆☆☆

بدلی سمندروں پہ ہی برسائی جائے گی
قرمزی ساری پہن کر اس طرح سجتی ہے وہ

☆☆☆

پھول اپنے سر کٹا دیں چاندنی قربان جائے
مجھ کو خود ہی اپنے دس احکام نہیں معلوم

☆☆☆

تمام زور مرا آئینے نے چھین لیا
میرے اندر راون ہے یا رام نہیں معلوم

☆☆☆

کہاں سے رام نے بالی پہ تیر مارا ہے
اوپر نیچے آگے پیچھے دائیں بائیں روک

☆☆☆

چنتا کی لچھمن ریکھاؤ آگے جانے دو
اس کی پیشانی پرسورج ہاتھوں میں ترشول

☆☆☆

میرے تن پر بیل چڑھی ہے سینے میں سیماب
جس کو دیکھے اس کی آدھی شکتی تیری ہے

☆☆☆

کس جگہ رہیے کہاں دن کاٹیے کیا کیجیے
گاؤں میں کیچڑ بہت ہے شہر میں کم ہے ہوا

☆☆☆

گاؤں آیا ہوں تو وہ آفت کی پرکالہ نہیں
کیا لگاؤں ٹائی کوئی دیکھنے والا نہیں

☆☆☆

اپنا آنگن اپنا بستر، اپنی یادیں، اپنا وقت
یوں لگتا ہے جیسے دن سے رات زیادہ روشن ہے

☆☆☆

اندر سے اچھے ہوتے ہیں اکثر ٹیڑھے ترچھے لوگ
جیسے افسانہ منٹو کا جیسے شعر مظفؔر کا

مظفر حنفی کے محولہ بالا اشعار میں گاؤں کی سوندھی سوندھی خوشبو ہے تو پہاڑ اور دریا کا تذکرہ بھی۔ پیار محبت کی باتیں کی گئی ہیں تو سیکولرزم کا ذکر بھی ملتا ہے اور انہوں نے اپنی اردو شاعری میں رام کا بھی استعمال کیا ہے۔ آندھی، بارش، کیچڑ کا بھی خوبصورت استعمال ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے شاعری صرف تفنن طبع کے لئے کیا ہے بلکہ ان کے کچھ اشعار تو ہمیں حوصلہ اور آگے بڑھنے میں مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کے کچھ اشعار تعلیم کی طرف رغبت و دلچسپی بڑھاتی ہے اور قارئین کو پڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ ان کی شاعری صرف مزہ اور وقت کا ضیاع نہیں بلکہ سیکھنے اور سمجھنے میں تعاون کرتے ہیں تو ان کے تحریر کردہ کچھ اشعار زندگی کو طریقے اور سلیقے سے گزارنے میں بھی مدد کرتے ہیں۔ ان کے اشعار کو نہ صرف خواب اور تماشا کہہ سکتے ہیں اور نا ہی صرف اور صرف خبرنامہ بلکہ یہ اندر کا لاوا ہے جو موقع بموقع ابلتا رہتا ہے اور شاعر اپنے اندرونی کیفیات کو موزونیت دے کر شعر کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ شاعری شاعر کے دل کی صدا ہوتی ہے تو واردات قلبی کا

اظہار بھی۔خود کے تجربات وتاثرات بھی ہوتے ہیں اور یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ ان کی شاعری مظفر حنفی کی آپ بیتی ہے۔اس بات کو مزید مدلل ومبرہن کرنے اور مثال کے ذریعے سمجھنے کے لئے اس شعر کو ملاحظہ بھی کرسکتے ہیں اور مظفر حنفی کے مضمون کے اس اقتباس سے اس بات کی تصدیق بھی ہوجاتی ہے:

مختلف انداز رکھتی ہے مظفؔر کی غزل
یہ ہماری آپ بیتی ہے خبرنامہ نہیں

''سچا شاعر،حسرت موہانی کی طرح ہر اچھے استاد سے فیض اٹھاتا ہے۔اساتذہ کے کلام سے بہتر اور اچھا استاد کون ہوسکتا ہے چنانچہ میں نے میرؔ سے یہ سبق حاصل کیا ہے کہ سچا شعر وہ ہے جو پڑھنے یا سننے والے کے دل میں اتر جائے۔غالبؔ نے مجھے پہلوداری اور لفظ کو گنجینہ معنی بنانے کا گر سکھایا اور حالیؔ نے اصلیت اور سادگی کا رمز بتایا۔طنز کے مناسب استعمال اور سامنے کے مضامین کو تخلیقی عمل سے گزار کر بات کو نئی اور لہجے کو منفرد بنانے کا فن میں نے شادؔ عارفی سے حاصل کیا ہے اور میری شاعری،جیسی کچھ بھی وہ ہے ان ہی چار ستونوں پر استادہ ہے۔

پھول اپنے وجود کے اظہار کے لئے کھلتا ہے لیکن خوشبو کو صرف اپنے دامن میں سمیٹ کر نہیں رکھ سکتا۔زیادہ میک اپ کی ضرورت بدصورتوں کو ہوتی ہے۔میں شعر کو غیر ضروری آراستگی اور تصنع سے حتی الامکان پاک رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔گہرا اور پیچیدہ خیال اگر شعر میں سہل ممتنع کی صورت اختیار کرسکے تو میرے تئیں یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔تجربات کی بات الگ ہے اور اس کا حق مبتدیوں کو ہرگز نہیں پہنچتا لیکن فنی پابندیوں میں رہ کر شعر میں نئی نئی باتیں کہنا اور نئے اسلوب میں کہنا میرے نزدیک فن کی معراج ہے۔کاش میری شاعری ان معیاروں پر پوری اتر سکے''۔ 25

اپنے یا کسی دوسرے شاعر کے مصرعے یا شعر پر مصرعے لگانا تضمین کہلاتا ہے۔ تضمین کی کئی صورتیں ہیں ایک مصرعے پر ایک مصرع لگانا، ایک شعر پر ایک مصرع لگا کر مثلث بنانا یا مطلع پر مطلع لگانا وغیرہ۔ پروفیسر مظفر حنفی نے مرزا اسداللہ خان غالبؔ کے مشہور غزل جس کا مقطع ہے

غالبؔ برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے

کی زمین کو بھی اپنا کر مسدس کی شکل میں تضمین کہی ہے۔ پروفیسر مظفر حنفی نے غالب کی زمین کو اپنایا ہے۔ غالب کے رنگ میں اشعار کہے ہیں۔ مرزا غالب کے اشعار کی زمین میں ایک نظم تخلیق کی ہے جسے ''نذر غالب'' کا نام دیا گیا ہے۔ غالب کے اشعار کی تضمین ملاحظہ فرمائیں:

ہے کون درد دل کا مداوا کہیں جسے جو آسرا نہ دے پہ سہارا کہیں جسے
چھوکر ہزار بار اچھوتا کہیں جسے آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مر ہی نہ جاؤں درد کی لذت میں اے خدا ملتا ہے لطف خواب حقیقت میں اے خدا
لیتا ہوں کس کا نام یہ وحشت میں اے خدا ''پھونکا ہے کس نے گوش محبت میں اے خدا
افسون انتظار تمنا کہیں جسے

چبھ جائے پاؤں میں تو نہ کانٹا نکالئے آئے جو موت وعدۂ فردا پہ ٹالئے
موقع ہے خوب آج مروت نہ پالئے سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالئے
وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

واعظ ہے کج نگاہ کہے بھی تو کیا کہے بد باطنوں کو نیک ، بتوں کو خدا کہے
اب اور کیا مظفرؔ آتش نوا کہے غالبؔ برا نہ مان جو واعظ بر اکہے
ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں جسے

مظفر حنفی نے مشہور شاعر فیض احمد فیض کے کلام کی پروفیسر قمر رئیس کے اصرار پر پیروڈی بھی کی ہے۔ان کی تحریر کردہ پیروڈی ملاحظہ فرمائیں:

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں　　تو ہم شراب کے بل یاد کرنے لگتے ہیں
رسیدیں غیروں کے معشوق بھرنے لگتے ہیں　　اور اس کی تہمتیں ساحرؔ پہ دھرنے لگتے ہیں
وہاں کے قاضی کو جب یاد کرنے لگتے ہیں　　تو جونپور سے وامق بھی ڈرنے لگتے ہیں
فرازؔ، فیضؔ کی غزلیں کترنے لگتے ہیں　　تو شاعری کے جراثیم مرنے لگتے ہیں
کبھی جو تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں　　ندیمؔ قاسمی ہم پر بپھرنے لگتے ہیں
سڈول شانوں پہ جب ہاتھ دھرنے لگتے ہیں　　حسین آپ کی نیت سے ڈرنے لگتے ہیں
لٹوں میں انگلیاں سردارؔ کرنے لگتے ہیں　　تو ہر حریم میں گیسو سنورنے لگتے ہیں
برابری مری مجروحؔ کرنے لگتے ہیں　　تو فیضؔ دل میں شرارے اترنے لگتے ہیں
جو کیفیات سے نیچے اترنے لگتے ہیں　　شبانہ اعظمی کو یاد کرنے لگتے ہیں
وہ جب چنبیلی کے منڈوے میں ڈرنے لگتے ہیں　　اپیل ملاؔ سے مخدومؔ کرنے لگتے ہیں
قمر رئیس جو تنقید کرنے لگتے ہیں　　غزل کی آنکھوں میں آنسو ابھرنے لگتے ہیں

لب لباب ایں کہ گزشتہ نصف صدی سے پروفیسر مظفر حنفی اپنی شاعری یعنی کہ غزلوں اور نظموں سے اردو دنیا کو وسعت دے رہے تھے تو وہیں اپنی اختراعی اور تخلیقی وتنقیدی صلاحیتوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر نام وسکہ بٹھائے ہوئے ہیں اور اپنے مختلف طرز اور خدمات سے لوگوں کو نام یاد کراتے رہے ہیں۔انہوں نے شاعری کی دنیا میں درجنوں دواوین قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ان کی شاعری میں یہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، پانی کی زبان، تیکھی غزلیں، عکس ریز (طویل طنزیہ نظم) صریر خامہ، دیپک راگ، یم بہ یم، طلسم حرف، کھل جا سم سم، پردہ سخن کا، یا اخی، پرچم گرد باد، ہاتھ اوپر کیے، آگ مصروف ہے، کمان شاعری کی کلیات جلد اول، تیزاب میں تیرتے پھول کلیات

جلد دوم، ہیرے ایک ڈال کے اور رباعیات مظفر وغیرہ۔ وہ نثر و نظم میں یکساں مقبول ہیں۔ ان کی وفات سے چند ماہ قبل تک ان کے مضامین، غزلیں اور نظمیں اخبارات و رسائل کی زینت بنتے رہے اور سوشل سائٹ فیسبک پر بھی اکٹیو تھے اور ان کے اشعار برابر دیکھنے اور پڑھنے کو ملتے تھے۔ ۸۰ کی عمر ہونے کے باوجود قلم رواں دواں تھا۔ اردو سے شغف اور تعلق یہ ہے کہ ان کا اوڑھنا اور بچھونا اور جنون کی حد تک اس زبان سے لگاؤ بھی رہا ہے۔ تقریباً پچاس سال تک اردو ادب کا کوئی ایسا مجلّہ نہیں جس میں ان کی غزلیں، نظمیں یا مضامین شائع نہ ہوئے ہوں۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں مختلف موضوعات اور عناوین پر اشعار کہے ہیں۔ وہ اپنی شاعری کو صرف حسن و عشق تک محدود نہیں کرتے ہیں بلکہ حالات کا جائزہ بھی لیتے ہیں اور گزرے ہوئے واقعات کو بھی اشعار کی شکل دیتے ہیں۔ سانحات کے بیان میں اپنی کدو کاوش سے نیا پن لاتے ہیں۔ تند و تیز اور طنز ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔

نظم نگاری

مظفر حنفی نے نہ صرف غزل ہی میں طبع آزمائی کی ہے بلکہ نظمیں، قطعات، رباعیات، ترانے، سلام، مرثیے، گیت اور دوہے بھی لکھے ہیں۔ انہوں نے نظم نگاری کی طرف خاص توجہ کی ہے۔ ان کے کلیات میں بہت ساری نظمیں موجود ہیں ساتھ ہی ایک طویل نظم ''عکس ریز'' بھی شامل ہے۔ پروفیسر مظفر حنفی نے ڈاکٹر محبوب راہیؔ کے نام طویل خط میں اپنی شاعری کے تعلق سے کچھ باتیں رقم کی تھی جس میں انہوں نے بتایا کہ ابتداء میں ان کی شاعری پر ان کے استاد محترم شاؔد عارفی کے اثرات ہیں بعد میں انہوں نے اس کو رینہ تقلید سے بچنے کی کوشش کی اور اپنی الگ راہ نکالی وہ اس بات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ایک زمانہ تھا کہ شاؔد عارفی کے انتقال کے بعد میں بے حد جذباتیت کے ساتھ ان کے رنگ میں شعر کہنے لگا تھا۔ حالانکہ خود استاد مرحوم نے مجھے خود اپنا رنگ

نکالنے کی نصیحت کی تھی۔ان کی نظم ''آپ سے ملئے'' کی طرز پر میں نے معاشرت کے ایک سو چوبیس ٹائپ کے کرداروں کے خاکے منظوم کئے۔ یہ طویل نظم 'عکس ریز' کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آئی جس میں ظ۔انصاری نے بھی میری تقلیدی رویے پر گرفت کی تھی۔چنانچہ اس کے بعد تخلیقات میں شعوری طور پر میں کوری تقلید سے بچنے کی سعی کرتا رہا''۔26؎

ہمارے ملک ہندوستان کی ملی جلی اور گنگا جمنی تہذیب پر قلی قطب شاہ سے لے کر عصر حاضر تک کئی شعراء نے اپنی تہذیبی روایات پر اچھی نظمیں لکھی ہیں خصوصاً نظیر اکبرآبادی کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ ہندوستانی آب و ہوا، فضا، ماحول، آپسی بھائی چارگی، رسم و رواج، شادی بیاہ، کھان پان، لین دین کے علاوہ ہندوستانی تہوار ہولی، دیوالی، عید، بقرعید، شب برات، محرم، رمضان اور شب قدر پر بھی اردو شعراء نے نظمیں تحریر کی ہیں اس روایت کو برقرار رکھتے ہوئے نیز اسے فروغ دیتے ہوئے مظفر حنفی نے بھی مختلف موضوعات پر نظمیں تحریر کی ہیں۔خصوصاً ہولی پر انہوں نے بڑی خوبصورت نظم لکھی جس میں ہولی کے تہوار کا منظر اس خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے کہ سارا نظارہ نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔مثلاً نظم ہولی نئی بہار کا پیغام لائی ہے، ملاحظہ کریں۔

گلشن پہ رنگ و نور کی بدلی سی چھائی ہے
پودوں کو ہے خمار، ہوا پی کے آئی ہے
پھولوں کو دیکھئے تو عجب دلربائی ہے
رنگینیوں سے آج مری آشنائی ہے
ہولی نئی بہار کا پیغام لائی ہے
کانٹوں کو بھی عبیر لگاتی ہوئی کلی
اڑتا ہوا گلال فضا میں گلی گلی
ہر سمت ناچتی ہوئی مستوں کی منڈلی

میٹھی مغلظات ہیں ، نغمہ سرائی ہے
ہولی نئی بہار کا پیغام لائی ہے

ہنستے ہیں یار لوگ حسینوں کے حال پر
کاجل لگا ہے کان میں سیندور گال پر
دس بیس کا ہجوم مٹھائی کے تھال پر
ٹیسو کی بالٹی پہ بھی زور آزمائی ہے
ہولی نئی بہار کا پیغام لائی ہے

رعنائیوں کی بات گل تر سے پوچھئے
مستی کا حال بادہ و ساغر سے پوچھئے
کیسا تھا سیل رنگ مظفؔر سے پوچھئے
اشعار کہہ رہے ہیں کہ ہولی منائی ہے
ہولی نئی بہار کا پیغام لائی ہے

پروفیسر مظفر حنفی نے ایک طویل نظم ''عکس ریز'' کے نام سے رقم کی تھی جو کہ حلقۂ اردو ادب میں بحث ومباحثہ کا موضوع بھی بنی تھی۔ یہ کافی طویل نظم ہے جو ۱۹۶۴ء سے ۱۹۶۵ء کے درمیان تحریر کی گئی تھی۔ ''عکس ریز'' نامی طویل نظم ان کے کلیات ''کمان'' جلد اول صفحے ۹۷ سے ۱۴۱ پر محیط ہے اور اس میں موجود کل اشعار ۴۷۹ ہیں اور یہ مثمن کی شکل میں تحریر ہے۔ عکس ریز کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے نئے نقادوں سے شکایت کی ہے کہ اس پر اس طور سے توجہ نہیں دی گئی جس کی وہ مستحق تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''اپنی طویل نظم 'عکس ریز' کا میں بطور خاص ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ایک کتاب کی شکل میں شائع ہو چکی ہے اور جسے میں اپنی سب سے اہم نظم سمجھتا ہوں، یہ نظم نو نو مصرعوں کے ایک سو چوبیس بندوں پر مشتمل ہے، اس میں یہ التزام برتا گیا ہے کہ

علیٰحدہ علیٰحدہ ہر بند ایک مختصر نظم کا کام دیتا ہے اور ہمارے معاشرے کے کسی ٹیڑھے ترچھے ٹائپ کرداروں کا خاکہ پیش کرتا ہے اس نظم کا طنزیہ رنگ، دلچسپ پیرائیہ بیان، بول چال کی زبان اور بات چیتی انداز غالباً ہماری شاعری میں اپنی طرز کی واحد مثال ہے اور مجھے بطور خاص نئے نقادوں سے گلہ ہے کہ 'عکس ریز' پر وہ توجہ نہیں دی گئی جس کی وہ بجا طور پر مستحق ہے'' 27؎

نظم ''عکس ریز'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں مشاہدہ کی وسعت، مطالعہ کی گہرائی و گیرائی، بے تکلف اور مکالماتی انداز، بول چال اور روزمرہ کی گفتگو، حالات حاضرہ پر طنز جیسی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ اس میں محاورہ اور ضرب الامثال کا لطف بھی مزہ دیتا ہے۔ جس طرح نظیر اکبرآبادی کی نظم آدمی نامہ، آدمی کی جملہ خصوصیات کا احاطہ کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس نظم میں بھی مظفر حنفی نے آدمی کی مختلف خصوصیات کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ پہلا بند ملاحظہ کیجیے ؎

آیئے اس دور کی جھلکی دکھاؤں

جس طرف دیکھو وہیں ایک ٹیڑھ ہے　　کوئی بونا ہے تو کوئی ڈیڑھ ہے
فلسفی یہ ہے، وہ پاگل آدمی　　کم ہی نکلیں گے مکمل آدمی
میں نے برتا ہے انہیں نزدیک سے　　سب کی تعریفیں کروں گا ٹھیک سے
آپ کو دلچسپ لوگوں سے ملاؤں　　آیئے اس دور کی جھلکی دکھاؤں

آگے غریب لوگوں کے گھر کا نقشہ بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے کہ غربت کی پوری تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ مثلاً ؎

عورتیں مدقوق، لڑکے زرد سے　　مردمی روٹھی ہوئی ہر مرد سے
آج آٹا ختم ہے، کل دال کم　　بیشتر قلاش ہیں ، خوش حال کم
آرزوؤں کے چمن سوکھے ہوئے　　نو نہالوں کے بدن سوکھے ہوئے

گندگی کی باڑھ سے لوگوں کے گھر　　یہ ہمارے بیچ کے لوگوں کے گھر

جی حضوری کرنے والوں کو آگے طنز کا نشانہ بنایا ہے مثلاً وہ رقم کرتے ہیں ؎

جی حضوری میں نہیں ان کا جواب

ہاں ملاتے ہیں یہ سب کی بات میں　　جی یقیناً دھوپ تھی کل رات میں
بات ہے سو فیصدی سچ آپ کی　　تین بانہیں تھیں رجب کے باپ کی
کل یہاں بارش ہوئی تھی؟ ہاں حضور　　جی نہیں، بھونچال تھا! جی ہاں حضور
راز دان ایں جناب وآں جناب　　جی حضوری میں نہیں ان کا جواب

ایک رکشے والے کی گرمی کے موسم میں کیا حالت ہوتی ہے اس کی کتنی خوبصورتی سے عکاسی کی ہے، ملاحظہ کریں ؎

ان کا رکشہ کھینچنا تو دیکھئے

تین من کی لاش پچھلی سیٹ پر　　اور رکشا چل رہا ہے کیٹ پر
دوپہر کا وقت گرمی کا پڑاؤ　　یہ گلی کے موڑ، یہ پیہم چڑھاؤ
حلق میں کانٹے سے، چمڑا سی زبان　　پسلیاں؟ جیسے کہ اب ٹوٹی کمان
یہ ہو کا سینچنا تو دیکھئے　　ان کا رکشہ کھینچنا تو دیکھئے

اس طرح سے اس نظم میں مختلف اشخاص کی زندگی کے مختلف حالات کی عکاسی دیکھنے کو ملتی ہے۔انہوں نے اس نظم میں سادہ وسہل الفاظ کا استعمال کیا ہے ۔کہاوتیں، محاورے اور ضرب الامثال بھی بڑی عمدگی سے استعمال کیے ہیں۔اس نظم کے آخری بند میں اپنے طنزیہ لہجے کا ذکر بھی کیا ہے اور اس طنز کی وجہ بھی بتائی ہے کہ ان کا مقصد نصیحت کرنا ہے تا کہ لوگوں کو حقیقت کا سامنا کرایا جائے اور ان کی اصلاح کی جائے۔چنانچہ اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں ؎

''ناصح مشفق'' یہ کہنے آئے ہیں

زندگی میں حسن بھی موجود ہے　　شاعری کیوں میری زہرآلود ہے
کیوں نہیں کرتا مسرت کو شمار　　طنز کیوں کرتا ہوں میں دیوانہ وار
میرا نفس مدعا ہے کامیاب　　ان کی خدمت میں ہے یہ کورا جواب
''آپ نے کئے زخم دل پر کھائے ہیں''　　''ناصح مشفق'' یہ کہنے آئے ہیں

سماج کی ناہموار صورت حال پر ایک دردمند شاعر کا دل ضرور غمگین ہوتا ہے اور اس کے لہجے میں تلخی آجانا حقیقت ہے۔ مظفر حنفی کا لہجہ بھی اسی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ سماجی برائیوں کی اصلاح کے لئے وہ سماج کو آئینہ دکھانا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی اصلاح خود کر سکے۔

غرض مظفر حنفی کی نظموں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہیں نظموں کے لکھنے پر خاصہ عبور تھا اور ان کی نظموں کے موضوعات بھی مختلف ہوتے ہیں کبھی وطن کی محبت میں سرشار ہوکر نظمیں رقم کرتے ہیں تو کبھی پیام آزادی کا نغمہ گونجتی ہوئی نظمیں پڑھنے کو ملتی ہیں تو کبھی ہندو مسلم اتحاد کا پیغام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی بلند و بانگ لہجے میں انصاف کے لئے آواز بلند کرتے ہیں۔ اس طرح سے ان کی نظمیں داخلیت و خارجیت کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ خوبصورت بندشوں، نادر ترکیبوں، سادہ و سہل انداز بیان اور سلاست و روانی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی غزلوں کی طرح ہی اپنی نظموں میں اصلیت و واقعیت اور شاعرانہ تخیل سے ایسا فنکارانہ کام لیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظم نگاری میں بھی کامیابی سے گزرے ہیں۔

مظفر حنفی نے آزاد نظمیں، گیت، سہرے اور دوہے بھی رقم کیے ہیں ان کی ایک آزاد نظم جس کا عنوان ''سفر کا ایک دن''، ہے ملاحظہ کریں۔ اس میں انہوں نے سفر، ہجر و وصال اور محبوب سے دوری کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے

سفر کا ایک دن

....پھر ہم نے آب وگل کے لبادے اتار کر،
اعمال کی خلیج،
بیابانوں سے پار کی،
اس پار کی زمین (جو دلدل نہ تھی، مگر)
کاغذ کی طرح پھٹ کے قدم تھامنے لگی۔
ہم بھاپ بن گئے،
رستے میں آسمان ملے (روئی کے بنے)
جو انگلیوں کی آنچ نہ برداشت کر سکے،
دیکھا:
کہ اس طویل اندھیری گپھا کے بیچ،
(لمحوں کی ٹوٹی الجھی ہوئی ڈور کے سرے، گردن میں ڈال کر)
لٹکا ہوا تھا وقت۔
آگے بڑھے تو آگ کا دریا تھا درمیاں،
احساس بے حسی نے جسے سرد کر دیا،
کچھ اور آگے چل کے دھندلکے تھے ذات کے،
ہم ان میں کھو گئے۔
(مرحوم ہو گئے!!!)

اس آزاد نظم میں انہوں نے انسان کی زندگی کی تکالیف، مشکلات اور تگ و دو کا بڑی خوبصورتی سے ذکر کیا ہے۔ اس آزاد نظم میں زندگی کے سفر کو پیش کیا گیا ہے۔ زندگی کا سفر کتنا پیچیدہ

ہوتا ہے اس کی تصویر مختلف علامتوں کے ذریعہ بیان کی ہے۔ مظفر حنفی نے آزاد نظم، گیت، دوہے اور سہرے بھی رقم کیے ہیں۔

رباعی گوئی

مظفر حنفی نے شاعری کی دنیا میں نہ صرف غزلیں رقم کی ہیں اور نا ہی صرف نظمیں ہی تحریر کی ہیں بلکہ کچھ ترانے لکھے ہیں تو کئی ایک مرثیے بھی ان کے نوک قلم سے تحریر ہوئے ہیں تو وہیں ایک قصیدہ اور ایک سلام امام حسین کی بارگاہ میں پیش کیا ہے تو اسی طرح انہوں نے رباعی کی صنف میں بھی اپنے آپ کو ثابت کیا ہے اور انہوں نے کئی ایک رباعی بھی قلمبند کیا ہے۔ رباعی میں تو صرف اور صرف چار مصرعے ہوتے ہیں اور یہ لفظ رباعی ہی اس بات کے لئے کافی ہے۔ اصل میں رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چار کے ہوتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری رباعیاں قلمبند کی ہیں اسی میں سے مثال کے لئے ایک رباعی کو رقم کرتے ہیں اور اسی سے مظفر حنفی کی رباعی پر دسترس کو بھی دیکھتے ہیں۔

مرنا ہے تو بے موت نہ مرنا بابا
دم سادھ کے اس پل سے گزرنا بابا
سنتے ہیں کہ ہے موت سفر کا وقفہ
اس پار ذرا بچ کے اترنا بابا

مظفر حنفی نے ایک رباعی میں مرثیہ کے مشہور و معتبر شاعر انیس کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کی خدمات کا اعتراف و احترام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بھولے گی نہ اردو کبھی احسان انیس
جاری ہے ادب میں ابھی فیضان انیس
حالی ہوں کہ اقبالؔ ہوں یا جوشؔ کہ شادؔ
تھاما ہے ہر اک نسل نے دامان انیسؔ

مظفر حنفی نے بہت زیادہ تو رباعی نہیں لکھی ہے مگر یہ کہ اسے کم بھی نہیں کہا جا سکتا ہے معتدل اور متوسط ضرور کہہ سکتے ہیں ان کی شاعری کے دونوں مجموعوں یعنی کہ کلیات ''کمان'' اور کلیات'' تیزاب میں تیرتے پھول'' کا جب ہم بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری میں سے قطعات یا رباعی کی تعداد سو کے قریب ہے۔اس میں بھی انہوں نے موضوعات میں جدت اختیار کی ہے اور مختلف النوع موضوعات پر رباعی تحریر کیا ہے۔انہوں نے اس میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے تو وہیں ان کے دل کی دھڑکنوں کو بھی رباعی میں محسوس کر سکتے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ رباعی میں طویل بات کو صرف چار مصرعوں میں ہی باندھا جاتا ہے اسی لئے وہ زوردار ہوتا ہے اور آخری مصرعہ تینوں مصرعوں کا ماحصل بھی۔ایک رباعی نے تو میرے کمزور دل پر کچوکا لگایا آپ بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

بھوکا تھا مگر چھوڑ دیا روٹی کو
کس ڈھنگ سے سمجھاؤں میں اپنے جی کو
غلے کے تقاضے پر الجھ کر آخر
ہمسائے نے پھر پیٹ دیا بیوی کو

اردو کے تقریباً تمام بڑے اور اہم شاعروں صنف رباعی پر اپنے قلم کی جولانی بکھیری ہے۔ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت اور فنی ریاضت کے بعد ہی اس صنف رباعی سے کما حقہ انصاف کیا جا سکے گا۔چوں کہ رباعی میں صرف چار مصرعے میں ہی بات کو مکمل کی جاتی ہے اور پھر یہ کہ اس کے لئے مخصوص بحر بھی درکار ہوتا ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ رباعی کے لئے ضروری ہے کہ چوتھے مصرعے میں پیش کئے گئے مضمون کو ارتقائی شکل دیتے ہوئے نقطۂ عروج پر پہنچانا ہوتا ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔میر تقی میرؔ سے لے کر سوداؔ اور انیسؔ و جوشؔ سبھی نے رباعی کہے ہیں اور اسی رباعی گو کی صف میں ہم ان کا نام بھی شمار کرا سکتے ہیں۔

ہاتھوں میں لئے تیغ و سناں بیٹھا ہے
ہم زاد نہیں ، دشمن جاں بیٹھا ہے
جس جا بھی متاع فکر لے کر بیٹھوں
لگتا ہے کوئی اور وہاں بیٹھا ہے

ایک سچا، پکا، سلجھا ہوا اور عمدہ ادیب و قلمکار وہی ہوتا ہے جو کہ معاشرے سے گہرا ربط و تعلق رکھتا ہو۔ اور اپنے معاشرے میں ظہور پذیر ہر چھوٹے اور بڑے واقعات و سانحات کو کاغذ اور قلم کے ذریعے اسے صفحۂ قرطاس پر رقم کرتا ہو۔ کائنات میں گھٹت گھٹنا کا مطالعہ شاعر و ادیب کے لئے ناگزیر ہے۔ معاشرے کی دکھتی رگ پر جہاں ہاتھ رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں وہیں مظفر حنفی نے نا انصافی پر کھل کر لکھا ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ معاشی تنگدستی، غریبی ، مفلسی، بے روزگاری ، غربت وافلاس، فقیری، سیاسی بے راہ روی کو بھی رباعی میں جگہ دی ہے۔ انہوں نے مالداری پر اگر طنز کیا ہے تو اونچے اونچے محلوں کو بھی نشانہ بنایا ہے ذرا اس رباعی کی طنز کو دیکھتے چلیں:

اونچے محلوں میں بیٹھا ڈر میرا ہے
پتھر تکیہ مٹی بستر میرا ہے
ڈیرا ہے دنیا بھر کے آسیبوں کا
میں سمجھا تھا بیچارہ گھر میرا ہے

مظفر حنفی کی رباعیات کے تعلق سے علقمہ شبلی کلکتوی کا ایک مضمون ہے جسے مژگاں نے مظفر حنفی نمبر میں جگہ دی ہے تو یہی مضمون سہ ماہی روشنائی کراچی پاکستان کے خصوصی شمارہ میں بھی شامل ہے۔ انہوں نے ان کی رباعیات سے متعلق چند صفحات کو رنگین کیا ہے ذرا انہوں نے ان کی رباعیات کے متعلق کن کن خصوصیات پر قلم چلایا ہے اسے جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ہم مظفر حنفی اور ان کی رباعی خدمات کو بھی جان سکیں۔ تقریباً چار صفحے کے مضمون میں علقمہ شبلی نے ان

کی کل ۱۲ رباعی کو شامل کیا ہے، انہوں نے ان کی رباعی سے متعلق بڑی خوبصورت باتیں رقم کی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

''محرومی و مایوسی انسان کا مقدر ہے وہ اس کائنات کا ایک اہم حصہ ہونے کے باوجود ایک حقیر ذرے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ سائنسی ترقیوں اور مادی آسائشوں کے باوجود تشنگی کا ایک احساس ہے جو دل کو بے قرار اور روح کو بے چین رکھتا ہے۔ مظفر حنفی اس بے چینی اور بے قراری کو اپنی ذات کے نہاں خانوں میں جذب کر کے شعور و وجدان کی مخصوص کیفیات کے ذریعے ایسی رباعیوں میں پیش کرتے ہیں جو عرفان ذات کے بغیر ممکن نہیں''۔

مرمر کے فنا کا غار پاٹو یارو
سانسوں کی یہ زنجیر بھی کاٹو یارو
اس سے پہلے کہ روح گھٹ کر مرجائے
چاٹو، دیوار جسم چاٹو یارو

28

مظفر حنفی نے ۱۹۵۳ء سے غزلوں کی دنیا میں قدم رکھا اور گاہے بگاہے نظمیں اور رباعی بھی قلمبند کرتے رہے ہیں مگر ایسا نہیں ہے کہ رباعی پر توجہ اور وقت صرف نہ کیا ہو اور ایسا بھی نہیں ہے کہ رباعی میں موضوع کی جدت نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ رباعی میں تیز و تند اور طنز کے نشتر نہ چلائے ہوں ذرا انہی باتوں کو ہم علقمہ شبلی کے مضمون سے دیکھتے ہیں:

''مظفر حنفی کی رباعیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ وہ اس پل صراط سے سلامتی کے ساتھ گزرے ہیں اور ان کی رباعیوں میں اس فن کی امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مظفر حنفی ایک سچے تخلیقی فنکار ہیں اس لئے جس طرح موضوع کا تنوع، بول چال کی زبان کا کھردرا پن، بے باک لہجہ اور طنزیہ کاٹ ان

کی غزلوں کی خصوصیات ہیں اسی طرح یہ ان کی رباعیوں کو بھی جاندار اور پرکشش بناتی ہیں اور ہم ایک حیرت انگیز اور خوش گوار جمالیاتی تجربے سے دوچار ہوتے ہیں ۔ طنز مظفر کی شاعری کا نمایاں وصف ہے ۔ انہیں زندگی کی ناہمواریوں ، گردوپیش کی کھردری حقیقتوں اور معاشی کجیوں اور خامیوں کا گہرا احساس ہے ۔ وہ طنزیہ پیرایۂ بیان میں ان کا برملا اظہار کرتے ہیں ۔ شدت مشاہدہ اور نفاست طبع نے اسے تلوار کی دھار بنا دیا ہے جس کا نشانہ دوسرے نہیں خود شاعر بھی ہے''

ہر چند کہ فنکار کہا جاتا ہوں
میں وقت کے دریا میں بہا جاتا ہوں
کیا کیا نہ لکھا جائے گا میرے پیچھے
افسوس کہ محروم رہا جاتا ہوں

29

مظفر حنفی کی رباعی میں بھی شاعری کی طرح ہی موسم کی باتیں کی گئی ہیں اور اسی کے ساتھ ہی شاعر کے اردگرد کے ماحول کی عکاسی بھی ملتی ہے ۔ شاعر وادیب ایک حساس دل بھی رکھتا ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ دھڑکتے ہوئے دل سے ان کے سامنے جو واقعہ ، حادثہ اور سانحہ گزرا ہوگا اسے موزونیت کر کے خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنا کر ایک نیا کارنامہ انجام دینے کی بہترین سعی کرتا ہے ۔ پروفیسر مظفر حنفی ادیب وشاعر کی دنیا سے ماورا نہیں ہیں انہوں نے بھی ان روایات کو برقرار رکھا ۔ ان کی رباعیات میں بھی اس طرح کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں ، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے ۔ موجودہ دور میں افق دنیا پر جنگ وجدال اور فساد کے بادل منڈلا رہے ہیں ۔ نسل ورنگ کا خوف ناک کھیل جاری وساری ہے ۔ ہر ہر قدم پر انسان کی عظمتوں ، رفعتوں اور شوکتوں کو پامال کیا جا رہا ہے ۔ دنیا کی اکثر و بیشتر آبادی غربت وافلاس کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہی ہے اور ہم سب کا یہ حال ہے کہ سائنسی اور مادی ترقی کی چکاچوند میں گم صم ہیں ۔ ہماری نگاہیں اپنے اطراف واکناف کی بستیوں ،

محلوں اور قصبوں کو نہ دیکھ کر آسمان کی بلندیوں اور ترقیوں کو دیکھ رہی ہیں۔ ظاہر سی بات ہے شاعر بھی سماج و معاشرہ کا ایک فرد ہوتا ہے اور اس کے اردگرد بھی لوگوں کی ٹولیاں ہوتی ہیں وہ بھی حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتا ہے۔ اسے بھی افراد کی خوشی و غم کا اچھی طرح سے اتہ پتہ ہوتا ہے ذرا اسی صورت حال کو مظفر حنفی کی رباعی میں دیکھتے ہیں:

موسم کے تقاضے پہ ذرا سوچو نا
انجام ہے مطلع کا مقدر ہونا
کھانے کی کوئی چیز اگالو پہلے
پھر شوق سے کھیتوں میں ستارے بونا

☆☆☆

تریاق نہ لا مارگزیدہ ہی نہیں
مرہم نہ لگا زخم رسیدہ ہی نہیں
عرفان کی اس دھوپ میں جلتا ہے یہ دور
جس میں کوئی دیوار عقیدہ ہی نہیں

پروفیسر مظفر حنفی کی تمام رباعیوں کو پڑھا ان کی رباعیاں ان کے شعری مجموعے میں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ مجھے ان کی یہ چند رباعی پسند آئی سوچا کہ آپ سے بھی شیئر کر دیا جائے تا کہ آپ بھی ان کی رباعیوں سے محظوظ ہو سکیں اور ساتھ ہی ان کی رباعی کی خدمات کو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ بھی کر سکیں۔

ثانی تھے نہ دارا و سکندر میرے
ہوتی یہ زمیں اور سمندر میرے
افسوس کہ یلغار کو جب اٹھتا ہوں
ہنستا ہے کوئی جسم کے اندر میرے

☆☆☆

دیکھا کہ ہر اک شخص لہو میں تر تھا
اور بحر شجاعت مراکف اور تھا
پھر آنکھ کھلی ، چونک پڑا یا حیرت
خود اپنی ہی گردن پہ مرا خنجر تھا

اوراس رباعی کوبھی ملاحظہ فرمائیں۔

شعلہ اسے چوم رہاہوں پھر بھی
خالی ہے سبو ، جھوم رہاہوں پھر بھی
وہ مجھ سے گریزاں ہے ہوا کی مانند
پنکھے کی طرح گھوم رہاہوں پھر بھی

ایک قطعہ مظفرحنفی نے اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر بھی تحریر کیا تھا جس سے ان کی والدہ کی وفات کا سنہ بھی معلوم ہوتا ہے:

خدا انہیں اپنے سایہ ٔ عاطفت میں رکھے
ہماری جنت تو روٹھ کر جارہی ہے گھر سے
وصال کا سنہ انہیں میں پنہاں تھا اے مظفؔر
مزار خاتون فاطمہ پر جو پھول برسے

(۱۹۶۶)

رباعی پر گفتگو کوختم کرنے سے پہلے پروفیسر مظفرحنفی کی وہ رباعی جوانہوں نے سیدالشہداء امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بطورخراج عقیدت پیش کئے ہیں ان کو یہاں رقم کیا جاتا ہے:

جب آ گیا ہے لب پہ ترا نام اے حسین
تھم سی گئی ہے گردش ایام اے حسین
شبنم سے تر رہے گی ہر اک صبح کی پلک
خون شفق بہائے گی ہر شام اے حسین

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پروفیسر مظفر حنفی نے شاعری کی دنیا میں رباعیات کی اصناف پر بھی طبع آزمائی کی ہے اور ان کی اس اصناف میں بھی کسی بھی طرح کا جھول نہیں دکھتا ہے، بلکہ انہوں نے رباعی گوئی میں بھی اپنی پہچان الگ بنائی اور ہمیں ان کی شاعری، غزلیات اور نظموں کی طرح ہی ان کی رباعی کو کامیاب ہوتے ہوئے دیکھنا نصیب ہوا۔ ظاہر سی بات ہے کہ انہوں نے جو بھی لکھا بڑے ہی ذوق وشوق کے ساتھ لکھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے تند و تیز اور طنز والی کاٹ بھی ان کی رباعی میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کی رباعیات میں موضوعات کا تنوع ، لہجے کی نشتریت ،احساس کی شدت، مشاہدے اور محسوسات کی باریک بینی، عصری حسیت، سماجی و معاشرتی معنویت، حالات اور روزمرہ کے مسائل ملتے ہیں تو وہ الفاظ اور عبارتوں کو چھان پھٹک کر، دیکھ داکھ کر اور سٹیک جگہ پر استعمال کرتے ہیں۔ شاعری کی بات چلے اور دل کی باتیں نہ ہو کیا یہ ممکن ہے۔ انہوں نے اپنے ذاتی تجربے کو اس طرح سے بیان کیا کہ ہر کسی کا دل اسے اپنے دل کی دھڑکن اور اپنے اوپر بیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اپنے اوپر گزرا ہوا اور اپنے اردگرد اور ماحول سے اخذ کر کے خوبصورتی کے ساتھ شعر کہنے کا ہنر انہیں خوب آتا ہے اسی لئے وہ رباعی گوئی میں بھی کامران ہیں اور رباعی گو کی چنندہ فہرست میں بھی اپنی جگہ بنانے اور بچانے میں کامیاب ہیں۔

سلام امام حسین

مظفر حنفی نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سلام عقیدت بھی پیش کیا ہے۔ اس سلام میں انہوں نے امام حسین کی صفات و کردار اور حق کے لئے جان دینے والی خصوصیات کا احاطہ کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

اونچا ہوا نشان سناں پر حسین کا کٹنے کے بعد بھی نہ جھکا سر حسین کا
یہ جان کر بھی نہر سے خیمے ہٹالئے پانی کریں گے بند ستم گر، حسین کا
عون ومحمد، اکبر و اصغر عطش عطش مرجھاگیا ہر ایک گل تر حسین کا
بوڑھے حبیب ابن مظاہر کے ساتھ ساتھ اک شیر خوار بھی تھا دلاور حسین کا
میرا مشاہدہ ہے کہ گرداب و آبشار صدقہ اتارتے ہیں برابر حسین کا

باطل کے آگے اس نے جھکایا کبھی نہ سر
عاشق ہے بچپنے سے مظفؔر، حسین کا

ڈاکٹر مظفر حنفی نے اس سلام میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں رطب اللسان ہوکر اشعار کہے ہیں۔ان اشعار میں خلوص نظر آتا ہے۔ان اشعار کے ذریعے امام حسین کی بارگاہ میں خراج عقیدت بھی پیش کیا گیا ہے۔اس طرح انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کمالات،اوصاف اورخوبیوں کا بیان کیا ہے۔

مرثیہ

مظفر حنفی نے مرثیے بھی لکھے ہیں۔ان کے کلام میں ایک شخصی مرثیہ ملتا ہے۔انہوں نے اپنے مرثیے کے لئے سادہ وسلیس زبان استعمال کی ہے ان کے مرثیے میں مرنے والے کے عادات واطوار، اخلاق وصفات کے ساتھ مرنے والے کی موت پر شاعر کا ذاتی غم بھی دکھائی دیتا ہے۔ان کا یہ مرثیہ شاد عارفؔی کی وفات پر رقم کیا گیا تھا مرثیہ شاد عارفی کے عنوان سے ہے۔اس شخصی مرثیہ کو ملاحظہ کریں۔

برنگ موت جی کے فرق ہی مٹا گیا ہے وہ حیات کی ممات سے کڑی ملا گیا ہے وہ
بلا کے اپنی موت خود ہی مات کھا گیا ہے وہ یہ ایک اور تیر طنز کا چلا گیا ہے وہ
اگر چہ انجمن سے روٹھ کر چلا گیا ہے وہ مگر کچھ اس طرح کہ انجمن پہ چھا گیا ہے وہ

تمام عمر نشتروں سے کھیلتا گیا ہے وہ
اگرچہ خود ہی اپنے خون میں نہا گیا ہے وہ

صداقتوں کی تلخیوں کے ساتھ ندرت ادا
غزل کو زندگی کا آئینہ بنا گیا ہے وہ

حیات کی تمام تلخیاں یتیم ہوگئیں
کہ آج زندگی سے روٹھ کر چلا گیا ہے وہ

عجیب بیکسی کی موت مرکے مجرمین میں
ہمیں گنا گیا ہے وہ تمہیں گنا گیا ہے وہ

جیا تو اس طرح جیا کہ زندگی لرز گئی
مرا بھی اس طرح کہ موت کو ہلا گیا ہے وہ

اسی لئے تو چین سے نہ جی سکا نہ مرسکا
کہیں بھی ظلم ہورہا ہو، تلملا گیا ہے وہ

سماج نے اسے ہراک قدم پہ چوٹ دی مگر
سماج کی نحیف رگ ٹٹولتا گیا ہے وہ

تمام عمر ظلمتوں سے واسطہ رہا اسے
مگر ہر ایک موڑ پر دئے جلا گیا ہے وہ

اسے خبر نہ تھی کہ مصلحت بھی کوئی چیز ہے
پڑا جو سامنا تو راستہ بچا گیا ہے وہ

قضا پہ دسترس نہیں ، نظر سے دور لے گئی
مگر دلوں کے اور بھی قریب آ گیا ہے وہ

جہان مال مست میں وہ کھال مست خوب تھا
کہ جو نظر پڑا اسی کو چھیڑتا گیا ہے وہ

سخی تو خیر تھا، مگر بخیل سا بخیل تھا
خوشی تو بانٹتا پھرا ہے غم چھپا گیا ہے وہ

خود اپنی ذات پر بھی طنز مستقل بنا رہا
عجیب شخص تھا، عجیب گل کھلا گیا ہے وہ

برائے فکروفن تمام عمر یوں گزاردی
کہ بیسویں صدی کی روح میں سما گیا ہے وہ

کلام شآد عارفی کہیں سے دیکھ لیجئے
اس عہد کی تمام خامیاں گنا گیا ہے وہ

رقیب خوش نہ ہوں کہ شادعارفؔی نہیں رہا
ہمیں بھی داؤں پیچ طنز کے سکھا گیا ہے وہ

مظفرؔ خراب، مختصر کرے، تو یہ لکھے
کہ اس عظیم حادثے سے بوکھلا گیا ہے وہ

مظفر حنفی نے اپنے استاد اور مربی شاعر شاد عارفی کے انتقال پر یہ اشعار کہے تھے۔ انہوں نے اس نظم میں اپنے استاد و مربی شاد عارفی کے خیالات، شخصیت اور ان کے اوصاف و کمالات کو بیان کیا ہے۔ اس طرح سے ان کی زندگی اور شخصیت کی اس میں بڑی خوبی سے عکاسی کی گئی ہے۔

ترانہ

سینٹرل یونیورسٹی آف کشمیر کے لئے ۹ ترانے تحریر کیے ہیں۔ جوان کے کلیات ''کمان'' میں شامل ہیں اس کے علاوہ ایک ترانہ جواہر اردو ہائی اسکول، کھنڈوا مدھیہ پردیش کے لئے لکھا ہے۔ سینٹرل یونیورسٹی آف کشمیر کے لئے لکھا گیا ترانہ ملاحظہ کریں۔

(سینٹرل یونیورسٹی کشمیر)

ہمارا نعرہ ہے تکبیر
ہماری روشن ہے تقدیر
ہمارا مستقبل پرنور
ہمارا ماضی پر تنویر
ہم طلباء و طالبات جامعہ کشمیر

علاقہ ہے یہ رشک طور
پسندیدہ نزدیک و دور
ہماری شالیں اور قالین
زمانے بھر میں ہیں مشہور
ہم طلباء و طالبات جامعہ کشمیر

ہمارے لل دید ومخدوم
ہمارے گلمرگ و ڈکسوم
یہاں مقبول رشی تحریک

یہاں ہے شرک وداکھ کی دھوم
ہم طلباء و طالبات جامعہ کشمیر

غنی و داوؤد و اقبال
ابھینو گپت یہاں کے لال
یہاں ہر فرد ہے خوش اخلاق
ہر اک خاتون پری تمثال
ہم طلباء و طالبات جامعہ کشمیر

ہماری دانش گاہ نو
علوم و فن کی اونچی لو
ترقی اس کی روز افزوں
بڑھائیں مل کر اس کی ضو
ہم طلباء و طالبات جامعہ کشمیر

اس ترانے میں انہوں نے خطہ جموں وکشمیر کی تہذیب، یہاں کے دانش گاہ، یہاں کے علاقے، یہاں کے نامور سپوت وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے کشمیر کی انفرادیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس کی ترقی وفروغ کے لئے طلباء میں ہمت وجوش بھی پیدا کیا ہے۔

اسی سینٹرل یونیورسٹی کشمیر کے لیے لکھا گیا ترانہ نمبر ۹ سے ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

قدرت کی رحمت کا مظہر جامعہ کشمیر
دنیا کی جنت کا منظر جامعہ کشمیر

پیدا کرتی ہے دانشور جامعہ کشمیر
وادی کی عظمت کا پیکر جامعہ کشمیر

مظفر حنفی نے ایک ترانہ جواہر ہائی اسکول کھنڈوا، مدھیہ پردیش کے لیے بھی رقم کیا تھا۔ یہ ترانہ مسدس نظم کی شکل میں ہے جس میں پانچ بند ہیں اس ترانہ کے صرف تین بند ملاحظہ فرمائیں ۔اس ترانہ میں علم سے محبت، وطن سے پیار، اردو سے عشق، زبان سے لگاؤ اور دوستوں کے اسماء کا مشاہدہ کر سکتے ہیں:

حسن رضا کی ہے تعمیر
حبیب عالم کی تدبیر
مظفر حنفی کا ارمان
یہ منشائے حسن بشیر
ہمارا اردو ہائی اسکول جواہر اردو ہائی اسکول

زبان اردو کا مینار
ثقافت کا یہ پہرے دار
یہاں کے طالب علم ذہین
یہاں کی طالبات فنکار
ہمارا اردو ہائی اسکول جواہر اردو ہائی اسکول

ہماری درسگاہ نایاب
الٰہی سدا رہے شاداب
وطن کی خدمت میں مصروف

علم کی دولت سے زرتاب
ہمارا اردو ہائی اسکول جواہر اردو ہائی اسکول

دوہے:

مظفر حنفی نے گیت ،نظم ،غزل اور دیگر اصناف سخن کے ساتھ کچھ دوہے بھی انہوں نے لکھے ہیں ۔ دوہے کی شاعری بڑی پر کیف ہے اور اس کا تعلق دنیا اور انسانوں سے بہت مضبوط ہے۔اس کے موضوعات میں دنیا اور دنیا میں بسنے والے انسان، چرند پرند،شجر، پھول، پودے اور جنگلات شامل ہیں ۔کبیر کے دوہے مشہور ومعروف ہوئے ہیں۔کچھ دوہے مظفر حنفی کے قلم کی یادگار ہے اس یادگار میں سے چند دوہے یہاں رقم کرتے ہیں:

لپکا لپکا جائے ہے اک راہی انجان
رہزن ہوں گے گھات میں، رستہ ہے سنسان

☆☆☆

ایک نشیمن پھر جلے چاہے ماتم ہوئے
گھور اندھیرا رات کا تھوڑا تو کم ہوئے

☆☆☆

ننھا سا دل ایک ہے جس پر لاکھوں گھاؤ
مال اگر کمیاب ہو بڑھ جاتے ہیں بھاؤ

☆☆☆

پھول کہیں بھی ہو اگر ہوتا ہے پامال
دل کے شیشے میں مرے آجاتا ہے بال

☆☆☆

مسجد میں جولوگ ہیں ان کو ہی بہکاؤ
رندوں میں کیوں آئے ہو اے مولانا جاؤ

☆☆☆

زندہ بت کو چھوڑ کر پتھر کی تعظیم
اچھا ہم تو چل دیے پنڈت جی تسلیم

☆☆☆

میرے سینے پر اٹھی جہاں کہیں سنگین
ان کا دامن ہوگیا گھر بیٹھے رنگین

☆☆☆

اس کے غم سے مانگ لو کچھ کرنوں کی بھیک
بات بہت باریک ہے رات بڑی تاریک

☆☆☆

جو میرے ہر شعر پر کرتے تھے تنقید
کرتے وہ لوگ ہی اب میری تقلید

☆☆☆

آجاتی ہے پھول کی مٹی میں بو باس
ہم کیوں تیرے پاس بھی اکثر رہے اداس

☆☆☆

پھر جانے کب رات ہو، کب یاد آئیں آپ
جی کہتا ہے اور کچھ، پڑے رہیں چپ چاپ

ان تمام دوہوں کو پڑھیں گے تو اس میں محاورہ بھی ہے اور حالات حاضرہ کی ترجمانی بھی ساتھ ہی صنعت تضاد، تکرار اور حسن تعلیٰ جیسی صنعتوں کا بہترین استعمال بھی ہوا ہے۔ اس میں دنیا اور دنیا میں رہنے، بسنے اور زندگی گزارنے والے انسانوں کی بات کی گئی ہے وہیں پھول، مٹی، رات، خوشی، غم، سنسان، انجان، رہزن اور نشیمن جیسے الفاظ کو اپنے دوہوں میں جگہ دے کر موضوعات کو متنوع کیا ہے۔

گیت

مظفر حنفی نے شاعری کے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں شاعری کی ایک صنف گیت بھی ہے انہوں اپنی زندگی میں صرف دو ہی گیت رقم کیے ہیں۔ ان کی تحریر کردہ ایک گیت جیت جس کا عنوان ''سچائی کی جیت'' ہے، اس کے چند بول ملاحظہ فرمائیں:

چندے ہوتے ہیں دفتر میں جلسے ہیں میدانوں میں
فوجی بننے کے منصوبے مزدور اور کسانوں میں
سرحد پر لڑنے کی خواہش بوڑھوں اور جوانوں میں
عالم یہ ہے بچوں کی بھی فوجی وردی سلتی ہے
آج ہمارے نعروں سے کرگل کی چوٹی ہلتی ہے

دشمن کے گندے پیروں کو کاٹ نہ دیں تو نام نہیں
وادی کو ان کی لاشوں سے پاٹ نہ دیں تو نام نہیں
بوٹی بوٹی کرکے ان کی بانٹ نہ دیں تو نام نہیں
ایسے غصیلے نعروں سے کھال عدو کی جلتی ہے
آج ہمارے نعروں سے کرگل کی چوٹی ہلتی ہے

پاکستانی در انداز اب اور نہیں ٹک پائیں گے
ان سے ٹکر لینے کو ہم سینک بن کر آئیں گے
ہم دراس کو صاف کریں گے اور بٹالک جائیں گے

جو سچائی پر ہوتا ہے جیت اسی کو ملتی ہے
آج ہمارے نعروں سے کرگل کی چوٹی ہلتی ہے

مظفر حنفی نے صرف دو گیت ہی اپنے نوک قلم سے تحریر کیے ہیں ان کی تحریر کردہ ایک گیت کے دو بند پیش خدمت ہے:

چلتا جائے چاک
کچی مٹی کی یہ مورت
''میں'' کی بھٹی میں پکنی ہے،
بھگتی کے آسن پر چڑھ کر
اپنی پوجا کر سکتی ہے
کہتی ہے کمزوری کیسی
مجھ میں شکتی ہی شکتی ہے
لیکن رات اور دن کی چکی کر دیتی ہے خاک
یعنی قصہ پاک
چلتا جائے چاک

اس طرح سے انہوں نے رسماً ہی سہی گیت کی دنیا میں قدم رکھا اور اس سے طبعی میل جول نہ ہونے کی وجہ سے جلد ہی اس وادی سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ غرض اس طرح سے مظفر حنفی نے صنف شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر کے اپنی شاعری کے دامن کو وسعت دینے کی بھر پور کوشش کی ہے۔ مظفر حنفی نے اپنی پوری زندگی میں صرف ۶ رسہرے رقم کئے ہیں۔ پہلا اپنے قیام

کھنڈوا کے دوران ان کے ہم عصر شاعر ذوالفقار احمد قریشی طالبؔ کی شادی کے موقع پر ۱۹۶۷ء میں اور آخری سہرا نواسے ثمر منصور کی شادی کے موقع سے ۲۰۱۵ء رقم کیا تھا۔ چونکہ ان کی طبیعت اس طرف مائل نہیں تھی اس لیے اعزہ واقربا اور خاص دوستوں کی فرمائش پر ہی سہرے رقم کئے ہیں۔ ان کے سہرے سے بس ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

خدایا حشر تک مہکا کرے بوئے خلوص ان کی　　مظفر کے قلم کے پھول ہیں اظہر کے سہرے میں

مظفر حنفی نے غزلیں بھی لکھیں، نظمیں بھی تحریر کیں تو رباعیات اور مرثیے بھی قلمبند کئے اور ترانے بھی رقم کیے ہیں ان سب کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ وہ الفاظ ومعانی کا توازن قائم رکھنے، ایجاز واختصار سے بات کہنے، محاورے اور لفظی رعایتوں کا اہتمام کرنے اور اجزائے کلام کی اصلی ترتیب کو قائم رکھنے میں ماہر ہیں۔ چنانچہ ان کی غزل کیا فکر، کیا جذبہ، کیا زبان، کیا بیان، ہر پہلو سے بلند ہے اور آج بھی وہ غزل کی دنیا میں اعلیٰ وارفع مقام رکھتے ہیں۔

بری نہیں ہے مظفرؔ کوئی بھی صنف ادب
قلم غزل کے اثر میں رہے تو اچھا ہے

مذکورہ شعر کے خالق ومالک اور شاعری کی دنیا کا ایک جانا پہچانا نام اور اردو ادب میں ہر فن پر ہے ان کا کام یعنی کہ مظفر حنفی۔ اس شعر کو یہاں پیش کرنے کا مقصد صاف عیاں ہے کہ انہیں شاعری کی دنیا میں من لگتا ہے۔ غزل کی کائنات میں کھونا چاہتے ہیں اور ان کو اشعار کی دنیا میں گم صم رہنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ ان کا قلم بیک وقت بچوں کی دنیا پر چھایا رہا تو وہیں جوانوں کی پسندیدہ صنف شاعری اور خصوصیت کے ساتھ غزل پر بھی چلتا رہا، کہانی کی دنیا میں وارد ہوئے تو تین افسانوی مجموعہ لکھ کر کر اور چھاپ کر ہی دم لیا۔ ترجمہ کی حیثیت سے قدم بڑھایا تو اس میں بھی نام کمایا اور جب صحافت میں کودے تو کھنڈوہ جیسی اردو کے لئے بنجر زمین کو قابل کاشت بنا کر قابل رشک بھی بنادیا۔ تنقید کے میدان میں پیر بڑھایا تو اچھے تنقید نگاروں کی صف میں جگہ پائی اور جب تحقیق کی وادی میں آئے تو اپنی نپی تلی اور خالص تحقیق کے لئے بھی جانے گئے۔۔۔ مگر ان سب کے باوجود

عشق تو غزل سے ہی رہا اور ایک نہیں کئی موقع سے ارشاد فرمایا تھا کہ میری پسندیدہ صنف سخن تو غزل ہی ہے اور جب بھی بیٹھا !شعر ہو گئے۔

اردو ادب میں چند چنندہ نام ایسے ہیں کہ وہ اردو زبان و ادب پر تحریر کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح سے اپنے قلمی جواہر سے اردو ادب کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔اردو ادب کی مختلف النوع طریقے سے خدمت کرنے میں ایک سنہرا نام فاروق ارگلی کا بھی ہے انہوں نے مضامین لکھے، کتابیں رقم کیں، کتابوں کو ترتیب بھی دیا تو وہیں شاعری بھی کی ہے۔اردو اخبارات اور میگزین میں چھائے رہتے ہیں اور ان کے تحقیقی وتنقیدی مضامین کے علاوہ ان کی شاعری میں سے غزلیات، نظمیں اور قطعات بھی اخبارات و رسائل اور جرائد کی زینت بنتی رہی ہیں۔اردو ادب کی بے لوث خدمت کرنے والوں کی خوبصورت، خوش نصیبوں کی فہرست میں ایک بڑا اور اہم نام فاروق ارگلی کا بھی ہے۔وہ مظفر حنفی کی شاعری پر یوں رقم کرتے ہیں:

> ''دو ہزار سے زائد غزلوں کے ساتھ ساتھ دیگر اصناف سخن میں پورے فنی و فکری اجتہاد، جدت طرازی، غیر معمولی قوت مشاہدہ، انفرادی اسلوب اور شعری اقدار و روایات کی پاسداری کے ساتھ طبع آزمائی دنیائے اردو سخن کے شناسوں کی نظر میں کھری اور یجنل تخلیقی شاعر کا درجہ پہلے ہی حاصل کر چکی ہے۔اپنے حسن بیان، لفظیات، رفعت فکر و نگاہ، فنی اجتہاد اور غزل کی نرم و نازک پنکھڑیوں میں ہیرے کے جگر کو کاٹ دینے والی تیز دھار پیدا کرنے والے مظفر حنفی کا کلام سنتے اور پڑھتے ہوئے یہ خیال اکثر سر اٹھانے لگتا ہے کہ مظفر حنفی کی تعلیمی ، تنقیدی اور تخلیقی کامرانیوں اور شہرتوں نے ان کی شاعرانہ عظمتوں کو نقصان پہنچایا ہے لیکن ان کی شاعری کا کوئی بھی باشعور سامع یا قاری یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ مظفر حنفی کی شاعری کا اثر مرور وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جائے گا اور ایک دن وہ

پورے عصری اردو ادب کو اپنے حصار میں لے لے گا۔ یہ اور بات ہے کہ
ابھی شاعر مظفر حنفی کی پرت در پرت جہتوں کی دریافت اور شناخت کا کام
ہونا باقی ہے''۔30

ڈاکٹر خلیق انجم اردو دنیا کا ایک اہم نام ہے۔انہوں نے ان کے مقام و مرتبے کا تعین کرتے ہوئے انہیں جدید شاعروں میں ممتاز بتایا ہے:

''مظفر حنفی جدید شاعروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ادبی
حلقوں میں وہ عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اچھا ادب حوالوں یا لیبل
کی وجہ سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ خود اپنی خوبیوں کی وجہ سے زندہ رہتا ہے اور یہ بات
مظفر حنفی کی شاعری میں موجود ہے۔ شعریت اور واقعیت کا امتزاج ان کے کلام
کو ایک ایسی کیفیت کا حامل بنا دیتا ہے جس کا ذائقہ ہم عصر شاعری سے بالکل
مختلف ہے۔''31

الغرض مظفر حنفی اردو ادب کی دنیا کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔اپنے ادبی کاز سے ادیبوں کے درمیاں مشہور و معروف ہیں تو مشاعروں اور رسائل و جرائد اور اخبارات میں بکثرت چھپنے کی وجہ سے عوام میں بھی۔ بیک وقت وہ نثر و نظم میں یکساں مقبول ہیں۔انہوں نے شاعری کی دنیا میں دو کلیات ''کمان'' اور ''تیزاب میں تیرتے پھول'' قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے دراصل ان دونوں شاعری کے مجموعوں میں گزشتہ جتنے شاعری کے دواوین شائع ہوئے تھے اب ان سب کو یکجا اور اکٹھا کر کے ''کمان'' اور ''تیزاب میں تیرتے پھول'' مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔مزید برآں ان کے لکھنے پڑھنے اور تخلیق سے لگاؤ کے ساتھ ہی شاعری کے لکھنے کا سلسلہ سرعت کے ساتھ ان کی وفات سے چند ماہ قبل تک جاری رہا۔انہوں نے اپنی شاعری کے موضوعاتی اشعار کو بھی حروف تہجی کے اعتبار سے اکٹھا کر کے ایک دیوان بنام ''ہیرے ایک ڈال کے'' ترتیب دے کر منظر عام پر لایا ہے۔ اس مجموعہ میں ان کی کل شاعری اور ان کی غزلوں سے منتخب شدہ ۲۵۰۰ موضوعاتی اشعار ہیں۔''کھیل

کھیل میں‘‘ نامی کتاب میں اشعار کے ذریعے بچوں کے قریب آنے کی کوشش کی ہے ویسے کتاب کا نام ہی بہت کچھ کہہ رہا ہے یعنی کہ کھیل کھیل میں، بچوں کو سکھانے کی عمدہ کوشش کی ہے اور وہ بھی آسان، سادہ اور سہل شاعری میں۔اس کتاب میں وعظ ونصیحت، ملک سے محبت، تعلیم سے لگاؤ، مستقبل کی فکر، ماں باپ کی خدمت کا جذبہ، استاد کا ادب، بڑوں کی عزت اور خوب موج اور مستی کا درس بھی دیا گیا ہے، واضح ہو کہ یہ سبھی بالکل کھیل کے انداز میں۔منجملہ اینکہ پروفیسر مظفر حنفی کی شاعری کی خصوصیات، ان کی شاعری کی انفرادیت وخصوصیت ان کی شاعری میں نظر آتی ہے۔تیز، تند، تیکھا پن اور طنز جیسی خصوصیات ہمیں ان کی شاعری میں آسانی کے ساتھ مل جائیں گی۔انہوں نے الفاظ ومحاورات کا بخوبی استعمال کیا ہے۔دیو مالائی قصے اور نئے تراکیب کا بھی عمدہ خیال رکھا ہے۔اردو شعر وادب میں ان کے مختلف النوع کارنامے ہیں جو مختلف اور الگ الگ جہتوں میں نظر آتے ہیں۔انہوں نے شاعری کی ایک وسیع وعریض دنیا کو آباد کیا اور اس میں انہوں نے طنزیہ غزل، مسلسل غزل، جدید غزل، کلاسیکی غزل اور قدیم غزل، روایتی غزل کے ساتھ ساتھ پابند نظم، آزاد نظم، جدید نظم، معریٰ نظم، رباعیات، قطعات، قصیدہ، مرثیہ، ترانے، گیت، دوہے اور سلام بھی تحریر کیے ہیں۔غزل کے متعلق مشہور تنقید نگار کلیم الدین احمد کے قول کو سرے سے تسلیم نہیں کرتا ہوں۔کلیم الدین احمد نے کہا تھا کہ ’’غزل کی گردن بلا تکلف مار دینی چاہئے‘‘۔مگر جب ہم ان کی غزل خوانی کرتے ہیں اور گہرائی وگیرائی میں کھو جاتے ہیں تو پروفیسر رشید احمد صدیقی جونپوری کی بات بلا شک وشبہ اور بلا چون وچرا ماننے کو دل چاہتا ہے۔ان کا مشہور ومعروف فرمان عالی شان ہے کہ ’’غزل اردو زبان وادب کی آبرو ہے‘‘۔اور یہ اردو زبان وادب کی آبرو ہمیں مظفر حنفی کی غزلوں میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہیں اور بس۔

☆☆☆

حوالے

1۔ گفتگو: دوبدو، مظفر حنفی، ص25، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی2013

2۔ ادب کی تعبیر، خالد محمود، ص۸۹۔۸۸، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی، 1999

3۔ ایضاً، ص۹۰۔۹۱،

4۔ کلیات، کمان، آل احمد سرور، فلیپ پیج

5۔ کلیات، کمان، گوپی چند نارنگ، فلیپ پیج

6۔ پروفیسر فرمان فتحپوری، کلیات، تیزاب میں تیرتے پھول، فلیپ پیج

7۔ پروفیسر عنوان چشتی، چہارسو، کراچی، پاکستان، ص58

8۔ شمس الرحمٰن فاروقی، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص، 19

9۔ گوپی چند نارنگ، مژگاں، کولکاتا، ص142

10۔ ظ۔انصاری، سہ ماہی روشنائی، کراچی، پاکستان، ص202

11۔ ڈاکٹر وزیر آغا، مژگاں، کولکاتا ص145۔146

12۔ پروفیسر سلیم اختر، مژگاں، کولکاتا، ص270

13۔ ایضاً، ص270

14۔ ماجد الباقری، مظفر حنفی فن اور فن کار، مژگاں، ص266۔267

15۔ مخمور سعیدی، مظفر حنفی: ایک مطالعہ، دہلی، ص61

16۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی، مژگاں، کولکاتا، ص261

17۔ محمود ہاشمی، مژگاں، کولکاتا، ص278

18۔ ڈاکٹر انور سدید، مژگاں، کولکاتا، ص285

19۔ عمیق حنفی، مژگاں، کولکاتا، ص279

20۔ پروفیسر شمیم حنفی، سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ) ص33
21۔ مظفر حنفی، ہیرے ایک ڈال کے ص40
22۔ ایضاً، ص60
23۔ ایضاً، ص76
24۔ ایضاً، ص104
25۔ مظفر حنفی، میرا نظریہ تخلیق، مژگاں، کولکاتا، ص19
26۔ محبوب راہی، مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی، عرشیہ پبلی کیشنز دہلی، ص231
27۔ مظفر حنفی، نقد ریزے، عصری ادب اور میری پہچان، ص152
28۔ علقمہ شبلی، مظفر حنفی: فن اور فنکار، مژگاں، کلکتہ، ص183
29۔ ایضاً، ص182
30۔ مظفر حنفی شخصیت اور فن، (فاروق ارگلی) ص97
31۔ ڈاکٹر خلیق انجم، مظفر حنفی: ایک مطالعہ، موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی ، ص288

باب سوم

مظفر حنفی کی نثری خدمات

(الف) افسانہ نگاری

(ب) ڈرامہ نگاری

(ج) سفرنامہ نگاری

(د) مکتوب نگاری

(ہ) تحقیق وتنقید

افسانہ نگاری

افسانہ اس نثری صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی مختصر سی کہانی کو بیان کیا جاتا ہے یعنی ناول میں انسانی زندگی کی مکمل کہانی بیان ہوتی ہے تو افسانے میں زندگی کے کسی ایک پہلو کو بیان کیا جاتا ہے۔ افسانے کی کئی تعریفیں بیان کی گئی ہیں مثلاً 'اصناف ادب اردو' نامی کتاب میں افسانے کی تعریف یوں ہے:

> ''مختصر افسانے کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مختصر افسانہ ایک ایسا نثری قصہ ہے جس کے پڑھنے میں آدھ گھنٹہ تک کا وقت لگے یا یہ کہ مختصر افسانہ کسی شخص کی زندگی کے سب سے اہم اور دلچسپ موقع کو ڈرامائی شکل میں پیش کرنے کا نام ہے۔ ایک عالم نے یہ بھی کہا ہے کہ مختصر افسانہ کسی ایسے واقعہ کا بیان ہے جو سنا نہ گیا ہو لیکن جو کسی کو پیش آیا یا آ سکتا ہو۔ ایک دوسرے ناقد کا کہنا ہے مختصر افسانہ کسی ایک واقعہ کا بیان ہے جس میں ابتداء ہو، درمیان ہو، عروج ہوا ور خاتمہ ہو''۔[1]

افسانہ کی جس طرح مختلف تعریفیں، تشریحیں، تفسیریں اور تعبیریں کی گئی ہیں اسی طرح افسانے کے اجزائے ترکیبی میں بھی اختلاف رہا ہے مگر اکثر و بیشتر ادباء اور ناقدین نے پلاٹ، کردار، نقطۂ نظر، ماحول وفضاء، اسلوب وطرز نگارش، آغاز واختتام اور وحدت تاثر کو افسانے کے اجزائے ترکیبی تسلیم کرتے ہیں۔

مختصر افسانہ کو انگریزی میں شارٹ اسٹوری (Short Story) کہتے ہیں۔ افسانہ وہ مختصر کہانی ہے جسے ایک ہی بیٹھک میں ختم کیا جاسکے یا جس میں کسی ایک خاص واقعہ کی طرف کہانی کار نے قلم چلایا ہو، یا جس کہانی میں کسی خاص پہلو کو سپرد قلم کیا جائے جیسا کہ مذکور ہوا ہے۔ اسی طرح سے افسانے کے اجزائے ترکیبی بھی کئی ہیں انہی میں سے ایک وحدت تاثر بھی ہے۔ اردو افسانے کی

ابتداء اور آغاز وشروعات کے ساتھ ہی ساتھ رفتار اور اس کے ارتقاء پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ افسانے کی شروعات بیسویں صدی کی ابتداء سے ہوئی ہے اور اس کے بنیاد گزاروں میں پریم چند، سلطان حیدر جوش، راشد الخیری اور سجاد حیدر یلدرم جیسے اردو کے بلند پایہ افسانہ نگار شامل ہیں۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو افسانے کی عمر کم و بیش ایک سو سال سے کچھ تجاوز کر چکی ہے۔ اس دوران افسانے کے فن نے ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں۔ داستانوی، کہانی کے انداز سے لے کر تجریدی افسانے تک اردو افسانے کے سفر میں کئی موڑ آئے۔ افسانے کے مسافرین کی ایک طویل فہرست ہے۔ ان میں پریم چند، راشد الخیری، مجنوں گورکھپوری، نیاز فتحپوری، علی عباس حسینی، عظیم بیگ چغتائی، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سجاد ظہیر، رشید جہاں، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، اختر اورینوی اور سہیل عظیم آبادی وغیرہ ہیں۔ ۱۹۵۰ء کے بعد لکھنے والوں میں مظفر حنفی کا نام بھی شامل ہے۔ یہاں ان کے تحریر شدہ افسانوں کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔ ان کے تین افسانوی مجموعے ہیں جسے بعد میں یکجا کر کے ''بھولی بسری کہانیاں'' کے نام سے منظر عام پر لایا جاچکا ہے۔ اس کا ابتدائیہ افسانہ نگار نے خود رقم کیا ہے اور وہ صرف ایک صفحہ پر مشتمل ہے۔ پہلا افسانوی مجموعہ ''اینٹ کا جواب'' ساٹھ کی دہائی میں شائع ہوا۔ اس میں کل ۲۱، افسانے ہیں اور پیش لفظ فراق گورکھپوری نے لکھا ہے۔ دوسرا مجموعہ 'دوغنڈے'' میں شامل افسانوں کی تعداد ۱۲ ہے اور پیش لفظ تعارف کے عنوان سے کرشن چندر نے تحریر کیا ہے۔ تیسرا افسانوی مجموعہ ''دیدۂ حیراں کے نام سے'' جو ستر کی دہائی میں منظر عام پر آیا۔ اس میں ۲۴، افسانے شامل ہیں اور اس کا پیش لفظ کنہیا لعل کپور نے رقم کیا ہے۔ پہلے مجموعے 'اینٹ کا جواب' میں شامل افسانے اس طرح سے ہیں مولانا منے، غبار آلود، دل کے آئینے میں ہے، موڑ، سنگ دل، کہتے ہیں جس کو عشق، ڈائرکٹر بولا کٹ!، ہم شریف ہیں!، بجیا تم کیوں روتی ہو؟، ایمان کی بات، مہمان، اینٹ، دل خانہ، منت کی چادریں، دو ٹکے آدمی، کتے، مس فلاں-مسٹر فلاں، اندر سے چھوٹا! عشق پر زور!، وہ لوگ!، نقش فریادی اور اس پہلے مجموعے کا پیش لفظ فراق گورکھپوری نے رقم کیا ہے۔ پروفیسر مظفر حنفی کے

افسانوں کا پہلا مجموعہ اینٹ کا جواب ہے اور اس کا پیش لفظ پروفیسر فراق گورکھپوری نے رقم کیا تھا۔ اینٹ کے جواب کے دو صفحات کے پیش لفظ میں فراق گورکھپوری نے مظفر حنفی کی شخصیت اور ان کی افسانہ نگاری سے متعلق یوں رقم کیا ہے:

''مظفر حنفی صاحب ہمارے نئے افسانہ نگاروں میں ایک ہونہار ادیب ہیں۔ یہ ان کا پہلا مجموعہ ہے۔ان میں نیا پن ہے۔ان کا انداز دلکش ہے، مکالمے فطری ہیں اور پلاٹ میں جدت ہے۔ پڑھنے والوں کو یہ افسانے کہیں سے گراں نہیں گزریں گے۔ان افسانوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر نوجوان مصنف نے اپنی کوششیں جاری رکھیں تو وہ ترقی کی نئی منزلیں کامیابی سے طے کرتے جائیں گے''۔2

ان کا دوسرا مجموعہ 'دوغنڈے' میں شامل افسانے اس طرح سے ہیں ڈربہ!، بہک!، ستاروں کا کھیل، الماس کا محبوب، دیوی کی قرقی، ملا کی دوڑ، دوغنڈے، ضرب کلیم، تشنگی دل کی، چالیس کا خون، چور کا بھائی، واپسی اور تعارف کے عنوان سے کرشن چندر نے تحریر کیا ہے۔ڈاکٹر مظفر حنفی کے دوسرے افسانوی مجموعے کا نام 'دوغنڈے' ہیں۔اور اس کے پیش لفظ میں کرشن چندر نے مظفر حنفی کی تخلیقی صلاحیتوں کو سراہا ہے۔ان کی افسانہ نگاری کے فن سے واقفیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''مظفر حنفی کو بات کہنے کا ڈھب آتا ہے اور افسانے کی تخلیق کے سارے لوازم معلوم ہیں۔کون سی بات قاری سے کس وقت کہنا ہوگی، کون سی بات چھپا کر رکھنا ہوگی اور صرف آخری سطر میں مٹھی کھول دینا ہوگی۔حالانکہ آج کل کا قاری بہت ہوشیار ہو چلا ہے اکثر اوقات افسانہ ختم ہونے سے پہلے ہی اس کا انجام معلوم کر لیتا ہے مگر مظفر حنفی، مصنف اور قاری کی اس شطرنجی لڑائی میں اکثر و بیشتر اپنے قاری کو مات دے جاتے ہیں''۔3

پروفیسر مظفر حنفی کا تیسرا افسانوی مجموعہ ''دیدۂ حیراں'' ہیں اس میں شامل افسانوں کی ترتیب اس طرح سے ہے بوجھل پردہ، ننگی ذہنیت، نہلے پہ دہلا، محبوب بانہہ کٹا، دل اور دل، مشاہدات ارسطو ثانی (افسانچے) پتلون کی آمد، اسرار خداوندی، گندی چادر، مول گنج کی صبحیں، مرنے دو، دیدۂ حیراں، بھکاری، بجھتے دیے۔ ابھرتے تارے، خدا اور انسان (فنطاسیہ) رات کا گاہک، احسان مند، ٹی۔ اے۔ بل۔، اونچی دوکان، گاندھی میموریل ہاسپٹل، سبز روشنی، اٹھارویں لڑکی، کالا آٹا، طمانچہ (ریڈیائی تمثیل)، کالا چور (ریڈیائی تمثیل) اور اس کا پیش لفظ کنہیا لعل کپور نے رقم کیا ہے۔

کنہیا لعل کپور نے افسانہ نگار اور شاعر مظفر حنفی کو الگ الگ سمجھا تھا اور یہ بھی بتانے کی انہوں نے کوشش کی تھی کہ جیسے جگر دو ہیں اور آزاد تین ویسے ہی مظفر حنفی بھی دو ہو سکتے ہیں مگر ان کو جیسے ہی پتہ چلا کہ افسانہ نگار اور شاعر دونوں ایک ہی ہیں تو ان کی خوشی اور تعجب کی انتہا نہ رہی کنہیا لعل کپور نے اپنے پیش لفظ میں مظفر حنفی کو ایک ذمہ دار افسانہ نگار قرار دیا ہے اور ان کے طنزیہ انداز پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کی فن میں مہارت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ انہوں نے ان کے افسانہ کے موضوع اور کرداروں کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> ''بحیثیت افسانہ نگار مظفر حنفی کو اپنی سماجی ذمہ داری کا بھرپور احساس ہے۔ وہ پرانی قدروں پر نہایت لطیف اور چابکدست انداز میں طنز کرنے کے فن میں مشاق ہے۔ 'ہم شریف ہیں' میں اس نے شرافت کے ہوائی پردے کی دھجیاں اڑائی ہیں اور ''مہک'' میں بے کاری کے مسئلہ پر قلم اٹھانے کے بعد دلچسپ نتیجہ پر پہنچا ہے: 'میں نے محسوس کیا جیسے واقعی اس بے کاری اور مصیبت کا واحد علاج جنگ ہے' صرف جنگ جسے میں اور احمد جیسے لاکھوں بے کار اور بلند حوصلہ نوجوان مل کر لڑیں گے اور پھر میرے اور احمد جیسے گندے انڈے اپنی ماؤں کے لال بن جائیں گے اور ان کے لئے یہ دنیا ہی سچ مچ ایسی جنت بن جائے گی جو ماں کے قدموں میں ہوتی ہے اور پھر کوئی ماں اپنے بیٹے کو نہ کوسے گی۔ بھوک، بیکاری،

افلاس، ظلم اور مصیبت کے خلاف لڑی جانے والی اس جنگ کے بعد پھر امن کا پرچم لہرائے گا۔ اس کے بعد کوئی جنگ نہ ہوگی' مندرجہ بالا اقتباس اس کے اسلوب بیان کی بہت عمدہ مثال ہے''۔4

دیدۂ حیراں نامی افسانوی مجموعہ پر رتن سنگھ اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے افسانے حقیقت سے قریب ہیں اور ان کی کہانیوں میں مسئلے اور مسائل کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے انہوں نے مظفر حنفی کے افسانوں پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان افسانوں میں زندگی کی عکاسی چھوٹے چھوٹے واقعات کے ذریعہ کی گئی ہے۔ ایسے واقعات جو عام طور پر ہماری زندگی میں ہوتے ہیں اور مظفر حنفی نے انہیں لکھا بھی بڑے سیدھے سادھے انداز میں ہے بالکل ایسے، جیسے کوئی اپنی بات کہہ کر آگے بڑھ جائے۔ بیشتر کہانیوں میں افسانہ نگار خود کچھ نہیں کہتا، کردار خود زندہ ہو کر آپ کے سامنے آتے ہیں، یہی ان کہانیوں کی کامیابی کا راز ہے''۔5

مظفر حنفی نے افسانے صرف دس سال لکھے اور اس قلیل مدت میں ان کے تین افسانوی مجموعے منظر عام پر آئے۔ ان افسانوں میں اپنے اطراف واکناف کے واقعات، حالات، سانحات اور حادثات کو پیش کیا گیا ہے وہ اپنے عہد کے بعض اہم مسائل کو بڑی گہرائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے موضوعات اور کرداروں سے متعلق عبدالودود نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''سب سے زیادہ جاندار افسانہ 'ملا کی دوڑ' اور ''تشنگی دل کی'' ہے۔ ملا کی دوڑ ایک ایسے نوجوان کی ذہنی کشمکش کا آئینہ دار ہے جو ماحول کے اثر سے مذہب کی پناہ میں بڑا سکون محسوس کرتا ہے۔ قناعت پسند نوجوان جب پے بہ پے حادثات سے دوچار ہوتا ہے تو وہ قناعت پسندی ترک کر دیتا ہے دعا پر عمل

کوترجیح دیتا ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہوجاتا ہے۔''تشنگی دل کی'' میں ایک بدصورت لڑکی کی ذہنی الجھن پیش کی گئی ہے۔اس صورت کے ساتھ ساتھ سیرت بھی گھناؤنی ہے۔ابتدا میں تو اس سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے لیکن بعد میں جب اس کی خودغرضی کا جذبہ کھل کر سامنے آجاتا ہے تو اس سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے''۔6

پروفیسر مظفر حنفی نے اپنے عہد کے حالات، احوال اور سماجی مسائل پر افسانے رقم کئے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے سماج میں درآئی بعض خرابیوں و برائیوں کی اصلاح کی کوششیں کی ہے۔خصوصاً سماج کو اپنے افسانوں کے ذریعہ آئینہ دکھانے کی سعی کی ہے۔اینٹ کا جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے اکبرالدین صدیقی ماہنامہ سب رس حیدرآباد کے ۱۹۶۸ء کے ایک شمارے میں رقمطراز ہیں:

''انہوں نے اپنی ادبی زندگی افسانہ نگاری سے شروع کی اور ذوق شعر نے شاعر بنادیا۔'اینٹ کا جواب' ان کے اکیس افسانوں کا مجموعہ ہے مگر یہ افسانے عشق و محبت کے نہیں جو محض ذہنی عیش کوشی ہی کا کام دیتے ہیں۔سب ہی افسانے معاشرت کی اصلاح کا خیال پیش نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں اور چونکہ مصنف کی نظر گہری اور مشاہدہ عمیق ہے اس لئے وہ جزئیات کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں کرتے''۔7

پروفیسر مظفر حنفی نے اپنے افسانے ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۶۲ء کے دوران رقم کئے ہیں۔کل ملاکر جب ہم ان کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان کے افسانے فنی اعتبار سے مضبوط ہیں۔ پلاٹ، کردار، مکالمے، منظرنگاری، جذبات نگاری، جزئیات نگاری اور وحدت تاثر کا خیال رکھا گیا ہے۔وہ بلاشبہ ایک اچھے افسانہ نگار تھے۔انہوں نے اپنی زمین سے متعلق تقریباً تمام موضوعات پر کہانیاں قلمبند کی ہیں۔کہانی میں خوبصورت پیرایہء اظہار، عمدہ تراکیب اور دلکش و

دلنشیں اسلوب کا استعمال کیا ہے۔ پروفیسر مظفر حنفی کی باریک بیں اور دوررس نگاہیں سماج کے ہر روشن اور تاریک گوشوں تک پہنچ جاتی ہیں۔مختلف مسائل اور موجودہ دور کے معاشرے کی خامیوں اور مسائل پر کھل کر اظہار خیال کرتے ہیں۔اگر ایک طرف انہوں نے بلند و بالا عمارتوں کے جگمگاتے شبستانوں اور محلوں میں جھانکا ہے تو وہیں دوسری طرف دیہات اور کچے مکان، پھوس کے گھر، چدرا کی کھنکناتی اور اسبسطاس کے مکینوں کا بھی پاس ولحاظ رکھا ہے۔ ہر جگہ سے اپنے دھڑکتے دل اور بے چین و بے سکون دماغ کے لئے مواد لے کر اسے افسانے کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔بطور فن کار سماج کے لئے یہ خوش آئند قدم ہے جسے انہوں نے اچھے سے نبھایا ہے۔انہوں نے علامتی کہانیاں بھی رقم کی ہیں۔ ایک حقیقت پسند افسانہ نگار کی طرح معاشرے اور سماج میں پھیلی ہوئی کمیوں، خامیوں، برائیوں کو جہاں موضوع سخن بنایا ہے وہیں ان کے دکھ درد اور تکالیف کو بھی اپنی کہانیوں میں جگہ دی ہے۔خلاق عالم نے ان کو قوت متخیلہ اور تخلیقی جواہر سے نوازا تھا۔ان کے وسیع مطالعے اور عمیق مشاہدے نے ان کے فن میں مزید چار چاند لگایا ہے، بایں ہمہ وجہ ان کے افسانے حالات کی عکاسی اور سماج کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں مگر ان سب کے باوجود افسانے کی دنیا میں انہیں وہ مقام و مرتبہ نہ ملا جو دیگر افسانہ نویس کے حصے میں آیا اور اس بات کے وہ خود معترف ہیں۔انہوں نے سادہ و سہل اور سلیس زبان میں کئی افسانے رقم کئے ہیں۔افسانہ ''ایمان کی بات'' ان کا ایک اہم افسانہ ہے۔انہوں نے اس کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور اس میں نذیر بابا کا سراپا بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ان کا انداز بیان اتنا اچھوتا اور نرالا ہے کہ وہ قاری کو آگے پڑھنے اور افسانہ کو مکمل پڑھنے کے لئے بے چین و بے قرار کر دیتا ہے۔نذیر بابا کے حلیہ اور صورت جسمیہ کو مظفر حنفی کی زبانی دیکھتے ہیں:

> ''قد چھ فٹ کے قریب، بدن پر گوشت برائے نام ہی رہ گیا تھا۔لیکن اس کے باوجود ہڈیاں کچھ اتنی چوڑی تھیں کہ دیکھنے میں دبلے نہ معلوم ہوتے تھے۔چوڑے چکلے شانوں پر اتنا بڑا سر جو کاندھوں کی تقریباً تمام چوڑائی گھیرتا

تھا۔ جبڑے کافی اٹھے ہوئے جن کے درمیان پھولی پھولی موٹی سی ناک، جس
کے نتھنے دور ہی سے کھلے ہوئے نظر آتے تھے، عجیب کریہہ المنظر سی معلوم ہوتی
تھی۔ ہونٹ کافی موٹے جن میں بالائی، جوانی کے کسی ہنگامہ کی یادگار کے طور پر
کٹا ہوا اور نچلا تقریباً ٹھوڑی تک لٹکا ہوا، سر انڈے کی طرح منڈا ہوا، رہی سہی کسر
دو ٹوٹے ہوئے دانت اور وہ لمبے لمبے کان پوری کرتے تھے جن کی لویں بدن کی
ذرا سی حرکت پر گوشواروں کی طرح لرزنے لگی تھی''۔ 8

نذیر بابا کے حلیہ کے بیان میں نہایت مہارت سے کام لیا ہے۔ انہوں نے جس طرح سے نذیر بابا کا ہیولیٰ اور ان کی صورت جسمیہ کو بیان کیا ہے یہ انہی کا خاصہ ہے۔ نذیر بابا کے حلیہ کو بیان کرتے ہوئے ان میں رستم پہلوان جیسی صفات بیان کی ہیں۔ ان کا لب ولہجہ قنوطی تھا اور یہ ان کی زندگی کا داخلی و خارجی ناہمواریوں کا ردعمل بھی تھا۔ دل گرفتگی کا اظہار ان کے افسانوں میں جا بجا دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے اکثر و بیشتر افسانے انفرادی کیفیات ومحسوسات کا آئینہ دار ہیں۔ ان میں غم کی پرچھائیاں اور زندگی کی کشمکش بھی نظر آتی ہے۔ ان کے افسانوں میں تہذیبی، سماجی، معاشی، اقتصادی، سیاسی، علمی، مذہبی، دینی اور دنیوی مسائل بھی ملتے ہیں۔ وہ زندگی کے مسائل و مصائب پر طنز کرتے ہوئے خوبصورت انداز میں افسانے تحریر کئے ہیں۔ انہوں نے حالات حاضرہ کا گہرائی و گیرائی سے مشاہدہ کیا تھا اور وقت ضرورت اور حالات کے پیش نظر افسانے قلمبند کرتے رہے لیکن ساٹھ کی دہائی کے بعد انہوں نے افسانہ تحریر کرنا بالکل ہی ترک کر دیا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے افسانے اس دور میں لکھے ہیں جو جدیدیت کا دور تھا اور اس وقت تجریدی و علامتی افسانوں کا رواج تھا اور مظفر حنفی سیدھے سادے حقیقت پسند افسانے رقم کرتے تھے جن میں اجتماعی مسائل کی ترجمانی ہو رہی تھی۔ اس کے بعد زندگی کے آخری ایام تک وہ شاعری کی طرف توجہ کئے ہوئے تھے اور شاعری ہی ان کا پسندیدہ میدان بھی تھا۔ سائل نے جب ان سے ان کی افسانہ نگاری کے بارے میں دریافت کیا کہ انہوں نے پہلا افسانہ کب اور کہاں لکھا

اوراس کے لکھنے کی وجہہ کیا رہی۔اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے افسانہ نگاری کوترک کرنے کی وجوہات بھی بتائی ہیں،مثلاً مظفرحنفی نے بتایا:

''جی!ادب اطفال کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری ۱۹۵۲ء میں شروع کی۔قیام کانپور میں تھا۔وہاں پروفیسر کشفی مرحوم کے خاندانی بزرگ دادا میاں کے مزار سے متعلق ایک افسانہ''منت کی چادریں''بیساختہ وجود میں آیا جواس وقت کے برصغیر کے سب سے زیادہ کثیر الاشاعت رسالے''شمع''(دہلی)میں چھپا جس کے مدیر''کھلونا''کے مالک تھے جس میں میں بچوں کے لئے تین چار برس سے لکھ رہا تھااس لئے پہلے افسانے کی اشاعت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ ۱۹۶۰ء تک تقریباًڈیڑھ سوافسانے تخلیق کئے جوہندوپاک کے تقریباً سبھی معیاری رسائل میں شائع ہوئے ان کے تین مجموعے بھی منظرعام پرآئے جن پر توصیفی دیباچے فراقؔ گورکھپوری،کرشن چندراور کنہیالعل کپور نے لکھے تھے۔ ۱۹۶۰ء کے آس پاس جدیدیت کی روچلی اورافسانے میں بھی پلاٹ اورکردار وغیرہ کو درکنار کرتے ہوئے تجریدیت ، علامت پسندی اور رمزیت نے زور پکڑا۔میں ان مطالبات کو غیرفطری سمجھتا تھا اس لئے غزل پر زیادہ توجہ صرف کرنے لگا جہاں رمزیت اورعلامت پسندی سے حسن وخوبی پیدا ہوتی ہے۔رفتہ رفتہ افسانہ نگاری سے بالکل دست بردار ہوگیا۔''9

چوں کہ مظفرحنفی نے ابتداء میں افسانہ نگاری کوہی اپنا میدان سخن بنایا تھااوروہ غزل کبھی کبھار کہہ لیا کرتے تھےلیکن جب ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ جدیدیت کا رجحان بڑھنے لگا اور افسانہ نگار تجریدیت اورعلامت پسندوں کورواج دینے لگےایسے دور میں بھی مظفرحنفی سماجی واصلاحی نوعیت کے افسانےتحریرکررہے تھے۔لوگوں نے ان کےافسانوں کووہ مقام ومرتبہ نہیں دیا جوجدید افسانہ نگاروں کو ملنے لگا تھااس کی وجہ غالباً یہی رہی ہے کہ وہ بہت کم علامتی افسانےتحریر کیے بلکہ اجتماعی مسائل پر

ہی ان کی توجہ صرف ہو رہی تھی۔اس طرح وہ مایوس ہو کر اس صنف سے دور ہوتے چلے گئے اور غزل کی طرف توجہ دینے لگے۔زمانے کی ناقدری کی وجہ سے اگر چیکہ انہیں ادب میں وہ مقام نہ ملا جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے لیکن اس کے باوجود ان کے افسانے افسانوی خوبیوں سے لبریز ہیں۔اسی تعلق سے مظفر حنفی ڈاکٹر راشد عزیز کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

''آپ کا خیال صحیح ہے۔میں نے ابتداء میں افسانے ہی لکھے اور غزلیں منھ کا ذائقہ تبدیل کرنے کے لئے کبھی کبھار کہہ لیتا تھا۔اقبال مجید، ذکی انور، غیاث احمد گدی، کلام حیدری، اقبال فرحت اعجازی بھی میرے ہی ساتھ ادب میں وارد ہوئے تھے۔ہم میں چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی ماندہ افسانہ نگار وہ تھے جو جدید نقادوں کے اس تقاضے کو حق بجانب نہیں سمجھتے تھے کہ افسانے میں بھی تجریدیت، رمزیت اور اشاریت کا اسی طرح استعمال ہو جیسا کہ شاعری میں ہوتا ہے۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ تمام جوزیور ہیں رمزیت کے، اشاریت کے، علامت پسندی کے، یہ شاعری کو زیادہ راس آتے ہیں۔افسانہ تو دراصل بیانیہ اور براہِ راست قسم کی صنف سخن ہے جس میں ان ٹولس (Tools) کے استعمال سے فائدے کے بجائے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔چنانچہ میں نے پٹری بدل لی اور شعر کہنے لگا۔اپنے کئی مضامین میں بھی اس دور میں اس بات کا میں نے ذکر کیا کہ یہ رمزیت اور علامت پسندی کی جو شدت ہے افسانے میں، وہ اسے منھ بند بنا دے گی اور وہی ہوا کہ آگے جا کر سنہ ساٹھ تا اسیّ تک کا افسانہ تقریباً منھ بند ہو گیا۔قارئین سے دور جا پڑا۔کہانی پن اس سے خارج ہو گیا۔میرے تین افسانوی مجموعے شائع ہوئے، لیکن وہ ان ہی خصوصیات کے حامل ہیں جو جدیدیت سے پیشتر رائج تھیں اور آگے جا کر جنہیں معیوب قرار دیا گیا۔چنانچہ ناقدین میں اور مجھ میں جو اختلافات نظر تھا اس کا اثر پڑنا

چاہئے تھا سو مجھے بحیثیت افسانہ نگار کوئی خاص مقام حاصل نہ ہوسکا اور میں اس پر
اصرار بھی نہیں کرتا''۔10؎

غرض مظفر حنفی نے افسانے کی شروعات کی اور ابتدائی ایک دو سال میں ہی ۱۵۰ سے زائد افسانے تحریر بھی کیے اور لگا تار ان کے تین مجموعے بھی منظر عام پر آئے اور چند سال قبل ان تمام کو یکجا کر کے ایک مجموعہ ''بھولی بسری کہانیاں'' کے نام سے شائع بھی ہوئیں مگر جدیدیت کی مسموم فضا اور ناقدین کے رویے اور جانبداری کی وجہ سے ذہن اور دل و دماغ پر جو چوٹ لگی تھی وہ گہرا ہوتا گیا اور آئے دن دل کا یہ زخم ہرا ہوتا ہی گیا اسی لئے افسانہ کی طرف سے کلیہ طور پر منھ موڑ لیا اور چکھنے کے لئے بھی یعنی کہ ذائقہ تبدیل کرنے کے لئے بھی افسانہ تحریر نہ کیا۔انہوں نے کئی مواقع پر اپنی اس بات کو مدلل کرنے کے لئے کہا بھی ہے کہ جدیدیت میں شاعری خاص طور سے غزل کے لئے مواقع زیادہ ہیں اور افسانے اور ناول کے لئے کم اور اس بات کا تذکرہ انہوں نے اپنے کئی مضامین میں اور انٹرویو کے دوران بھی کہا ہے انہوں نے جہات و جستجو نامی اپنی تحقیقی وتنقیدی کتاب کے مضمون میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ چوں کہ افسانے اور کہانیاں بیانیہ ہوتے ہیں اور تفصیل طلب بھی ساتھ ہی ساتھ اس میں بات کو صاف صاف اور واضح کر کے لکھا جاتا ہے تا کہ سامعین، قارئین اور عوام وخواص اس سے یکساں مستفید و مستنیر ہوسکے اور اسی طرح شاعری میں الفاظ کم ہوتے ہیں اور مختصر الفاظ میں زیادہ باتیں کی جاتی ہیں اور اس میں استعارہ، کنایہ، اشارہ، تشبیہ اور اشاروں اشاروں میں بات کہنے کا ہنر خوب سے خوب تر ہونا چاہئے تا کہ شاعری میں ان کی ذہانت و فطانت اور کم الفاظ میں زیادہ بات کہنے کا ہنر آسکے۔یہی وجہ ہے کہ ان کا ذہن اس کی طرف سے پھر گیا اور اسی وقت سے شاعری کی طرف ذہن متوجہ ہوا اور خاص طور سے غزل کی طرف ذہن مائل ہوا اور کلیہ طور پر شاعری اور غزل کی دنیا کے ہو کر ہی رہ گئے۔مظفر حنفی کی افسانہ نگاری سے متعلق پروفیسر صغیر افراہیم لکھتے ہیں:

''سارا لہو گلاب کے چہرے پہ مل دینے' والے فنکار کے افسانوں میں سیدھا
سادہ بیانیہ انداز بھی ہے اور پیچیدہ مسائل ونفسیاتی کشمکش کے اظہار کے لئے

علامتوں کا استعمال بھی۔ پلاٹ کی بنت بھی اور کردار نگاری کی مرکزیت بھی۔ معنی خیز اشارے بھی اور درمیانی کڑیوں کو ملانے کا سلسلہ بھی۔ بہرحال دو دہائیوں تک اپنے قرب و جوار کے دیہی اور شہری اطراف کے شاخسانوں، حسن و قبح اور احتجاجی منظروں سے افسانوں کے تانے بانے بننے والے مظفر حنفی نے نہ جانے کیوں اپنی تخلیقی بصیرت کے اظہار کے لئے صنف افسانہ نگاری سے چشم پوشی اختیار کر لی۔ اسباب کچھ بھی ہوں ''اینٹ کا جواب'' ''دوغنڈے'' اور ''دیدۂ حیراں'' کے افسانوں کی قرات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشق جاری رہتی تو پروفیسر مظفر حنفی آج کے معتبر اور مستند افسانہ نگار ہوتے''۔11

پہلا مجموعہ اینٹ کا جواب ہے اس کے پیش لفظ میں فراق گورکھپوری نے بڑی عمدہ بات کہی ہے۔ وہ افسانہ کو زندگی کے قریب مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندگی کی اصلاح اور انسانوں کی ترقی میں افسانہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وہ پیش لفظ کے ابتداء میں اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''مظفر حنفی کے یہ افسانے اردو کے کئی اچھے رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان افسانوں کو ہزار ہا شائقین ادب کی مقبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ مطالعہ زندگی میں جیسی اور جتنی مدد افسانوی ادب سے ملتی ہے اتنی مدد اور اس قسم کی مدد دوسری اصناف سخن سے نہیں ملتی۔ اگر کافی تعداد میں اچھے افسانے ہمارے ہزار ہا ہم وطن پڑھیں اور پڑھتے رہیں تو ہمارے معاشرے اور ہماری زندگی کے مصائب اور ان کی پیچیدگی کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ ایسا مطالعہ حقیقی تعلیم ہے اور یہ قومی ذہنیت کی تخلیق اور تعمیر میں غیر معمولی طور پر کار آمد ثابت ہوگا''۔12

دوغنڈے افسانوی مجموعہ میں مظفر حنفی کا دوسرا مجموعہ ہے اور اس کا پیش لفظ مشہور و معروف افسانہ نویس کرشن چندر نے رقم کیا ہے۔ مظفر حنفی کے افسانوں میں انہوں نے کیا پایا اور ان کے

افسانوں میں کس طرح کی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور کیا اس کے افسانے فن افسانہ نگاری پر کھرے اترتے ہیں اس کی ایک جھلک کرشن چندر کے قلم سے:

''ان افسانوں میں ظلم کوئی حادثہ نہیں ہے، روزمرہ کی حقیقت ہے۔ مصنف اس ظلم پر خود چونکتا ہے نہ پڑھنے والے کو چونکاتا ہے۔ ظلم، افلاس، بیکاری، ناامیدی، قحط سالی، دھوکا، فریب، جعل سازی جیسے موجودہ زندگی کے شب و روز ہوں۔ ان کا وجود اتنا ہی ناگزیر ہے جتنا ماہ و سال کا چکر۔ مصنف کہیں پر احتجاج کرتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ یہی اس کی فنکاری کی دلیل ہے کہ احتجاج نہ کرتے ہوئے بھی پورا افسانہ بولتا ہوا معلوم ہوتا ہے، اسی احتجاج کی داستان، جس کا سارے فسانے میں ذکر نہیں۔ بات کہنے کا یہ بھی ایک انداز ہے اور بہت مشکل ہے یعنی یوں کہ ہونٹ سی لئے جائیں اور آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکے لیکن افسانے کے آخر میں قاری دل مسوس کر رہ جائے۔ ایک اداس کیفیت محسوس کرنے کے بعد تشنگی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کچھ اور کہا ہوتا۔ زیادہ کھل کے کہا ہوتا۔ مگر اسی تشنگی پر ہے افسانے کا مدار۔ سیری نہ ہو تو دوسرے مجموعے کا بھی انتظار ہوگا''۔13؎

مظفر حنفی کے افسانوں کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے سیدھی سادی زندگی کے مسائل کو پیش کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار بھی سیدھے سادے عام انسان ہیں ان کی کردار نگاری اور انداز بیان پر مختلف ناقدین نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اسی تعلق سے رشید امجد تحریر کرتے ہیں:

''مظفر حنفی نے ان افسانوں کے توسط سے زندگی کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور جس سیدھے سادھے انداز میں زندگی کو دیکھا ہے اسی طرح بیان کر دیا ہے۔ ان کے کردار زبان و بیان کی الجھنوں میں پڑنے کے بجائے راست عمل پر گامزن نظر آتے ہیں۔ یہ کردار ایک عام انسان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے غیر معمولی بنا کر پیش نہیں کیا ہے۔ مظفر حنفی کے افسانوں میں

ساری باتیں وضاحت سے بیان ہوئی ہیں۔اس سے ایک فائدہ یہ ضرور ہوا ہے
کہ قاری چیزوں کو بہ آسانی سمجھ لیتا ہے اور ابہام کا خدشہ نہیں رہتا''۔14؎

مظفر حنفی کے افسانوں کا اسلوب عام فہم ہے انہوں نے سیدھے سادے اور عام انسانوں کی زندگی کو موضوع بنایا ہے اس لیے زبان و بیان بھی سیدھی سادی استعمال کی ہے۔محاورے، کہاوتیں، ضرب الامثال عام زندگی سے اخذ کیا ہے۔طنز و مزاح کا لطف بھی ان کے افسانوں میں بخوبی ملتا ہے۔غلام مرتضیٰ راہی نے ان کے افسانوں میں فنی خوبیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے اسلوب میں طنز و مزاح کے بارے میں یوں لکھا ہے:

''ان افسانوں میں کردار نگاری، منظر نگاری، ندرت بیان، جدت خیال و دیگر
اوصاف ادب بدرجہ اتم موجود ہیں۔مظفر حنفی طبیعت مزاح اور جنسیات کی طرف
بھی مائل ہیں۔زندگی کے ان پہلوؤں پر بھی ان کی نظر بہت گہری ہے۔ان کا
مزاح بیک وقت مزاح بھی ہے اور طنز بھی۔۔۔اور سامان تفریح بھی ہے اور لمحہ
فکریہ بھی۔۔۔''۔15؎

پروفیسر مظفر حنفی کے اسلوب میں گہرا طنز ملتا ہے وہ ضمیر فروش، دھوکہ باز، جعلساز، غیر مہذب، بداخلاق اور ناعاقبت اندیش افراد و معاشرہ پر سخت لب و لہجہ اختیار کرنے اور طعنہ زنی کرنے سے بھی باز نہیں آتے ہیں۔وہ معاشرہ کی کمیوں و خامیوں پر گہری گرفت کرتے ہیں۔ حالاں کہ لہجہ کی سختی کی وجہ سے ان کے انداز میں تلخی آجاتی ہے۔یہ معاشرہ سے جذباتی لگاؤ اور ان کے اصلاح کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔اسی لئے ان کی تلخ باتیں بھی معاشرہ پر صحت مند اثرات ہی مرتب کرتی ہیں۔ضرب الامثال، محاورے اور کہاوتوں کا برمحل استعمال کر کے اس میں اور تیزی پیدا کر دیتے ہیں۔اس کے لئے ان کے کئی افسانے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں مثال کے طور پر مولانا منے، منت کی چادریں، ہم شریف ہیں اور وہ لوگ، افسانے کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی زبان دانی، شستہ بیانی اور فن افسانہ پر پکڑ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ان سب کے علاوہ اور بھی کئی

افسانے ہیں جن میں سماجی و عائلی اور خاندانی وعوامی مسائل پر گہرا نشتر چلایا ہے۔ان کا ایک مشہور افسانہ ''منت کی چادریں'' ہیں اس افسانہ میں انہوں نے ایک جیب کترے کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ ''بہترین سوٹ والے بابو کی جیب کتر کر اس نے جو منی بیگ حاصل کیا تھا اس میں بہت سی نوکری کی درخواستوں کے ساتھ صرف ایک کھوٹی چونی نکلی تھی''۔اسی طرح افسانہ کتے سے مثال دے سکتے ہیں جو انہوں نے پان والے کی زبان سے کہلوایا تھا'میں نے ایسے ایسے بزرگوں، پنڈتوں اور مولویوں کو اندر (طوائف خانہ) میں جاتے دیکھا ہے جن میں ساری عمر انسانیت کے تحفظ میں گذری ہے ...مولانا صاحب طوائف کے کوٹھے سے الٹے پاؤں واپس آتے ہوئے بڑبڑاتے ہیں' آج کمبخت میرا لڑکا بھی حاضر ہے۔گذشتہ شب برادر اصغر موجود تھا،اب صبح سمجھوں گا دونوں سے ۔آوارہ ہوتے جارہے ہیں،حرامزادے''۔اس طرح سے حقیقت کی نشاندہی اور اصلاح کی طرف ان کے افسانے موو کرتے ہیں اور ایک عمدہ فنکار با صلاحیت افسانہ نگار اور شاندار ادیب کی یہی خوبی ہوتی ہے۔ضیاء حسنی نے مظفر حنفی کی افسانہ نگاری پر ایک مختصر سا مضمون لکھا ہے۔انہوں نے ان کے زبان و بیان اور اسلوب پر اپنی رائے دیتے ہوئے ان کے اسلوب کی ستائش کی ہے مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''مظفر حنفی نے سیدھی سادی لیکن دلکش زبان میں اپنے ماحول اور گردوپیش میں پھیلی ہوئی زندگی کی داستانیں لکھی ہیں۔ وہ چاہتے تو رنگینی بیان اور مقفیٰ عبارات سے اپنی کہانیوں کو سجا دیتے۔لیکن انہوں نے مقصد کو پس پشت ڈال کر کہانیوں کو رنگین اور دلآویز نہیں بنانا چاہا۔انہوں نے جگہ جگہ اشعار بھی چسپاں نہیں کئے۔ وہ افسانہ نگار جو اپنی بات کی وضاحت نثر میں بخوبی نہیں کر سکتے اشعار کو وسیلہ بناتے ہیں۔یہ ایک طرح کی کمزوری ہے جو حنفی کی کہانیوں میں دکھائی نہیں دیتی''۔16

مظفر حنفی کے افسانے موضوع کے اعتبار سے اپنے اردگرد سے بحث کرتے ہیں۔متوسط اور درمیانی طبقہ کی سیاسی، سماجی، تہذیبی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، تدریسی، اقتصادی مسائل کو اپنے افسانے میں جگہ دیتے ہیں۔اس لئے ان کے افسانوں میں موضوعاتی تنوع دکھائی دیتا ہے۔ان کے تینوں افسانوی مجموعے اینٹ کا جواب، دوغنڈے، دیدۂ حیراں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان کے افسانوں میں معاشرے کی نااہلی، افراد کی نفسیاتی کشمکش، خودستائی، خودنمائی کی قبیح و بری عادت، قدامت پرستی پر کھلا طنز، نمائش پسندی پر چوٹ، ریاکاری پر کاری ضرب، بے روح مذہبیت پر طنز، خود غرضانہ رویے پر تبصرہ، شہری زندگی میں تصنع اور بناوٹی طرز پر گفتگو، سرمایادارانہ نظام پر اظہار خیال، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور سیاسی مکروفریب، منافقت، مخالفت، دشمنی، توہم پرستی، الغرض مختلف قومی وملی، معاشی و معاشرتی اور سماجی وسیاسی اصلاح کے لئے مختلف موضوعات پر کئی عمدہ افسانے تحریر کئے ہیں۔جس کی وجہ سے انہیں افسانہ نگاری کی دنیا میں ایک اہم افسانہ نگار کہہ سکتے ہیں۔

ان کے افسانوں میں کرادر نگاری کمال کی ہے ان کے کرداروں میں زندگی کی حرارت موجود ہے وہ ایسے کردار تخلیق کرتے ہیں جو جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوں میں ایک دلچسپ کردار نذیر بابا کا کرادر ہے جو افسانہ ''ایمان کی بات'' کا مرکزی کردار ہے جس سے قاری متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا:

> ''چنانچہ یہ تھے نذیر بابا جو بچپن میں ہمارے لئے کسی ہوا سے کم نہ تھے۔مجھے یاد ہے کہ اس وقت ہسوہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کے بچوں کے دل پر نذیر بابا کی ہیبت کا سکہ نہ بیٹھا ہو۔ہم لوگ گولیاں کھیل رہے ہوتے اور اچانک نذیر بابا کہیں سے الہ دین کے طلسماتی دیو کی طرح برآمد ہوتے ''کیوں بچو! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' کہہ کر کچھ ایسے خوفناک انداز میں قدم رکھتے ہوئے ہماری طرف بڑھتے کہ ہم لوگ سٹی پٹی بھول جاتے اور گولیاں وغیرہ چھوڑ چھاڑ کر اپنی جان لے کر بھاگتے''۔ 17؎

پروفیسر مظفر حنفی کے افسانوں میں منظر نگاری اور مشاہدہ نویسی کی مثالیں خوب ملیں گی ۔ مولا منے افسانہ سے منظر نگاری کی ایک مثال ملاحظہ کریں:

''صبح جب مولا نا منے بچوں کو قرآن پڑھاتے تھے اور شام کو جب وہ اپنا کھانا پکا رہے ہوتے تو پنگھٹ پر وہ رونق رہتی کہ خدا کی پناہ ۔ گاؤں بھر کا حسن پانی بھرنے مولا نا منے کے مکان کے سامنے آ جمع ہوتا ۔ ایک سے ایک حسین دوشیزہ گاگر لیے جھومتی مٹکتی کنویں پر آتی اور پانی بھر کر لچکتی ہوئی چلی جاتی ۔ ان اوقات میں ہم ہزار کوشش کرتے کہ مولا نا منے کے مکان میں بیٹھنا ہی ''ٹیڑھی کھیر'' تھی ۔ وہ کسی طرح ہماری دال ہی نہ گلنے دیتے تھے جس وقت وہ قرآن شریف پڑھاتے ہوتے تب ہمارا بیٹھنا یوں دوبھر ہو جاتا کہ وہ بار بار اعتراض کرتے'' ۔18

افسانہ ''دل کے آئینے میں ہے ۔ ۔ ۔ !'' میں انہوں نے شکور کے لڑکے کا حلیہ کچھ یوں کھینچا ہے اسی سے مظفر حنفی کی حلیہ نگاری پر گرفت کو سمجھنے میں مدد ملے گی:

''کہاں ہے لے آؤ، دیکھوں ۔ میں نے اس سے کہا ۔ وہ کمرے میں جا کر ایک پانچ سالہ بچے کو لے آئی ۔ بچہ واقعی بہت حسین تھا ۔ بھولا بھالا ۔ بھولے پھولے سرخ گال، چھوٹا سا منہ، پتلے پتلے لال ہونٹ، گھنگھریالے سنہرے بال جو اس وقت الجھے ہوئے تھے ۔ کشادہ پیشانی ۔ کپڑے گرد میں اٹے ہوئے تھے ۔ میں نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھا اور ایک کرسی پر مناسب انداز میں بٹھا کر تصویر لینا چاہتا تھا کہ میرا ہاتھ پکڑ لیا گیا'' ۔19

مظفر حنفی کے افسانہ ''کہتے ہیں جس کو عشق!'' سے اسلوب کی مثال سے دیکھتے ہیں:

''ساگون کے درختوں سے لدی پھندی، نیلی اور سبز پہاڑیوں سے گھری ہوئی حسین وادی میں حد نگاہ تک گیہوں کے لہلہاتے ہوئے کھیت اور دودھیا دانوں

سے لدی ہوئی جھومتی سنہری بالیں اور سامنے گہرا سرخ آفتاب ایک پہاڑی کی پشت پر غروب ہو رہا تھا۔ فضا میں ہر طرف قوس وقزح کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ سامنے کنوئیں پر گاؤں کی لجیلی دوشیزائیں پانی بھرتی نظر آتی تھیں۔ گاؤں میں میٹھے پانی کا وہی ایک کنواں تھا اس لیے مجبوراً پینے کا پانی بھرنے کے لیے بھی گاؤں سے چند فرلانگ باہر کھیتوں کے درمیان واقع اس کنوئیں تک آنا پڑتا تھا''۔20؎

ڈاکٹر مظفر حنفی کے افسانوں میں ہمیں محاوروں کا استعمال کثرت سے دیکھنے کو ملتا ہے کچھ افسانے کے نام بھی محاورہ پر ہیں جیسے ملا کی دوڑ، نہلے پہ دہلا، دو ٹکے کا آدمی، اورانہوں نے اپنے افسانوں میں بہت سارے ضرب الامثال اور کہاوتیں بھی استعمال کی ہیں جیسے چھپے رستم، سرد مہری، قدرت کا کرشمہ، نظروں سے چار ہونا، ہونی ہوکر رہتی ہے، مشک چھپائے نہیں چھپتے، ٹائیں ٹائیں فش، سانپ نکل چکا تو لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ، زخم کریدا ہے تو ٹیس بھی دیکھو وغیرہ۔

جب ہم مظفر حنفی کے افسانوں کا عمیق اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے افسانے فنی اعتبار سے مضبوط ہیں اور پلاٹ، کردار، مکالمے، منظر نگاری، جذبات نگاری، اسلوب نگاری، جزئیات نگاری اور وحدت تاثر بھی بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں، گویا ان کے افسانے فنی اعتبار سے گتھے ہوئے ہیں اور فن افسانہ کے معیار پر کھرے اترتے ہیں نیز اس بات کو مدلل کرنے کے لئے فراق گورکھپوری، کرشن چندر اور رام لعل کی تحریریں ہی سند واعتبار کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں زبان و بیان کا حسن بھی دکھائی دیتا ہے۔ سیدھے سادے جملوں میں زندگی کے مختلف رنگ بیان کئے گئے ہیں ساتھ ہی منظر نگاری کا بہترین نقشہ بھی ہے اور اسلوب میں طنز ومزاح کا حسن بھی دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانے کے فن کو بخوبی نبھانے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ غرض ان کے افسانوں کے مطالعہ کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بلاشبہ ایک ذہین وفطین اور اچھے افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے اپنی زمین سے متعلق تقریباً تقریباً تمام موضوعات پر کہانیاں قلمبند

کی ہیں۔مظفر حنفی نے اپنے اطراف واکناف کے مسائل کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے جہاں انہوں نے بلند و بالا عمارتوں کے جگمگاتے شبستانوں اور محلوں میں جھانکا ہے تو وہیں دوسری طرف دیہات اور کچے مکان، پھوس کے گھر، چدرا کی کھنکناتی اور اسبسطاس کے مکین کا بھی جائزہ لیا ہے۔سماج کے ہر طبقے سے متعلق اپنے افسانوں کے لئے مواد لیا ہے اور اسے افسانے کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔جدیدیت کے عہد میں لکھنے کے باوصف انہوں نے چند علامتی افسانے بھی لکھے ہیں لیکن ان کے زیادہ تر افسانے اپنے عہد و معاشرے کے مسائل اور حالات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ پلاٹ، کردار، مکالمے اور اسلوب بیان کے اعتبار سے بھی ان کے افسانے کامیاب نظر آتے ہیں ان سب کے باوجود بھی افسانے کی دنیا میں انہیں وہ مقام نہ ملا جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

(ب) ڈرامہ نگاری

ڈرامہ نگاری

مظفر حنفی نے بچوں کے لئے جو کتابیں رقم کی ہیں۔ اس میں ایک نظموں اور دوسری کہانیوں پر مشتمل ہے۔ کہانیوں پر مشتمل مجموعہ کا نام ''حلوہ چور'' ہے اور اسی کتاب میں ان کی پندرہ کہانیاں موجود ہیں۔ واضح ہو کہ ان پندرہ کہانیوں کی فہرست میں دو ڈرامہ بھی ہے۔ ایک کا نام ہے ''تاج کی درگت'' اور دوسرے ڈرامہ کا عنوان ''مچھلی کا شکار'' ہے۔ ''مچھلی کا شکار'' صرف ایک ورق پر مشتمل ہے۔ پروفیسر مظفر حنفی نے صرف دو ڈرامے لکھے ہیں۔ ڈراما کی تعریف بیان کرتی ہوئی ڈاکٹر شمیم النساء لکھتی ہیں:

> ''ڈراما محض مکالمے میں لکھی تحریر کا نام ہے نہ واقعات و کردار کا مجموعہ، نہ ہی تفریح کا ذریعہ ہے نہ فلسفہ۔ یہ کہیں تزکیہ نفس ہے۔ کہیں تخیل کی بلندی، تو کہیں کشش کا ذریعہ، اس کے اجزاء میں پلاٹ، کردار، مکالمہ اور زبان شامل ہیں۔ کہیں رنگ و صوت، آہنگ، روشنی، سایہ اور خاموشی بھی اس کے عناصر ہیں۔ لہذا اس کی تعریف اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے''۔21

اس کے اگلے ہی صفحہ پر مصنفہ ڈراما کی مزید وضاحت کرتی ہوئی نظر آئی ہیں:

> ''ڈراما کسی قصہ یا واقعہ کو اداکاروں کے ذریعہ تماشائیوں کے سامنے پیش کرنے کا نام ہے جس سے وہ لطف اندوز ہوسکیں۔ دراصل ڈراما ناول یا افسانے کی طرح صرف تحریری ادب کا نام نہیں ہے جو لکھے اور پڑھے جانے تک محدود ہو۔ بلکہ اس کا رشتہ اسٹیج سے ہے لیکن یہ ممکن اسی وقت ہوتا ہے جب اسے اداکاروں کے ذریعہ اسٹیج پر پیش کیا جائے''۔22

ذکر کردہ کتاب میں سنسکرت میں موجود ڈراما کی تعریف بھی پیش کی گئی ہے:

> ''سنسکرت ڈرامے میں فن کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ ایک ایسی نظم ہے جسے دیکھا اور سنا جاسکے''23

ڈرامہ کے فن پر رائے دیتے ہوئے سید وقار عظیم نے اپنی کتاب ''اردو ڈراما فن اور منزلیں'' میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ڈرامہ میں اسٹیج کی اہمیت ہوتی ہے اور یہ فن اسٹیج اداکاری کے ذریعے دکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ ڈرامہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''لفظ ڈراما کی اصل یونانی ہے اور اس زبان میں اس کے معنیٰ ہیں کر کے دکھانا۔ گویا یونانیوں کے نزدیک ڈرامے کا سب سے بڑا امتیاز اور اس کا بنیادی عنصر اس کی یہی خصوصیت ہے کہ جو کچھ لکھا جائے اسے کر کے دکھایا جائے''۔24

الغرض ڈراما کی تعریف یہ ہوئی کہ ایسی تحریر جسے سامعین اور ناظرین کے سامنے حرکت و عمل کے ذریعہ پیش کیا جا سکے اور اس کے اجزائے ترکیبی میں قصہ، پلاٹ، کردار، مکالمہ، تجسس، کشمکش، تصادم، زماں و مکاں وغیرہ ہیں۔ مظفر حنفی کا پہلا ڈرامہ ''تاج کی درگت'' ہے یہ صفحہ ۱۱ سے ۱۴ تک محیط ہے اس کے کرداروں کے نام یہ ہیں لڑکے، لڑکی، بادشاہ، نجومی، سنتری، مصاحب، خادم، اجنبی، اور دیگر کردار۔ اس میں کل تین سین ہیں اور پہلا سین میں شام کا وقت دکھایا گیا ہے۔ اس میں بادشاہ کی حالت اور ان کی زندگی میں رونما ہونے والے بھیانک تصورات کو پیش کیا گیا ہے اور پھر اس کے تدارک کی کہانی بھی بیان کی گئی ہے اور اس طرح سے بادشاہ نجومیوں کی مدد سے واہمہ اور بلا سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح سے ''مچھلی کا شکار'' پروفیسر مظفر حنفی کا دوسرا ڈراما ہے جو کہ ''حلوہ چور'' نامی کتاب کے صفحہ ۵۱ سے ۵۲ پر محیط ہے۔ اس میں کام کرنے والے اس طرح ہیں اشفاق: ایک شوخ لڑکے کا کردار ادا کر رہا ہے، آفاق: اشفاق کا چھوٹا بھائی، شمیم: اشفاق کی چھوٹی بہن، امی جان، ابا جان، مچھلی والا۔ اس میں دو سین ہیں پہلا دوپہر بارہ بجے اور دوسرا اسی روز شام کا وقت۔ مچھلی کا شکار نامی ڈرامہ میں ایک گھر میں کھانے پینے کے طریقہ کے ساتھ ہی ساتھ اشفاق اور آفاق کی نوٹنکی اور شوخی کو بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ یہ دونوں بھائی اپنے والدین اور گھر کے دیگر افراد سے بولتے ہیں کہ ہم دونوں بھائیوں نے تالاب سے شکار کر کے مچھلی لائی ہے۔ مچھلی کو بہترین انداز سے گھر میں پکایا جاتا ہے اور آفاق اور اشفاق کے گھر کے سبھی لوگ مزے لے لے کر کھاتے ہیں۔ پھر

شام میں اچانک مچھلی والا پیسے کے تقاضہ کے لئے آجاتا ہے اور اس طرح سے ان دونوں بھائیوں کی پول کھل جاتی ہے اور یہیں پر سین ختم ہوتا ہے، پردہ گرتا ہے اور ڈراما مکمل ہوجاتا ہے۔ یہی ''مچھلی کا شکار'' نامی اس ڈرامہ میں پیش کی جانے والی کہانی اور باتیں ہیں۔ ان دونوں ڈراموں میں کرداروں کے اوصاف کے ذریعہ یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کو اچھے اعمال کرنا چاہیے اور برے اعمال سے دور رہنا چاہیے۔ پہلے ڈرامے میں توہم پرستی جیسی انسانی خامی کی طراف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہیے اور توہم پرستی سے بچنا چاہیے اور دوسرے ڈرامے میں آفاق اور اشفاق کے جھوٹ بولنے کی عادت کے ذریعے اس کے برے نتائج بھی دکھائے گئے ہیں۔ ایسی محفلوں سے انسان کو بچنا چاہیے چوں کہ یہ ڈرامے بچوں کی تدریس کے غرض سے لکھے گئے ہیں اس لیے مظفر حنفی نے سیدھے سادے عام زندگی کے مسائل کے ذریعے بچوں کو اچھے اور برے کی تمیز کرانے کی کوشش کی ہے ان کے کردار بھی جاندار اور متحرک ہیں جن میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائی بھی اور اس طرح ان کرداروں کے اخلاقی اقدار کو دکھا کر بچوں میں اس سے بچنے کا گر سکھایا ہے۔ مظفر حنفی کا ایک ڈرامہ ''بجیا تم کیوں روتی ہو!'' کلکتہ میں اسٹیج پر پیش کیا گیا تھا۔ 'بجیا تم کیوں روتی ہو!' سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''یقین رکھو وہ جب نکاح خوانی کے وقت لوگ میری منظوری لینے آئیں گے تو میں صرف سر ہلا کر نہیں کہہ دینے پر اکتفا کروں گی بلکہ سب کے سامنے صاف صاف کہہ دوں گی کہ لوگو مجھے اس دمہ کے مریض، ساٹھ سالہ لکھ پتی سے شادی منظور نہیں، جس کے ساتھ میری سوتیلی ماں مجھے مارنا چاہتی ہے۔
>
> ہنسو بجیا! ہنسو! ہائے اللہ! بجیا تو اب بھی رو رہی ہیں!!''

غرض مظفر حنفی نے سماجی برائیوں کو موضوع بناتے ہوئے عام انسانی خصلت کو پیش کیا ہے اور سیدھے سادے سہل مکالموں کے ذریعے ان کی نفسیاتی کیفیات کو اجاگر کیا ہے اور بچوں کو اخلاقی درس دینے کی کوشش کی ہے۔

(ج) سفرنامہ نگاری

سفرنامہ نگاری

مظفر حنفی نے سفرنامے بھی تحریر کیے ہیں۔سفرنامہ میں مصنف جو کہ مسافر ہوتا ہے خود اپنے بارے میں اور اپنے سفر کے تجربات و مشاہدات کے بارے میں تفصیلات رقم کرتا ہے۔سفرناموں کے ذریعہ ہم کسی بھی ملک جگہ اور علاقے کے تاریخی، جغرافیائی، تہذیبی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کو جان سکتے ہیں اور بہت سی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔سفرناموں سے کسی ملک کے ملکی اور انتظامی امور کے ساتھ ساتھ وہاں کے باشندوں کے طرز رہائش و زیبائش، طرز فکر، رہن سہن کا طور طریقہ اور زبان و علوم سے متعلق جانکاری ملتی ہے۔غرض سفرناموں میں نہ صرف مصنف کے بارے میں بلکہ دیگر شخصیات کی تصویر کشی کے علاوہ اس سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔یوسف جمال انصاری سفرنامے سے متعلق لکھتے ہیں:

> ''ان میں (سفرنامہ) دوسروں کے حالات بھی ہوتے ہیں اور اپنے تجربات بھی۔ان میں مشہور مقامات اور مشہور شخصیات کی تصویر کشی بھی ہوتی ہے۔اس طرح جگ بیتی اور آپ بیتی کا سنگم ملتا ہے تو سفرناموں میں''۔25

مختلف زبانوں جیسے عربی ادب، انگریزی ادب، فارسی زبان و ادب کے ساتھ ہی ساتھ ہی ہندی زبان میں بھی سفرنامے تحریر کیے گئے ہیں اسی طرح سے اردو زبان و ادب میں بھی۔اردو زبان میں تحریر شدہ سفرنامے اور ان کے محررین کی ایک مختصر فہرست پیش کر رہے ہیں۔اردو زبان میں بھی کئی سفرنامے قلمبند کیے گئے ہیں مگر ان میں سے چند مشہور سفرنامے یہ ہیں مثلاً خواجہ حسن نظامی کا سفرنامہ ''سفرنامہ مصر و فلسطین''، قاضی عبدالغفار کا ''نقش فرنگ'' مولانا شبلی نعمانی کا ''سفرنامہ روم و مصر و شام'' سرسید کا ''مسافران لندن'' قدرت اللہ شہاب کا ''اے بنی اسرائیل'' احتشام حسین کا ''ساحل اور سمندر'' عبادت بریلوی کا ''ارض و پاک سے دیار فرنگ تک'' آغا حیدر حسن کا ''حیدرآباد سے نرمل'' اور مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے ''نکلے تیری تلاش میں'' اور ''اندلس میں اجنبی'' وغیرہ قابل ذکر

سفرنامے ہیں۔ پروفیسر مظفر حنفی نے برطانیہ کا سفرنامہ قلمبند کیا ہے۔ ''چل چنبیلی باغ میں'' کے عنوان سے قلم بند کیا یہ ایک خوبصورت سفرنامہ ہے۔ یہ سفرنامہ موڈرن پبلیشنگ ہاؤس ترکمان گیٹ، نئی دہلی سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے کل صفحات ۲۴۸ ہیں۔ اس سفرنامہ میں ایک ضمیمہ بھی منسلک ہے اور اس ضمیمے میں مظفر حنفی سے برطانیہ میں اقامت کے دوران لئے گئے انٹروز یو شامل ہیں۔ اس میں کل تین انٹرویو ہیں پہلا انٹرویو روزنامہ ''جنگ'' لندن کے لئے لیا گیا تھا جسے فیضان عارف نے انٹرویو کیا ہے، دوسرا ہفت روزہ ''دی نیشن'' لندن کے لئے لیا گیا تھا اس میں شریک گفتگو اختر گلفام تھے۔ اسی طرح سے تیسرا انٹرویو مشہور و معروف صحافی اور ''جرنیلی سڑک'' نامی کتاب کے مصنف رضا علی عابدی نے کیا ہے۔ یہ انٹرویو بی بی سی لندن کے لئے لیا گیا تھا اور یہ ۷/ ستمبر اور ۱۴/ ستمبر ۱۹۹۷ء کو دو قسطوں میں برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (بی بی سی لندن، ریڈیو) کی اردو نشریات میں نشر بھی ہوا۔ مظفر حنفی نے سفرنامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' میں ہندوستان سے برطانیہ جانے اور برطانیہ سے ہندوستان کے لیے واپسی تک کی روداد سفر تحریر کی ہے۔ اس سفر میں جہاں پیش آئے سفر کے مشکلات، معاملات، حادثات و واقعات، سیر و تفریح، ادباء و شعراء اور معززین سے ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے تو وہیں برطانیہ کا آنکھوں دیکھا حال بھی تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں دلکش واقعات، خوبصورت مناظر، اونچی اونچی اور آسمان سے باتیں کرتی بلند و بالا عمارتوں، وہاں کے محلات، اہم مراکز اور سیر و سیاحت والی جگہوں کے خوبصورت مناظر کی دلکش تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس سفرنامہ میں برطانیہ کے سیاسی، سماجی، معاشی، تہذیبی اور تاریخی واقعات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہاں کے رہن سہن، طور و طریقہ، بود و باش، گفتار و رفتار، احوال و کردار سبھی کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ ان کے سفرنامہ میں جہاں مناظر قدرت کی بہترین تصویر کشی ملتی ہے وہیں علاقائی حالات اور جغرافیائی احوال بھی پڑھنے کو ملیں گے۔ مظفر حنفی کو چونکہ زبان پر قدرت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر میں ادبی چاشنی، خوبصورت عبارت کے ساتھ ساتھ محاورہ، ضرب الامثال اور کہاوتوں کا خوبصورت اور برمحل استعمال ملتا ہے۔ ان کے اس سفرنامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' فارسی محاوروں کے علاوہ خود ان

کے تحریر کردہ اشعار اور مصرعے بھی ملتے ہیں۔ جس سے ان کی عبارت میں خوبصورتی پیدا ہوگئی ہے۔ یہ سفر اتنا دلچسپ ہے کہ ذہن ایک ہی نشست میں مکمل کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مظفر حنفی کے قلم میں طاقت اور زود نویسی جیسی خوبیاں موجود تھیں۔ وہ باتوں کو خوبصورت بنا کر پیش کرنے کا ہنر اچھی طرح سے جانتے ہیں اور قاری کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے گر سے اچھی طرح واقف ہیں یہی وجہ ہے کہ قاری خود کو ان کے ساتھ برطانیہ میں کبھی گھومتا، کبھی ٹہلتا اور کبھی کسی سے بات کرتا ہوا پائیں گے، گویا وہ قاری کو بھی شریک سفر کرتے ہیں۔ الغرض دہلی سے برطانیہ کے سفر کی ابتداء اور اختتام کو اس کتاب میں عمدہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ برطانیہ کے سفر کا مقصد ان کے دوسرے صاحبزادے پرویز مظفر کی شادی تھی۔ پروفیسر مظفر حنفی کے ساتھ ان کے شریک سفر ان کی شریک حیات عاصمہ مظفر اور اکلوتی صاحبزادی صبا تھیں۔

سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' کے ٹائیٹل پیج پر مظفر حنفی کی ایک رعب دار تصویر ہے۔ بیک سائڈ پر تین تصویریں ہیں پہلی میں مظفر حنفی اور ان کی شریک حیات عاصمہ مظفر تو دوسری تصویر میں ان کے دوسرے صاحبزادے جن کو شادی کے بندھن میں باندھنے کے لیے سب لندن گئے تھے اور یہی وجہ رہی کہ یہ سفر نامہ تخلیق ہوا۔ اسی طرح تیسری تصویر میں پرویز مظفر، نسرین اور صبا ہیں۔ ٹائیٹل پیج کے بعد فلیپ پر جو تحریر ہے وہ اس طرح ہے:

> ''یوسف کمبل پوش سے مجتبیٰ حسین تک سینکڑوں سفر نامے اردو میں لکھے گئے ہیں لیکن جو کتاب آپ کے پیش نظر ہے وہ سفر نامہ ہونے کے باوجود اپنے مواد اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے بالکل مختلف اور منفرد ہے۔ برطانیہ میں مظفر حنفی نے بہتر دن عجب رواں دواں کیفیت میں بسر کیے۔ لندن کے لائق دید مقامات کا تذکرہ تو اکثر سفر نامہ نگاروں نے کیا ہے یا اس دیار کے ایک آدھ اور بڑے شہر کا حال بھی کہیں کسی سفر نامے میں بیان ہوا ہے لیکن مظفر حنفی کی طرح اس طرح پھیل کر انگلینڈ کو اندر اور باہر سے اتنے مختلف زاویوں سے اب تک نہیں دیکھا گیا

تھا۔ان کتابی معلومات کے بجائے جو برطانیہ کا محکمہ سیاحت مختلف مقامات کے بارے میں کتابچوں کے ذریعے مشتہر کرتا ہے،مظفر حنفی نے خود اپنی آنکھوں سے، اپنے حالات کے تناظر میں جو دیکھا اور محسوس کیا ہے اس کی حکایت لذیذ اندرونی صفحات میں بیان ہوئی ہے۔ایشیائی تارکین وطن کے گھروں اور دلوں کی کیفیات،موجودہ انگلستان کے معاشرتی حالات، وہاں اردو کا ادبی منظر نامہ، لائق دید مقامات کے نادیدہ گوشے مناظر قدرت کی پرلطف منظر کشی اور مصنف کے خانگی کوائف کے تانے بانے میں یہ سفرنامہ بلاشبہ اچھے ناول کی طرح دلچسپ ہوگیا ہے۔ چھٹی دہائی میں مظفر حنفی اردو کے معروف افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے تھے۔ان کی نثر میں تخلیقی شان اور شگفتگی ان چالیس برسوں میں اور بڑھ گئی ہے۔واقعی یہ کتاب بہر اعتبار پڑھنے کے لائق ہے''۔26؎

کتاب کے آخری پیج سے قبل جو فلیپ پیج ہے۔اس کے فلیپ پیج پر''مظفر حنفی کی چند اور کتابیں'' کے عنوان سے ان کی کتابوں کی تفصیلات درج ہیں۔''چل چنبیلی باغ میں'' نامی کتاب کا سر ورق رزاق راشد نے تیار کیا ہے،کمپوزنگ نعمت کمپوزنگ ہاؤس دہلی کی ہے۔اس کتاب کو شائع کرنے کا اہتمام گوپال متل نے کیا ہے اس کی اشاعت ۱۹۹۸ء میں عمل میں آئی تھی اور ناشر موڈرن پبلشنگ ہاؤس،۹،گولا مارکیٹ،دریا گنج،نئی دہلی ہے تو کاپی رائٹ کا اختیار خود مصنف پروفیسر مظفر حنفی کے پاس ہے۔اس کتاب کو صدف،نسرین، زریں اور نزہت کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔اس سفرنامہ کی شروعات صفحہ ۷ سے ہوتی ہے اور اختتام صفحہ ۲۴۸ پر ہوتا ہے۔اس میں تین ضمیمے بھی شامل ہیں، جو لندن میں قیام کے دوران مظفر حنفی سے لئے گئے انٹرویوز پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں لندن کی سیر، برطانیہ کے اہم مقامات اور انگلینڈ کی قدیم وعظیم یونیورسیٹیوں سے متعلق معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں ۔سفرنامہ کی ابتداء میں عموماً سفر کی تیاری کا حال بیان کیا جاتا ہے،مظفر حنفی نے بھی اپنے سفرنامے کی شروعات میں سفر کی تیاری کا احوال بیان کیا ہے۔مثلاً اس سفرنامہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

''۔۔۔ٹریول ایجنٹ نے ٹھیک کہا تھا ٹیکسی برٹش ہائی کمیشن کے سامنے پہنچی تو میری گھڑی پونے نو بجا رہی تھی اور ہائی کمیشن کے احاطے میں تقریباً دوسو آدمی لائن میں کھڑے ہوئے تھے۔اگر ہم نے ٹریول ایجنٹ کا مشورہ مان لیا ہوتا اور آٹھ بجے آجاتے تو کیو میں بہت آگے ہوتے۔جون کے مہینے میں گرمی بھی اپنے شباب پر ہوتی ہے۔پھر یہ تو دہلی تھی جہاں گرمی پڑتی نہیں جھلساتی ہے۔ابھی سے دھوپ میں خاصی حدت تھی۔میں عرفی، صبا اور عاصمہ کے ساتھ کیو کے بالکل آخر میں کھڑا ہوگیا۔سہیل نے قریبی اسٹال سے کول ڈرنکس کی بوتلیں لاکر ہمارے ہاتھوں میں تھما دیں۔اندر کچھ ٹھنڈک پہنچی تو حواس قابو میں آئے۔قطار کا جائزہ لیا تو اس میں اکثر سکھ خاندان نظر آئے جن میں ستر سالہ مرد اور عورتیں بھی شامل تھیں اور چھ سات سال کے بچے بچیاں بھی۔لمبی لائن دیکھ کر طبیعت میں جو وحشت پیدا ہوئی تھی وہ جلد ہی رفع ہوگئی، کیونکہ آدھے گھنٹے کے اندر ہی ہم چیکنگ گیٹ کے پاس پہنچ چکے تھے، جب کہ پیچھے قطار پہلے کی بہ نسبت تقریباً چار گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔ہائی کمیشن کا عملہ نہایت ذمہ داری کے ساتھ اور تیزی سے لوگوں کے کاغذات چیک کر کے اور حفاظتی تحقیق کے بعد انہیں اندرونی عمارت میں بھیج رہا تھا۔''27؎

اس سفرنامے میں سفر کی تیاری کے بعد سفر کی شروعات اور شریک سفر اور اشخاص کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے مثلاً ان کی شریک حیات اور صاحبزادی ان کے ساتھ سفر میں شریک تھے ان کے بارے میں انہوں نے وہ باتیں بتائیں جو عمومی طور پر دوران سفر ہر ایک کو پیش آتی ہیں۔مظفر حنفی کو قلم پر مضبوط پکڑ تھی اور یہی سبب ہے کہ وہ اپنی بات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کر دیتے ہیں مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

''صبا کمسن ہے اور عاصمہ بہت اچھی شریک حیات ہونے کے باوجود شریک سفر
کی حیثیت سے زیادہ معاون نہیں ہو پاتیں، بلکہ اپنے مزاج کی سادگی اور بھولپن
کی وجہ سے ہمسفر کے بجائے رخت سفر بن جاتی ہیں''۔28؎

آج کل ہر جگہ شہر کی بلند و بالا اور خوبصورت عمارتوں، شاندار مارکیٹ اور شاپنگ مال میں ہر ایک جگہ خوبصورت اور سلیقے کا پارکنگ دستیاب ہے۔ موجودہ دور میں ہمارے ملک ہندوستان نے بھی کافی ترقی کر لی ہے اور شاندار روڈ عموماً بڑے شہروں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ہائیوے اور نیشنل وانٹر نیشنل ہائیوے بھی ہیں۔ آئے دن دو لائن، چار لائن اور آٹھ لائن کی سڑکیں تیار ہوتی رہتی ہیں مگر لندن تو لندن ہی ہے نوے کی دہائی میں ہی شاندار روڈ، خوبصورت پارکنگ، منظّم شاپنگ کامپلیکس، چمچماتی اور لہلہاتی بڑی بڑی گاڑیاں اور کشادہ روڈ کے ساتھ نہایت ہی صاف اور ستھرا ماحول بھی نظر آتا ہے۔ ان سب کے باوجود ٹریفک سسٹم بہترین اور بھیڑ بھاڑ بہت ہی کم ہوتا ہے جس سے روڈ پہ گاڑی چلانا آسان ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ کہ یہاں پر روڈ پہ ٹریفک نہیں رہتی اور اسی وجہ سے وہاں ٹریفک جام نہیں ہوتا کیوں کہ انتظامات بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ مظفر حنفی نے لندن کی سڑکوں کے انتظام وانصرام کی تفصیلات مکالموں کے ذریعے بہترین انداز میں کی ہے، اسی تعلق سے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''ایک بار گاڑی کی رفتار پر نظر پڑی تو میں نے کہا۔
''نوے کیلومیٹر کی رفتار سے چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ آرام سے چلو''
پرویز نے جواب دیا ''یہاں میل کے حساب سے چلتے ہیں پاپا!''
میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ ''یعنی ہم نوے میل فی گھنٹے کی رفتار سے
چل رہے ہیں!''
شفیق قاسم ہنس کر بولے۔ ''یہ تو کم سے کم رفتار کی شرط ہے انکل اس سے کم
چلنے پر جرمانہ ہو جائے گا۔''

پھر انہوں نے بتایا کہ جس طرح انڈیا میں قومی شاہراہ (نیشنل ہائی وے) ہوتی ہیں ویسے ہی انگلستان میں بڑی سڑکوں کو 'وٹروے' کہا جاتا ہے۔ ہر شاہراہ دو حصوں میں منقسم ہوتی ہے۔ کہیں اوپر اور نیچے تو کہیں درمیان میں ریلنگ یا کنکریٹ کی حد بندی۔ ایک طرف سے آنے والی گاڑیوں کا راستہ ہوتا ہے اور دوسرے حصے پر جانے والی گاڑیاں چلتی ہیں ہر سڑک پر دونوں حصوں میں چار متوازی لکیریں کھینچی ہوتی ہیں۔ جو اندھیرے میں چمکتی بھی ہیں۔ دو لائنوں کے درمیان میں سفر کرنے کے لئے رفتار کی حد مقرر ہے۔ داہنی لائن پر کم از کم نوے میل کی رفتار پر چلنا ہوتا ہے۔ درمیانی لائن کے لئے ستر میل فی گھنٹے کی حد مقرر ہے اور بائیں لائن پر بھاری گاڑیاں، ٹرک وغیرہ پچاس میل کی رفتار سے چلتے ہیں۔ ان سب سے آخر میں تھوڑی جگہ ان موٹروں کے لئے چھوڑی گئی ہے جو راستے میں خراب ہو جائیں یا کوئی حادثہ پیش آجائے تو ریلیف پہنچنے کا انتظار کر سکیں اور ٹریفک میں ان کی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔ اب کافی اندھیرا ہو چکا تھا سڑک کے دونوں طرف قصبات اور شہر روشنیوں سے جگمگا رہے تھے۔ موٹروے کے ساتھ ساتھ بجلی کے قمقمے بقول مجاز راہ میں جگمگاتی ہوئی زنجیروں کی طرح دور تک چلے گئے تھے۔ سڑک اتنی ہموار اور چکنی کہ راستے میں کسی ایک جگہ بھی کوئی جھٹکا یا دھچکا نہیں لگا۔ بلا مبالغہ سیکڑوں کاریں اور کنارے کنارے لمبے لمبے ٹرک سڑک پر آجا رہے تھے۔ لیکن کسی کو 'ہارن' دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔''29

اس سفر نامہ میں برطانیہ کی سڑکوں کے علاوہ یہاں کے باشندوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ برطانیہ کے شہروں میں سے ایک شہر برمنگھم بھی ہے، چوں کہ مظفر حنفی کے صاحبزادے پرویز مظفر یہیں پر مقیم تھے۔ اسی لئے انہوں نے تقریباً تمام ایام یہیں گزارے۔ مظفر حنفی کے سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ

میں''، اسی شہر کے سیر کا ذکر ملتا ہے۔ سفر نامہ میں برمنگھم کی سڑکوں، فوٹ پاتوں، مکانوں اور دیواروں کا بڑا خوبصورت نقشہ پیش کیا ہے کہ سارا نظارہ نظروں کے آگے گھومنے لگتا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

''پرویز کی فرمائش کے بموجب دو بجے عصمت پاشا اور سمیرہ گل گوتھنے کے ساتھ آ گئے اور تھوڑی دیر بعد سخاوت بھی اپنی گاڑی لے آئے اور ہم سب گاڑیوں میں برمنگھم کی سڑکوں پر نکل آئے۔ اب دن میں شہر کا ناک نقشہ واضح ہوا، رہائشی علاقوں میں صاف ستھری سیدھی اور بہت چوڑی سڑکوں پر دونوں طرف مسلسل کاروں کی قطاریں، پھر چوڑے چکلے فٹ پاتھ، ان سے ملحق دورویہ مکانوں کے چھوٹے چھوٹے احاطے جن میں رنگ برنگے پودے اس موسم میں پھولوں سے اٹے پڑے تھے۔ پھر ان احاطوں میں کھلنے والا مکان کا صدر دروازہ۔ ہر سڑک پر سبھی مکان کم وبیش ایک ہی طرز کے بنے ہوئے ہیں۔ ہر مکان کا بیرونی رسپشن روم سڑک کی جانب پوری لمبائی میں نہایت شفاف کانچ کی دیوار یا کھڑکیوں سے مزین۔ ان پر سفید جالیوں کے خوبصورت پردے اور ان کے پیچھے مخمل کے دبیز پردے۔ کھڑکی کے پردے کھینچ دیے رات ہوگئی۔''30

مظفر حنفی چوں کہ ایک اچھے طنز نگار بھی ہیں وہ سماج میں پائی جانے والی خامیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی تخلیقات میں بعض اہم سماجی خرابیوں پر طنز بھی کیا ہے۔ ان کے سفر نامہ میں انہوں نے اپنے ملک کی خستہ حالی اور غربت پر چوٹ بھی کی ہے۔ جس کی وجہ سے چوری جیسا عیب ہمارے ملک میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ کے ذریعے انہوں نے ملک برطانیہ کی خوشحالی اور تعلیم یافتہ معاشرے کا چوری جیسے عیب سے پاک ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ایک واقعہ کے حوالے سے وہ رقمطراز ہیں:

''قیمتی کاروں اور بغیر سلاخوں یا بنا جالی والی کانچ کی کھڑکیوں سے لگی ہوئی شیلف یا پینل پر سجاوٹ کے قیمتی کھلونے اور شوکیس رکھے ہوئے دیکھ کر صبا نے کہا۔

''ممی! اپنے یہاں تو چور شیشے توڑ کر سب چیزیں اٹھالے جائیں۔''

سمیرہ نے کہا ''سب مکانوں پر 'برگلر الارم' لگے ہوئے ہیں، صبا۔''

''پولیس کے آنے تک تو چور سامان لے کر نو دو گیارہ ہوسکتا ہے''۔ عاصمہ بولیں۔ ''نہیں آنٹی''! عصمت نے بتایا۔ ''الارم ہونے یا فون کرنے کے زیادہ سے زیادہ تین منٹ کے اندر پولیس موقع واردات پر ضرور پہنچتی ہے۔ اس لئے چوریاں بہت کم ہوتی ہیں''۔ میں ہنسا۔ ''میاں چوریاں اس لئے بھی کم ہوتی ہیں کہ چور بہت کم ہیں۔ خوشحال اور تعلیم یافتہ معاشرے میں کوئی تفریحاً تو چوری نہیں کرے گا''۔31

مذکورہ واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مظفر حنفی کو واقعہ نگاری پر کمال حاصل ہے۔ وہ کسی بھی واقعہ کا بیان اس عمدگی سے کرتے ہیں کہ ہم بذات خود اس واقعہ کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔ مظفر حنفی کو منظر نگاری کا بھی کمال حاصل ہے۔ انہوں نے سفرنامے میں جس جس جگہ کی سیر وتفریح کی ہے وہاں کے مناظر کی حسین تصویریں کھینچ کر رکھ دی ہیں مثلاً لندن کے سٹی لائف سینٹر کی خوبصورتی اور اس کے جادوئی مناظر کو اس خوبصورتی سے تحریر کیا گیا ہے کہ ہمیں یوں محسوس ہوگا کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اقتباس قدرے طویل ہے ملاحظہ کریں:

''عصمت پاشا کو فون کیا جو اپنی بڑی گاڑی لے کر جلد ہی آ گئے۔ آج سٹی لائف سینٹر جانا تھا۔ پرویز کی اطلاع کے مطابق یہ یورپ کا سب سے بڑا اور دنیا بھر میں اپنی نوعیت کا منفرد سٹی لائف سینٹر تھا۔ ایک عظیم الشان عمارتوں کا سلسلہ تھا جس کے بیچ بیچ میں پھولوں کی کیاریاں لہرا رہی تھیں اور تین اطراف میں چوڑی سی نہر بہتی تھی۔ اس میں رنگ برنگی موٹر بوٹیں تیرتی تھیں اور بیچ بیچ میں نئی نئی طرز کے پل بنے ہوئے تھے۔ نہر کے دونوں جانب خوبصورت چھوٹے چھوٹے ریستورانوں میں حسینان فرنگ رنگین چھتریوں کے نیچے بیٹھی تھیں۔ حسب دستور

گاڑی کے پارکنگ کی معقول فیس اور کافی مہنگے ٹکٹ خرید کر ہم سب سینٹر کی عظیم عمارتوں کے باب داخلہ سے اندر آئے، شیشے، اسٹیل، سنگ مرمر اور سرخ و سیاہ پتھروں کی مدد سے کافی دور تک ایک شفاف پانی کے بہتے ہوئے چشمے کا تاثر پیدا کیا گیا تھا سیاحوں کے لئے زینے ایسے کہ عمارت کے اندر پہاڑی پگڈنڈی کا گمان ہو جس کے کنارے کنارے کہیں ادھر کہیں ادھر قدرتی طرز کے حوض بنے ہوئے تھے۔ ان میں ہزاروں طرح کے عجیب و غریب کیکڑے، مچھلیاں، سانپ اور نہ جانے کون کون سے سمندری جانور تیر رہے تھے۔ مچھلیاں تو کہیں شیشے کے گھروں میں اور کہیں چشمے کے کسی حصے میں آزادانہ تیرتی ہوئی قدرت کی صناعی پر عجیب حیرت میں مبتلا کر رہی تھیں، بلا مبالغہ لاکھوں مچھلیاں تھیں صرف ایک ہی مقام پر جو شیشے کے ایک بڑے سے کمرے جیسا تھا، پانی میں مصنوعی گھاس کے درمیان لہراتی ہوئی مختلف رنگوں کی چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کی اقسام گننے کی کوشش کی اور ناکام رہا بے شمار مچھلیاں تھیں اور سب الگ الگ رنگ اور ڈیزائن کی تھیں اور اس طرح کے بڑے بڑے کانچ کے ہزاروں مرتبان حوض اور کمرے سینٹر میں ہوں گے۔ عمارت کی چوڑی راہ داری جس کے درمیان سے یہ چشمہ بہہ رہا تھا، سنگ مرمر کی چٹانوں کو تراش کر تیار کی گئی تھی اس پر کافی دور جا کر ایک موڑ آیا جہاں سے ہمیں لفٹ میں اوپر جانا تھا۔ یہاں دنیا ہی دوسری تھی سنگ مرمر اور کہیں کہیں اسٹیل کے کھمبوں کو کانچ کی دیواروں سے جوڑ دیا گیا تھا جن کے درمیان سے ناظرین کے گزرنے کے راستے تھے۔ دونوں جانب واقع یہ بلوری کمرے پانی سے لب ریز تھے اور ان میں مختلف طرح کی چھوٹی بڑی مچھلیاں، کچھوے، گھڑیال، سانپ، آکٹوپس وغیرہ گھومتے پھرتے تھے۔ اکثر کہیں پانی میں چٹان یا غار، کہیں چھوٹی سی کشتی، کہیں ٹوٹے ہوئے جہاز کا کوئی حصہ، کہیں

بادبان کے ٹکڑے اور موٹے موٹے رسے اس طرح سجا دیے گئے تھے کہ دیکھنے والوں کو سمندری ماحول اور فضا کا احساس ہو جائے یہ احساس ہمیں اس کمرے میں زیادہ ہوا جس میں باری باری سے ٹولیوں میں پچاس ساٹھ مسافر الیکٹرونک کرسیوں پر بٹھا دیئے جاتے تھے پھر ان کے کانوں، سر، آنکھوں کے سامنے خاص طرز کی مشین چڑھا کر کمرہ تاریک کر دیا جاتا تھا اور سامنے کی دیوار پر ردۂ سیمیں کی طرح روشن ہو جاتی۔ اب نشستوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اپنے آپ کو ایک عمیق سمندر کی تہہ میں پاتے تھے جس میں ان کی سمعی بصری اور لمسی حیات بالکل اس التباس میں مبتلا کرتی تھیں کہ ابھی ابھی سامنے سے آنے والی 'شارک' ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی یا آکٹوپس اپنی لاتعداد سونڈوں میں جکڑ لے گا، کبھی موجوں کے شور شرابے میں کوئی مچھلی بدن کو چھو کر گزرتی ہوئی محسوس ہوتی تو کبھی سر کے اوپر بڑے سے جہاز کے گزرنے کا احساس ہوتا۔ آدھ گھنٹے تک ہم لوگ اس مشینی سمندر میں غوطے لگا کر باہر نکلے اور دیکھنے والوں کی دوسری ٹولی کرسیوں پر براجمان ہوگئی''۔

آگے انہوں نے سٹی لائف سینٹر کے حیرت انگیز مناظر کی مزید تفصیلات بتائی ہیں جس کے مطالعہ سے قاری بھی اس عجیب وغریب منظر سے لطف اندوز ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے، مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''میں سمجھا تھا کہ یہ حصہ ہی 'سٹی لائف سینٹر' کا 'حاصل غزل' ہوگا لیکن آگے یہاں کا سب سے بڑا عجوبہ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ایک سرنگ نما کمرے پر روشن حرفوں میں ہدایت فلیش ہو رہی تھی کہ تماشائی اس حد کے بعد کیمرے استعمال نہ کریں۔ اندر داخل ہوئے تو تقریباً دو سو گز لمبی بہت چوڑی کانچ کی ایک سرنگ تھی، حتیٰ کہ جس راستے سے ہم گزر رہے تھے وہ بھی بلوری تھا۔ دونوں جان بیضوی دیواریں، چھت بھی مدور کانچ کی اور فرش بھی شیشے کا جو اتنا شفاف تھا کہ

احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ ہم کسی سرنگ میں ہیں۔ ہمارے چاروں جانب ٹھاٹھیں مارتا ہوا مواج سمندر جس میں چھوٹی بڑی مچھلیاں اور دوسری آبی مخلوق تیرتی پھرتی تھی، بالکل ایسا لگتا تھا جیسے کسی طلسمی قوت نے ہمیں عین سمندر کے بیچ پہنچا دیا ہے اور وہاں سانس لینے کی کوئی ترکیب بھی سجھا دی ہے۔ایسا عجیب و غریب تجربہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔کانچ کی یہ سرنگ یا کہنا چاہئے بہت بڑی نلکی جس میں سے سینکڑوں لوگ گزر رہے تھے، طوفانی انداز کے اتنے ہچکولے لیتے ہوئے پانی میں چھوٹے بڑے لاکھوں سمندری جانوروں کی ٹکریں جھیلتی بغیر کسی ستون کے کس طرح معلق تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا سچ مچ قدرت اور انسان نے مل جل کر ایک بڑا انوکھا کارنامہ انجام دیا ہے''۔32

مظفر حنفی کو حلیہ نگاری پر بھی دسترس حاصل تھی انہوں نے جن اشخاص سے ملاقاتیں کیں ان کی کردار نگاری کے ساتھ ساتھ حلیہ نگاری بھی کی ہے خصوصاً وہ جس مقصد کے لیے برطانیہ گئے تھے وہاں اپنی ہونے والی سے ملاقات اور اس ملاقات میں ابھرنے والے تأثر اور اپنی ہونے والی بہو نسرین کا حلیہ انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے:

''عاصمہ عورتوں سے گفتگو میں منہمک ہو گئیں۔شفیق کے بہنوئی اور بہن پاکستان سے کچھ دنوں کے لئے عزیزوں سے ملاقات کرنے کے لئے آئے تھے،ان سے کچھ ہندو پاک کے بنتے بگڑتے تعلقات کی نوعیت پر گفتگو رہی۔لیکن یہ سب دکھاوے کی باتیں تھیں میں اپنی دلچسپی کو ظاہر کیے بغیر نسرین کا جائزہ لے رہا تھا۔ چھریرا جسم، تیکھے نقش و نگار، ستواں ناک، کشیدہ قامت، بڑی بڑی آنکھیں، بال شانوں تک ترشے ہوئے جو گہرے سیاہ تھے۔لڑکی نے ہلکے نیلے رنگ کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا، گلے میں دوپٹہ جس سے آدھا سر ڈھکا ہوا۔شخصیت مجموعی طور پر دلکش لیکن چہرے پر تھوڑے سے گھبراہٹ کے آثار جسے چھپانے کے لئے اس

نے مسکراہٹ کا سہارا لے رکھا تھا۔ وہ کونے والے صوفے کے سرے پر بیٹھی تھی۔
اس کی اعصابی کشیدگی کو دور کرنے کے خیال سے میں نے کہا۔ ''نسرین بیٹی!
آرام سے بیٹھو۔'' ''میں ٹھیک بیٹھی ہوں انکل!''۔ خیال تھا جواب انگریزی میں
ملے گا لیکن وہ اردو بول سکتی تھی، لہجہ البتہ کچھ انگریزی طرز کا تھا اور آواز نرم و
خوشگوار''۔33

مظفر حنفی کو مکالمہ نگاری پر کمال حاصل ہے وہ ایک اچھے افسانہ نگار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکالمہ نگاری کو بڑی خوبی سے بیان کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے سفرنامہ میں کرداروں کے درمیان گفتگو کو بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے جس سے کرداروں کی نفسیاتی کیفیات اور ان کے جذبات واحساسات کی بڑی حسین تصویر پیش کی گئی ہے۔ مثلاً نسرین کو اپنی بہو منتخب کرنے کی وجوہات پر بحث کرتے ہوئے مظفر حنفی اپنی بیوی سے جس طرح مخاطب ہوتے ہیں اس سے میاں بیوی کے درمیانی رشتے اور تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ تحریر کرتے ہیں:

''میں بولا ''بی بی تمہیں تو ہر بات کھول کھول کر سمجھانی پڑتی ہے، اب تک
نہیں سمجھیں کہ لڑکے اور لڑکی نے ایک دوسرے کو پہلے ہی پسند کر رکھا ہے۔ سمجھ دار
ہیں اس لئے ہندوستانی انداز میں معاملے کو تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔'' ''اب
تو معلوم ہو گیا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''جس طرح وہ لوگ معاملے کو آگے بڑھا
رہے ہیں اسی طرح خوش اسلوبی سے ہمیں بھی سمجھنا چاہئے۔'' ''میری تو کچھ سمجھ
میں نہیں آتا۔'' ''میں سمجھاتا ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ اگر بات تم پر ہی چھوڑ دی
جائے تو کیا نسرین کو بہو بنانا پسند کرو گی؟''

کہنے لگیں ''پہلے تو میرا خیال تھا کہ الہ آباد یا فتح پور سے اپنے خاندان کی کوئی
پڑھی لکھی اچھی لڑکی بیاہ لائیں گے لیکن آپ کی بات صحیح ہے، اس ماحول میں آ کر
وہ سوائے گھریلو کام کاج کے اور کیا کرے گی۔ پرویز بھی پریشان ہوگا۔ پہلے یہ

بتایئے نسرین آپ کو پسند آ گئی ہے کیا؟'' میں ہنسنے لگا۔

''خوبرو ہے، اچھے خاندان کی ہے، پرویز سے پانچ چھ سال چھوٹی ہے، تعلیم یافتہ ہے، برسرروزگار ہے، پرویز کو پسند ہے، خود بھی اس سے انسیت رکھتی ہے۔ اور کیسی بہو چاہئے ہمیں؟'' ''میری ہمت کہنے کی نہیں پڑتی تھی، نہیں تو رات ہی کو زاہدہ سے درخواست کرتی ہے کہ نسرین کے ساتھ ہمارے پرویز کی بات چلاؤ۔ وہ سچ مچ بہت اچھی لڑکی ہے''۔34

ایک جگہ انہوں نے اختر گلفام کے انٹرویو کے لیے فون کرنے والے واقعہ کو مختصر مکالمے کے ذریعہ اس طرح پیش کیا ہے:

''آنٹی!'' شبلی کہہ رہی تھی۔ ''کوئی صاحب فون پر انکل کو پوچھ رہے تھے؟'' میری آنکھ کھل گئی صبح کے آٹھ بجے تھے، ایکس ٹینشن کا رسیور اٹھا کر کان سے لگایا ادھر اختر گلفام تھے۔

''پروفیسر صاحب! انٹرویو کے لئے کب آ جاؤں؟''

میں نے کہا۔ ''گیارہ بجے مجھے 'بش ہاؤس' پہنچنا ہے۔''

''اوہ! کیا وہاں بی بی سی پر ریکارڈنگ ہے؟''

''جی! عابدی صاحب انٹرویو کریں گے۔''

''پھر تو آپ جلد نکلئے۔ 'مڈل سیکس' سے 'اسٹرینڈ' بہت دور ہے۔ پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔ 'نیشن' کے لئے میں آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔ یہ کام ضروری ہے''۔35

مظفر حنفی نے آگے بی بی سی لندن جانے اور اس کے دیکھنے کے بعد ابھرنے والے تصور کی تصویر کشی بھی بڑی عمدگی سے کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

''ہم نے نہا دھو کر کپڑے بدلے، ناشتہ کیا اور نکل پڑے۔ پرویز اور نسرین کی

باہمی نوک جھونک سے محظوظ ہوتے، ٹیوب کے جنکشنوں پر گاڑیاں بدلتے، لمبے خودکار زینوں سے اوپر اور نیچے اترتے ہوئے ایک جگہ زمین سے اوپر نکلے تو جگہ جانی پہچانی سی لگتی تھی۔ نسرین نے ایک راہ گیر سے 'برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن' کے بارے میں استفسار کیا تو وہ بھلا آدمی گردن ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ ایک ضعیفہ سے صبا نے دریافت کیا۔ ''میڈم بش ہاؤس کدھر ہے؟''

مہربان لیڈی نے شفقت سے صبا کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ ''اس سڑک کے آخری سرے پر چوراہے کے بیچوں بیچ۔۔۔ تمہارا کوٹ بہت نفیس ہے بیٹی!'' صبا خوش ہوگئی۔ نسرین کو عاصمہ نے بتایا کہ یہ کوٹ شکیل اور صبیحہ (مرحوم منجھلی بہن کا چھوٹا بیٹا اور اس کی بیگم) نے صبا کے لئے نینی تال سے خریدا تھا۔ کچھ اور آگے بڑھے تو پتہ چلا کہ ہمارے بائیں ہاتھ پر 'مادام توساد' کا میوزیم ہے اور سامنے سڑک کے اس پار یونیورسٹی کا سلسلہ عمارت شروع ہوگیا تھا۔ کچھ آگے جا کر ٹھیک چوراہے کے درمیان 'بش ہاؤس' کی چار پانچ منزلہ عمارت نظر آئی، جس کے چاروں طرف کاریں ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں۔ تو یہ ہے وہ دنیا بھر کے گوشے گوشے کی خبر رکھنے اور دنیا بھر کے لوگوں تک انہیں مختلف زبانوں میں پہنچانے والا عالمی شہرت یافتہ ادارہ بی بی سی لندن، بش ہاؤس تھا تو وسیع و عریض لیکن بچپن سے ذہن میں اس کا جو تصور تھا اس کے مقابلے میں عمارت چھوٹی چھوٹی لگتی تھی''۔36

بی بی سی لندن میں لیے گئے انٹرویو کے واقعہ کی تفصیلات پروفیسر مظفر حنفی نے اس طرح دی:

''وہ ٹیپ رکارڈ چیک کر رہے تھے۔ جاننا چاہا کہ کتنی دیر کا پروگرام ہے تو ہنسنے لگے۔ ''آپ کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں جتنا جی چاہے، باتیں کیجئے۔'' گفتگو چھڑی تو گھنٹے بھر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ہندوستان میں اردو کی موجودہ صورت حال، خصوصاً بنگال میں اس کے بڑھتے ہوئے اثرات، ہندوستانی فلموں میں

اس کے استعمال پر سوال جواب ہوئے ۔ میں نے اس عام خیال کی تردید میں بہت کچھ کہا جو یہاں پاکستانیوں میں عام ہے کہ اردو ہندوستان میں ختم ہو چکی ہے۔ پھر ادب کی سمت و رفتار پر کھل کر گفتگو ہوئی۔ خاص طور پر جب عابدی نے کہا۔ ''کیا آپ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اردو غزل عالمی سطح پر دوسری زبانوں کے ادب سے آنکھیں نہیں ملا سکتی؟''

میں نے کہا ''عابدی صاحب! اگر دنیا کی کسی زبان میں ہمارے غزل کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی صنف موجود نہیں ہے تو اس میں غزل کا کیا قصور، یہ تو فخر کی بات ہے کہ اس صنف کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ تاج محل ایک بے مثال عمارت ہے تو یہ اس کی خوبی ہوئی نہ کہ عیب؟''

گھڑی پر نظر پڑی تو ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ میں نے اشارہ کرتے ہوئے سلسلۂ گفتگو منقطع کرنا چاہا تو عابدی نے غزل ہی کی فرمائش داغ دی۔ (بی بی سی لندن نے یہ انٹرویو دو قسطوں میں ۷/اور ۱۴/ستمبر ۱۹۹۷ء کو ''سب رس'' پروگرام کے تحت نشر کیا)37

سفرنامہ نگار سفر کی روداد، سفر کے مناظر اور واقعات کے تذکرہ کے علاوہ مختلف اشخاص سے اپنی ملاقات کا ذکر بھی ضرور کرتا ہے۔ مظفر حنفی نے بھی اپنے سفرنامے میں برطانیہ میں مقیم دوست واحباب اور لکھنے پڑھنے والوں سے ملاقات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مثلاً ایک دن اچانک ان کے یہاں چند اردو کے احباب آ گئے ان سے ملاقات کا نقشہ انہوں نے کچھ اس طرح سے کھینچا ہے :

''پونے تین بجے کے آس پاس دروازے پر گھنٹی بجی تو میں نے کتاب بند کردی اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے دو تین چھپکے مار کر نیچے آ گیا۔ پرویز آنے والوں کے ہمراہ بیرونی ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا اور ان سے احترام کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ میرے دوستوں سے باتیں کرتے ہوئے وہ بہت سنبھل سنبھل

کرار دو بولتا ہے۔ اس لئے اس کے لہجے میں تھوڑی سی رکاوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے آتا دیکھ کر سب ایستادہ ہو گئے۔ قدرے فربہی مائل متوسط قد کے ایک سانولے سے آدمی نے بڑھ کر گلے لگا لیا اور دھیرے سے بولے ''آپ کا ساحؔر شیوی!'' پھر ایک طویل قامت اور قوی الجثہ سرخ و سپید شخص نے بڑھ کر معانقہ کیا۔ ''اطہر رازؔ صاحب! ماہنامہ ''صدا'' لندن سے نکلتا ہے آپ اس کے مدیر ہیں اور میں نائب مدیر مسعود الحسن۔ یہ حضرت ساحؔر شیوی کے ہم عمر اور ہم قامت تھے، رنگ البتہ گورا تھا۔ ان سے بھی زیادہ گورے چٹے اور دراز قامت چوتھے درویش نے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔ ''خادم کو اقبال مرزا کہتے ہیں۔ میں صدا کا مدیر منتظم ہوں''۔ کیمرے کے فلیش سے اندازہ ہوا کہ پرویز میاں تصویریں لے رہے ہیں۔ صوفوں پر بیٹھتے ہی گفتگو کا سلسلہ اس طرح چھڑ گیا، جیسے ہمارے درمیان مدتوں کی آشنائی ہو، حالانکہ ان میں سے صرف ساحؔر شیوی کے ساتھ دو ایک بار خط و کتابت کا سلسلہ تھا اور موڈرن پبلشنگ ہاؤس کی فرمائش پر میں نے برسوں پہلے ان کے مجموعہ کلام 'صحرا کی دھوپ' کے لئے پیش لفظ لکھا تھا۔ ماہنامہ 'صدا' کے بارے میں بھی اب تک میں لاعلم تھا البتہ اطہر رازؔ کا کلام کبھی کبھار کلکتہ کے ماہنامہ انشاء اور کراچی کے 'صریر' میں نگاہ سے گزرا تھا، لیکن ہم سب چند لمحوں میں ہی گھل مل گئے۔ پتہ چلا کہ ساحؔر شیوی بھی 'صدا' کی مجلس مشاورت میں شامل ہیں۔ اقبال مرزا نے اپنے پرچے کے تین شمارے مرحمت فرمائے۔ یہ خوبصورت رسالہ جو لندن ہی میں ترتیب پاتا ہے وہیں کمپوز کیا جاتا ہے اور از اول تا آخر آرٹ پیپر پر باقاعدگی سے چھپتا ہے اپنی اشاعت کے تیسرے سال میں ہے اور خود کفیل بھی ہو چکا ہے۔ اس کی سالانہ قیمت پچیس پونڈ برطانیہ کے خریداروں سے اور چھتیس پونڈ یورپ والوں سے وصول کی جاتی ہے۔

رسالے میں اشتہار بہت کم تھے لیکن بتایا گیا کہ ان کا نرخ بہت زیادہ ہے۔ لکھنے والوں میں بھی برطانیہ امریکہ اور یورپ میں مقیم کم وبیش تمام قابل ذکر فنکار نظر آئے۔ اکادکا قلم کار ہندو پاک کے بھی تھے۔ پرویز نے اندر سے مٹھائی، پھل بسکٹ اور کولڈ ڈرنکس لاکر میز پر چنے، پھر دوسری ٹرے میں چائے کی کیتلی اور پیالیاں لایا۔ ہم سب نے اپنے اپنے پسندیدہ مشروب اٹھائے۔ خوردونوش کے ساتھ ساتھ باتوں کا تسلسل جاری رہا''۔38

آگے انہوں نے اردو ادب پر گفتگو اور اس سے متعلق لندن میں مقیم اردو داں طبقے کی بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش بھی کی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں:

''ہم لوگوں کے مابین مختلف ادبی موضوعات پر بے تکلفانہ گفتگو کا سلسلہ چھڑا کی موجودہ صورت حال زیر بحث آئی۔ ہندوستان میں اردو سے متعلق اکثر برطانیہ کے تارکین وطن تک غلط باتیں پہنچتی ہیں۔ میں نے بتایا کہ ہمارے ملک میں اردو کے مستقبل سے متعلق تشویش میں مبتلا ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ آزادی کے دس پندرہ سال بعد تک اردو پر جو گہن چھایا رہا وہ اب چھٹ گیا ہے ہر چند کہ تقسیم ہند سے پہلے والی بات تو نہیں ہے، بالخصوص اتر پردیش میں اب بھی اردو کو اس کا قانونی حق نہیں ملا لیکن پورے ہندوستان میں مجموعی اعتبار سے اردو فروغ پا رہی ہے۔ اقبال مرزا کو اطلاع ملی تھی کہ کلکتہ یونیورسٹی کی اقبال چیئر پر میرا تقرر پروفیسر نارنگ کی کوششوں سے ہوا ہے، ان کی اس خوش گمانی کو میں نے خوش اسلوبی کے ساتھ رفع کر دیا ان لوگوں کو یہ بھی بدگمانی تھی کہ ہندوستان میں اقبال کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا اور مجھ سے یہ جان کر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی کہ ہندوستان میں پاکستان سے بڑھ چڑھ کر اقبالیات پر کام ہو رہا ہے، البتہ وہاں انہیں فلسفی کی بہ نسبت شاعر کی حیثیت سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ تنقید وتخلیق کے

رشتے پر بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔خصوصاً ان بڑے ناقدین کا ذکر رہا جو شاعر کی حیثیت سے چھوٹے تھے اور ہیں نیاز فتح پوری ، قرۃ العین حیدر، شمس الرحمٰن فاروقی ، آل احمد سرور اور دیگر ناقدین اور تخلیق کاروں کے کام زیر بحث آئے۔ اپنے اپنے پسندیدہ شاعروں کے نام بھی شرکائے گفتگو نے بے تکلفی کے ساتھ گنوائے''۔39؎

ایک اور جگہ جب وہ کسی ادبی جلسے کی صدارت کر رہے تھے وہاں پر بھی ہندوستانیوں کے متعلق علامہ اقبال کے سلسلے میں لوگوں کی غلط فہمیوں کو بطور صدر دور کرنے کی ممکنہ حد تک کوشش کی تھی:

''مرزا نے غالباً کلکتہ کے اقبال پروفیسر کی رعایت سے مجھے سنانے کے لئے خاص موضوع کا انتخاب کیا تھا۔اقبالؔ کے بارے میں انہوں نے ہندوستان کے کرشن بالی کا مضمون کہیں پڑھا تھا۔خاصی برہمی کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستان میں اقبال دشمنی کا دور دورہ ہے۔چونکہ منتظمین نے اعلان کر رکھا تھا کہ جلسے میں مہمان پروفیسر کے علاوہ کسی اور شاعر کو زحمت کلام نہیں دی جائے گی ، اس لئے بحیثیت صدر اب مجھے اپنے تاثرات بیان کرنے تھے۔میں نے عرض کیا کہ ہندوستان میں ہم اقبال کی فکر پر زیادہ توجہ صرف کرتے ہیں اور ہماری طرف انہیں بحیثیت شاعر زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔جہاں تک اقبالؔ دشمنی کا تعلق ہے۔کرشن بالی تو بہت چھوٹا نام ہے، تاراچند رستوگی جیسے کچھ قابل ذکر لکھنے والوں نے بھی یہی وتیرہ اختیار کیا ہے لیکن ان لوگوں کے مآخذ پاکستان سے شائع ہونے والی تصنیفات ہی ہیں اور انہیں منہ توڑ جواب بھی ہندوستان کے ماہرین اقبال کی طرف سے مل جاتا ہے، جن میں جگن ناتھ آزادؔ جیسے اہل قلم شامل ہیں۔''ہندوستان ہمارا'' کی اہمیت پر روشنی ڈالتے

ہوئے میں نے بتایا کہ یہ ترانہ جشن جمہوریہ کی فوجی پریڈ کے دوران بھی بجتا ہے اور مغربی بنگال اسمبلی میں اقبالؔ کی تصویر ٹیگور سے بھی زیادہ نمایاں مقام پر آویزاں ہے وغیرہ وغیرہ۔ خوب تالیاں بجیں''۔40

پروفیسر مظفر حنفی نے سفر کے دوران بعض کرداروں کا بھی ذکر کیا ہے ان میں ایک سردار تھے ان کی شخصیت کی عکاسی کے ساتھ برطانیہ میں موجود مساجد اور مندروں کا ذکر بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''جی میں یہاں ایک کالج میں پرنسپل ہوں۔ انہوں نے جواب دیا۔ سریندر نے بتایا کلکتہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں آپ اردو کے، تو باتیں کرنے کا جی چاہا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ نہایت شائستہ اور سلجھے ہوئے ذہن کے سردار تھے بہت جلد ساحرؔ شیوی اور مجھ سے گھل مل گئے پرزور انداز میں بتایا کہ وہ طالب علمی کے زمانے سے نسرین (مظفر حنفی کی ہونے والی بہو) کو جانتے ہیں۔ بہت نیک، انکسار پسند اور خوش اطوار لڑکی ہے۔ جوائنٹ فیملی کی دلدادہ اور معاملہ فہم ہے۔ دیر تک ہم لوگ اردو زبان، انگلینڈ کے نظام تعلیم اور تارکین وطن کے مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ جس کے دوران معلومات ہوئیں کہ انگلینڈ میں بارہ سو سے زیادہ مساجد اور تین چار سو گرودوارے ہیں، اب کہیں کہیں مندر بھی تعمیر کر لیے گئے ہیں جن کی تعداد سو کے قریب ہے۔''41

برطانیہ کے ادبی جلسے میں شرکت اور وہاں کے لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے مظفر حنفی سیمینار کی روداد یوں بیان کرتے ہیں:

''کھچڑے دار خشخشی داڑھی والے ایک دبلے پتلے متوسط قامت شخص نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا۔ ''میں عزم ہوں۔ آپ بالکل ٹھیک وقت پر آ گئے ہیں۔ شکریہ۔''

وہ ہمیں دوسری منزل کے ایک کافی بڑے ہال میں لے آئے۔ خیال تھا کہ

لوگ رفتہ رفتہ آئیں گے لیکن وہاں تو تمام نشستیں پر ہو چکی تھیں۔ سینکڑوں لوگوں کے بیچ سے گزرتے ہوئے ہم اسٹیج پر پہنچے۔ پہلی صف میں بیٹھے ہوئے کچھ افراد سے میرا تعارف کرایا گیا۔ یہ معین الدین شاہ ہیں۔ آپ محمود دیوانؔ، ان سے ملئے ڈاکٹر ارتقاؔ شیخ اور یہ رہے عمران الارشد، سلطان فاروقی، اختر ضیائی، سحرؔ مہدی، راجا الیاسؔ خاں، رفعت عباس، سیما جبار، جمشید مرزا، زیڈ۔ یو خان وغیرہ کے نام ذہن میں محفوظ رہ گئے۔ ان کے علاوہ اطہر رازؔ، مسعود الحسن، اقبال مرزا وغیرہ تو ایک طرح سے جلسے کے منتظمین میں شامل تھے۔ تعارف کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ساقی فاروقی نے آ کر ہاتھ تھام لیا۔ میں نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا! تو بولے۔ ''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا اور محبت کرتا ہوں اس لئے۔۔۔'' ڈاکٹر عزم نے تصدیق کی''۔42

سفر نامہ میں سفر نامہ نگار کی شخصیت کے بعض اہم پہلوؤں سے ہمیں بھی آگہی ہوتی ہے۔ مظفر حنفی کے سفر نامے میں بھی یہ خصوصیت نظر آتی ہے۔ انہوں نے بعض جگہوں پر بعض ایسی باتیں بتائی ہیں کہ اس سے ان کی شخصیت کی بعض خوبیاں ہمارے سامنے آجاتی ہیں خصوصاً ایک جگہ ایک جلسہ میں جب ان کا تعارف پیش کیا گیا تو انہیں ان کی جب لوگوں نے بحیثیت ادیب و شاعر ان کی خوبیاں گنائی تو انہیں بیزارگی محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے سفر نامے میں ایک جگہ اس بات کا ذکر کیا ہے جس سے ان کی شخصیت کے اس خاص پہلو سے واقفیت ہوتی ہے، مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

''جلسے کی صدارت حسب اعلان اس خاکسار کو کرنی پڑی۔ زیڈ۔ یو۔ خان (برطانیہ کے ایکویٹی کمشنر) مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف فرما تھے۔ پروفیسر غفار عزمؔ نے جلسے کی کاروائی کا آغاز کیا اور اختصار کے ساتھ سامعین کے سامنے میری سوانح حیات بیان کی (بعد میں معلوم ہوا کہ موصوف ناگ پور کے ہیں اور مجھ حقیر سے متعلق ڈاکٹر محبوب راہیؔ کا تحقیقی کام ان کی نظر سے گزر چکا ہے

) پھر اطہر راز نے میری شاعری اور تصنیفات کا تعارف پیش کیا۔ بخدا مجھے اپنے بارے میں تعریف وتوصیف سنتے ہوئے پسینہ آتا ہے، سو آیا۔ یہ سلسلہ ختم ہوا تو نظامت کا فریضہ ہارون رشید انجام دینے لگے۔ یہ لندن کے معروف گلوکار ہیں۔ بی بی سی ٹی وی کے آرٹسٹ ہیں۔ خصوصاً غزل گائیکی میں نام پیدا کیا ہے۔ انہوں نے جہاں گیر مرزا کو اظہار خیال کی دعوت دی''۔43

مظفر حنفی بحیثیت شاعر لندن میں بھی کافی مشہور ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس ادبی جلسہ میں انہیں بحیثیت شاعر کلام سنانے کی دعوت دی اور بار بار پڑھنے پر اصرار کر رہے تھے۔ اس طرح مشاعرہ کی روداد بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

''اب مجھے کلام پیش کرنے کا حکم ہوا۔ اس میدان میں بھی میں کمزور ہوں۔ دو تین چیزیں پڑھنے کے بعد طبیعت سیر ہو جاتی ہے۔ یہاں متعدد رباعیاں سنانے کے بعد دو غزلیں ہی پڑھی تھیں کہ تکان کا احساس ہونے لگا۔ فرمائش پر ایک غزل اور پیش کی۔ اب گلا خشک ہو گیا تھا۔ میں بیٹھنے لگا تو سامعین نے گھڑی پر نگاہ کی۔ ڈاکٹر غفار عزمؔ نے محبت کے ساتھ اصرار کیا۔

''پروفیسر صاحب! یہ لوگ دور دور سے آپ کو سننے کے لئے یکجا ہوئے ہیں، حالانکہ آج یہاں موسم بہت خراب ہے۔ ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔ اعلان کے مطابق کسی اور کو دعوت کلام نہیں دی جا سکتی۔ پلیز پڑھئے۔ بار بار ہمیں یہ موقع کہاں ملے گا۔ سب آپ کو جی بھر کر سننا چاہتے ہیں۔''

پانی پی پی کر پھر 'غزل سرائی' میں جان کھپائی۔ دو غزلوں کے بعد ہارون رشید میری دست گیری کے لئے اٹھے۔ مائیک پر اعلان کیا، ''جب تک حنفی صاحب! تازہ دم ہوتے ہیں میں ان کی غزل ترنم کے ساتھ سناتا ہوں۔'' اب ساقی فاروقی چپکے سے اٹھ کر میرے پاس آئے۔ ''مظفر! میں چلتا ہوں۔ تمہاری فرمائش ٹالی

نہیں گئی۔ ورنہ آج مسز کے ساتھ میرا ایک ضروری پروگرام ہے۔'' ان حالات میں میں نے روکنا مناسب نہیں سمجھا اور وہ مصافحہ کر کے چلے گئے۔ تالیوں کے شور میں ہارون رشید نے میرے سامنے سے بیاض کھینچ لی اور دو ایک صفحہ الٹ پلٹ کر اپنی آواز کا جادو جگانے لگے۔ واقعی وہ اچھے غزل سنگر ہیں۔ فی الفور سامنے آنے والی غزل کو ایسی اچھی دھن اور خوبصورت آواز میں پیش کیا کہ میں حیران اور سامعین مسحور ہو گئے''۔44

مظفر حنفی نے اپنے سفر نامے ''چل چنبیلی باغ میں'' میں برطانیہ کے عجائب گھر ''مادام تو ساد'' کا ذکر بھی تفصیلی طور پر کیا ہے کہ سارا نظارہ نظروں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''یہ 'مادام تو ساد' کا عجائب گھر ہے، دنیا بھر میں اپنے مومی مجسموں کے لئے مشہور ہے۔ اس کے بڑے بڑے کمروں اور برآمدوں، ہال اور گیلریوں میں ہزاروں کیا لاکھوں مجسمے ایسے لباس میں ملبوس فطری انداز میں سجائے گئے ہیں کہ پاس رکھی ہوئی معلوماتی تختیوں کو ہٹا دیا جائے تو بالکل جیتے جاگتے معلوم پڑتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی خطے کی، کسی بھی شعبہ حیات کی، کوئی بھی شخصیت اگر کسی اعتبار سے عالمگیر شہرت کی حامل تھی یا ہے تو اس کا قد آدم مجسمہ اس کے معمول کی پوشاک میں ملبوس 'مادام تو ساد' میں ضرور مل جائے گا۔ 'تساد کا حجرۂ بلا' (چیمبر آف ہارر س) دیکھنے والوں کا جی دہلا دیتا ہے۔ اس حصے میں عہد قدیم کے جیلوں اور انقلاب فرانس کے دوران معتوب زندانیوں کی ایذا رسانی کے منظر مجسموں کے ذریعے دکھائے گئے ہیں۔ پرویز اور نسرین، صبا اور میں نے مل کر یہاں ساٹھ ستر فوٹو کھینچے۔ کسی میں نسرین پاکستان کی سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے ساتھ ہیں تو کسی میں عاصمہ شریمتی اندرا گاندھی کے ساتھ۔ صبا نے شہزادی ڈائنا کے ساتھ

تصویر کھینچائی تو پرویز نے شیکسپیر اور مجھے کیمرے میں ایک ساتھ کھڑا کرلیا۔ پھر کیمرہ میرے ہاتھ میں تھما کر خود چارلی چیپلن اور مائیکل جیکسن کے درمیان کھڑا ہوگیا۔ایک جگہ ایک خاتون ہاتھ میں بیگ تھامے اوپر دیکھ رہی تھیں۔ پرویز نے ان کا بیگ چھوا تو عاصمہ نے کہا۔''اب یہ لیڈی پرویز کو جھڑکے گی۔'' پرویز نے ہنس کر کہا۔''ممی! یہ بھی موم کی مورت ہے۔''''نو!'' مورت مڑ کر مسکرائی۔

عاصمہ ڈرتے ڈرتے ایک صوفے پر بیٹھ گئیں جس پر ایک سن رسیدہ لیڈی پہلے سے بیٹھی تھی۔ پرویز نے تصویر کھینچی مجسمہ بدستور بے حرکت بیٹھا رہا۔صبا فوٹو کھنچوانے کے لئے دوسرے صوفے پر ایک اور مجسمے کے ساتھ بیٹھ گئی،نسرین نے کیمرہ سنبھالا تو مجسمہ اٹھ کھڑا ہوا''۔45

آگے انہوں نے اس عجائب گھر میں مومی مجسموں کی تفصیلات، جزئیات نگاری کے ساتھ اس خوبصورتی کے ساتھ پیش کی کہ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم بذات خود ان کے ہمراہ لندن کے اس عجائب گھر کی سیر کررہے ہوں،مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

''ایک جگہ گیٹ پر کھڑے ہوئے وردی پوش گائیڈ سے نسرین نے کچھ دریافت کیا لیکن وہ سگریٹ منہ میں دبائے گم صم چھت کو دیکھتا رہا۔ یہ مجسمہ تھا جس کی سگریٹ کا لال سرا دراصل بجلی کا چھوٹا سا بلب تھا۔ہم نے چھوٹی سی ٹرین میں بیٹھ کر ایک دلچسپ سفر بھی کرڈالا۔ دوسو برس پہلے کا مومی لندن چھوٹی سی ریلوے لائن کے دونوں طرف پھیلا ہوا تھا۔موم کے بازار، مکانات، گھروں کے اندرونی مناظر ،وردی پوش سورما،مختلف پیشوں کے لوگ اپنے آلات کشا درزی ساز وسامان کے ساتھ مختلف کام کرتے ہوئے۔ روشنی اور موم کی مدد سے ایک عجیب وغریب طلسماتی فضا ایسی تخلیق کی گئی تھی کہ دیکھنے والے سچ مچ اپنے آپ کو عہد وسطیٰ کے لندن میں محسوس کرنے لگے۔غالباً یہاں فوٹو کھینچنے کی اجازت نہیں تھی یا پھر پرویز

لندن میں یوں کھو گیا کہ کیمرے کے استعمال کا ہوش نہ رہا۔ 'مادام تو ساد' سے باہر نکل کر کسی سے رہنمائی حاصل کئے بغیر ہمارا مختصر سا قافلہ لندن کی بارونق سڑکوں پر ادھر ادھر شام تک گھومتا پھرا''۔46

مظفر حنفی نے اپنے افراد خاندان کے ساتھ ساتھ لندن کے جن علاقوں کی سیر و تفریح کی۔ جن جن مناظر کو دیکھا۔ جہاں جہاں کھانا کھایا اور جن جن عمارتوں کو دیکھا اس کی بڑی حسین تصویر کشی کی ہے:

''راستے میں پلینی ٹوریم نظر آیا تو اس کی سیر بھی کی گئی۔ ایک جگہ سے بچوں نے پیسٹریاں، کیک اور کچھ نمکین چیزیں خرید لی تھیں۔ ایک بند دوکان کے سامنے چوڑی چوڑی سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر ہم پانچوں مار کر بیٹھ گئے اور پیٹ کی آگ بجھائی۔ عاصمہ کو اطمینان دلایا گیا تھا کہ سب چیزیں حلال ہیں اس لئے میٹھی چیزوں کے ساتھ اس بی بی نے بھی جی بھر کر انصاف کیا۔ پھر واپسی کا سفر تین چار اسٹیشنوں پر گاڑیاں بدل کر خود کار زینوں پر اترتے چڑھتے رات کو بارہ بجے کے آس پاس ہم لوگ اپنی قیام گاہ تک پہنچ گئے۔

نسیم احمد نے تن تنہا تین مرغ بھون رکھے تھے۔ بازار کی 'پیٹا' روٹیوں کے پیکٹ کھلے۔ عاصمہ دعائیں دے دے کر بس کھانے کی تعریف کرتی رہیں کیونکہ مرغ میں مرچیں زیادہ تھیں۔ بقیہ لوگ سب چٹ کر گئے۔

اگلے دن ہم نے 'ویسٹ منسٹر ایبے'، 'بگ بین'، 'نیلسن کالم'، 'ٹریفلگر اسکوائر'، 'جیول ٹاور'، 'قدیم پارلیمنٹ کی عمارتیں'، 'وہائٹ ہال'، 'ٹریزری' اور دریائے ٹیمس کے کنارے واقع تفریح گاہوں کی جی بھر کر سیر کی۔ چارلس اول کا دگاری مینار'، پکاڈلی سرکس' اور 'ہائیڈ پارک' دیکھا۔ درجنوں فوٹو کھینچے، ہر جگہ سے متعلق تصاویر پر

مشتمل کارڈ خریدے گئے۔لندن کی آرٹ گیلری، برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری کے سامنے سے میں للچا کر گزر گیا۔کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو دیکھنے کے لئے کم از کم ایک ایک دن درکار تھا''۔47

لندن کی مخصوص دومنزلہ بس کے ذریعہ لندن کی مصروف عمارتوں کے منظر کی مظفر حنفی نے دلکش منظر کشی کی ہے کہ ہم خود کو اس سفر کا شریک محسوس کرنے لگتے ہیں، وہ تحریر کرتے ہیں:

''دوسری صبح قلب شہر میں پہنچ کر ٹورسٹ بس کا دن بھر کا فیملی ٹکٹ خرید لیا گیا۔ اب ہم لندن بھر کا گشت کرتی ہوئی لال رنگ کی چم چم کرتی آرام دہ دومنزلہ بسوں میں سے کسی پر بھی سوار ہو کر اس روٹ پر جہاں تک چاہیں، جا سکتے تھے اور کہیں بھی اتر کر ویسی ہی دوسری ٹورسٹ بس میں سوار ہو سکتے تھے۔بس کے نچلے حصے میں آرام تو نسبتاً زیادہ تھا لیکن سیاح دوسری منزل پر بیٹھنا پسند کرتے تھے کیونکہ اس کے چاروں طرف کمر تک ریلنگ کھینچی ہوئی تھی اور اوپر چھت کا تکلف نہیں تھا۔اس طرح اپنے اردگرد کی عمارتوں کو اور بلندی کی طرف اچھی طرح دیکھا جا سکتا تھا۔نشستوں کے ہینڈل پر بٹن تھے۔وردی پوش کنڈکٹر خاتون سے نازک نازک ہیڈ فون لے کر سیاحوں نے اپنے کانوں سے چڑھا لئے تو کمنٹری سنائی دینے لگی۔بس کہاں سے گزر رہی ہے، کس مشہور دکان کی خصوصیت کیا ہے، کونسی تاریخی عمارت کب تعمیر ہوئی تھی اور کس لئے مشہور ہے، اس بازار کا امتیاز کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔اسکاٹ لینڈ یارڈ کا نام سن کر میں نے اس کی عمارت بڑے اشتیاق کے ساتھ دیکھی۔لڑکپن سے انگریزی کے جاسوسی ناول پڑھنے کا شوقین ہوں۔ کانن ڈائل اور دوسرے مصنفوں کی بے شمار تحریروں میں اسکاٹ لینڈ یارڈ کے تذکرے پڑھے تھے۔وہ عام سی عمارت دیکھ کر افسردہ ہوا، 'اچھا تو یہ ہے'۔

وکٹوریہ اسٹیشن کے پاس اس دن 'ویسٹ منسٹر کیتھڈرل' کا منظر بڑا دلکش تھا۔

'ماربل آرک' عاصمہ کو بے حد پسند آیا۔ 'سینٹ پال کیتھڈرل' کا اپنا منفرد حسن ہے ۔'بینک آف انگلینڈ' کی شاندار عمارت تو سیاحوں کو دنگ کر دیتی ہے اور 'ایڈمیرلٹی آرک' بھی دیکھتے ہی بنتا ہے۔ وقت کم تھا اس لئے ۔۔۔ سرسری ہم جہان سے گزرے''۔48

مظفر حنفی کو واقعہ نگاری پر بھرپور دسترس حاصل ہے انہوں نے اس سفر میں مختلف واقعات کے ذریعہ وہاں کی تہذیبی، سماجی و ادبی صورتحال کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ لندن میں کسی ادبی محفل میں فاتحہ درود کے بعد ادبی نشست کا اہتمام ہوا تو مظفر حنفی سے نعت کی فرمائش کی گئی انہوں نے اس واقعہ کی تصویر کشی بہترین انداز میں کی ہے، مثلاً وہ رقم کرتے ہیں:

''وہاں کھانے سے پہلے فاتحہ درود کا دور چلا۔ پھر دسترخوان پر کھانا آیا، ہم فقیروں نے کھایا۔ فاتحہ کے دوران میں سوچتا رہا تھا کہ یہاں ایسے مواقع پر فقیر کہاں سے لاتے ہوں گے۔ اب تو میرؔ کی دلی میں بھی بہت مہنگے آتے ہیں۔ مینو پوچھ کر کھانے جاتے ہیں۔ عیدالاضحیٰ پر قربانی کا بڑا گوشت لوگوں کے گھر میں پڑا رہ جاتا ہے مانگنے والے چھوٹا مانگتے ہیں۔ کھانے کے بعد شعری دور شروع ہوا تو اچانک ہمیں اطلاع دی گئی کہ نعتیہ مشاعرہ ہے۔ مجھے نعت کہنے میں بڑا خوف آتا ہے۔

باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

لے دے کر ایک نعت عاصی کی جھولی میں ہے اور یہ مستحکم اعتقاد کہ بہتوں کی نجات کے لئے وہی کافی ہوگی۔ محفل میں سرگودھا کے بزرگ شاعر شادؔ بھی تھے۔ نعت کے نام پر انہوں نے کچھ نثری مصرعے پیش کئے۔ عاشور اور میں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے رہے۔ مرثیے کی طرح یہ صنف ادب بھی تنقید کی گرفت سے باہر ہوتی جارہی ہے۔ سرمدؔ بخاری اور عاشور کاظمی کی نعتیں خوب

تھیں۔سبحان اللہ۔میری نعت کا نیا اسلوب بھی لوگوں کو پسند آیا۔کوونٹری سے شاؔد سرگودھوی اس مشاعرے کے دو ویڈیو کیسٹ میرے لئے لائے تھے جس میں میں نے شرکت کی تھی۔''49

پروفیسر مظفر حنفی نے سفر نامہ کا عنوان ''چل چنبیلی باغ میں'' کیوں رکھا ہے۔اس کی وجہ تسمیہ بھی اس سفر نامہ کے دوران بتائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''گیارہ بجے دیکھا کہ نسرین اور صبا بالائی منزل پر تفریحی مقامات کا لٹریچر ٹٹول رہی ہیں تا کہ آنے والے سنیچر اتوار بیکار نہ ہوں، شاید ان لوگوں کو یقین تھا کہ ستائیس جولائی کو ہمیں ہوائی جہاز میں جگہ نہیں ملے گی۔ان کے سامنے کاغذوں کا اتنا بڑا انبار تھا کہ میں سمجھ گیا کہ دو تین گھنٹے اس سمندر میں غوطے لگائیں گی۔ نیچے آ کر عاصمہ سے کہا۔

''چل چنبیلی باغ میں.....''

'معصومہ' نے حیران ہو کر پوچھا ''یہ کیا بات ہوئی؟''

میں بولا۔''چوتھی کلاس میں تھے تو ہم کئی دوست ایک ساتھ اچھل اچھل کر گایا کرتے تھے۔چل چنبیلی باغ میں میوہ کھلائیں گے۔''

انہوں نے فرمایا،''لیکن اس کا ہم سے کیا تعلق ہے؟''

کہا،''معلوم ہو جائے گا۔چلو ہم دونوں ایشین مارکیٹ ہو کر آتے ہیں۔''50

اس طرح سے یہ معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوئی کہ اس سفر نامہ کا نام ''چل چنبیلی باغ میں'' رکھنے کی وجہ کیا ہوئی تو یہاں اس کی وجہ بھی معلوم ہو ہی گئی۔واقعی انسان حال میں جتنا بھی خوش و خرم ہو اور شاندار مستقبل کے لئے تگ و دو کرتا رہے مگر کہیں نا کہیں اس کی نظریں ماضی کی طرف ضرور گردش کرتی رہتی ہیں اور کہیں نہ کہیں اور کبھی نا کبھی اس کی طرف خیال برابر جھونکے اور کچوکے لگاتا رہتا ہے۔مظفر حنفی ابتداء میں لاحقہ اور تخلص ہسوی اپنے گاؤں کی جانب منسوب کرکے لکھا کرتے

تھے پھر استاد کے نام کی مناسبت سے عارفؔی کا بھی استعمال کیا مگر حنفؔی لاحقہ اور تخلص کیوں اختیار کیا، اور ان کی وجہیں کیا بنیں اور پھر اسی کو زندگی بھر نبھاتے اور لکھتے بھی رہے اور اب یہی حنفی ان کے نام کا جز بھی بن گیا ہے۔ اس سفر نامہ میں اس بات کی بھی وضاحت ملتی ہے۔ اس بات کی جانکاری بھی انہی کے الفاظ میں معلوم کر لیتے ہیں:

''وہ (محمود ہاشمی) نزدیک ہی میں مقیم تھے عاشور کاظمی کے ساتھ چند منٹوں میں ہی وہاں پہنچ گیا۔ بڑے تپاک سے ملے۔ چائے کی میز پر سب سے پہلا سوال ان کا یہ تھا کہ میں 'حنفی' کس اعتبار سے لکھتا ہوں اپنے نام کے ساتھ؟ بتایا کہ یہ منفی کا ہم قافیہ حنفی ہے۔ قلمی نام ہے ویسے میں صدیقی ہوں۔ یہ سن کر وہ ہنسنے لگے اور کہا۔ ''میں بھی وہ ہاشمی نہیں ہوں جو بقول علامہ اقبالؔ ناموس خون مصطفیٰ بیچتے ہیں۔ والد کے نام کی رعایت سے ہاشمی لکھتا ہوں۔ کیا آپ کا رشتہ عمیق حنفی یا شمیم حنفی سے بھی ہے؟'' عرض کیا۔ ''بس اتنا کہ ہم تینوں اردو کے قلم کار ہیں۔'' 51

سفر نامے کا آخری پیراگراف کے بعد ضمیمہ ہے جس میں مظفر حنفی کے قیام برطانیہ کے دوران ان سے لئے گئے تین انٹرویوز ہیں جو کہ اس ضمیمہ میں شامل ہیں۔ مظفر حنفی کے سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' کا آخری پیراگراف قابل مطالعہ ہے۔ اس میں منظر نگاری کا کمال نظر آتا ہے۔ اس آخری پیراگراف میں لندن سے ہندوستان واپس آنے کے منظر کی تصویر کشی بڑے دلکش انداز میں کی ہے کہ سارا نظارہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے، مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

''سر! آپ یہاں لائن میں کیوں کھڑے ہیں؟ اس نے ٹرالی میرے ہاتھ سے لے کر دوسرے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

چہرہ کچھ مانوس لگتا تھا۔ شاید جامعہ ملیہ میں کبھی میرا شاگرد رہا ہوگا۔ گرین چینل کے گیٹ سے اس نے ٹرالیوں سمیت ہم تینوں کو باہر پہنچا دیا اور 'بائی' کہہ کر اندر چلا گیا۔ استقبالیہ لاؤنج میں دیکھتا ہوں دور حد ادب کی ریلنگ سے' ہمارے

اپنے لٹکے پڑ رہے تھے۔ باچھیں کھلی ہوئی۔ صدف اور زرین۔ ناز اور صبیحہ چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہاتھ لہراتی ہوئی۔ عرفی ٹیڑھے میڑھے کھڑا گردن ہلا رہا ہے۔ فیروز اتنے اتاؤلے کہ بس چلے تو سیکورٹی کے شانے پر پاؤں رکھ کر چھلانگ لگا دیں۔ سہیل، شکیل اور منصور مخصوص انداز میں ہنس ہنس کر ہمیں اشارے کر رہے ہیں۔ خالد ادھر کھڑے ہیں۔ فیضی اور زمن اپنی ماؤں کے ہاتھ کھینچ کھینچ کر آگے بڑھے آتے ہیں اور ہمیں چیخ چیخ کر آواز دے رہے ہیں۔ دادا!۔ ''دادا! پھوئی جان۔''

بھیڑیے نے ہرن کے شانے پر جھکتے ہوئے کہا۔

''چل چنبیلی باغ میں.....''

چنبیلی مہکنے لگی۔''52

مظفر حنفی کا تحریر کردہ سفرنامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' کی شروعات جتنے دلچسپ انداز میں ہوئی اتنے ہی دلکش انداز میں انہوں نے اس کا اختتام بھی کیا ہے۔ مظفر حنفی اور ان کے افراد خاندان کے دہلی سے لندن اور لندن سے دہلی واپسی کا پورا منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ان کی تحریر میں جا بجا ادبی چاشنی اور شگفتگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ انداز بیان دلکش و خوبصورت ہے کبھی کبھار طنز کا ہلکا نشتر بھی چلاتے ہیں۔ تو مختلف حالات و واقعات کی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔ حسن بیان میں انہیں ملکہ حاصل ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی ہو یا بش محل برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن آفس، زمین کے اندر چلنے والی میٹرو ہو یا لہراتی تیز رفتار موٹر گاڑیاں، ہندوستانی احباب سے ملاقات کا ذکر ہو یا صدر مشاعرہ کی حیثیت سے شرکت، انٹرویو دیتے وقت کی کیفیت ہو یا شادی بیاہ کی رسومات کا ذکر وہ بڑی کامیابی سے تمام واقعات و حالات کی بہترین تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سفرنامے میں لندن کی تاریخی عمارتوں، عجائب گھر، مساجد، لائبریریوں اور بی بی سی لندن وغیرہ سے متعلق تمام تفصیلات سے آگہی ہوتی ہے۔ اس سفرنامے میں شادی بیاہ کے رسوم، مذہبی عقائد، کردار نگاری، تہذیب،

زبان و بیان، مکالمہ نگاری اور منظر کشی وغیرہ کا بیان عمدگی سے ملتا ہے۔ الغرض مظفر حنفی کا تحریر کردہ سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' اردو سفر ناموں کی دنیا میں ایک اہم اور قابل قدر اضافہ ہے۔ اس میں برطانیہ کی اہم عمارتیں ، تاریخی عمارتیں، مذہبی عمارتیں، مختلف مشہور محلّہ جات کے احوال ،اہم شخصیات کے ساتھ ہی ساتھ خوبصورت اسلوب سے اس سفر نامے کو چار چاند لگایا گیا ہے اور اگر اس سفر نامہ کا مطالعہ کیا جائے تو قاری کو اسے مکمل پڑھے بغیر چین نہیں ملے گا۔ دراصل یہی مظفر حنفی کے فن کا کمال ہے۔

(د) مکتوب نگاری

مکتوب نگاری

مظفر حنفی اور محبوب راہی کے درمیان لکھے گئے خطو کے مطالعے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خطوط کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی جائے ویسے بھی کمپیوٹر، موبائل اور انٹرنیٹ وانڈرائیڈ موبائل کے زمانے میں اس کو جاننا کچھ زیادہ ہی ضروری ہو جاتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اکیسویں صدی کے بچے کو خطوط کی جانکاری تقریباً نہ کہ برابر ہے۔ اردو زبان میں خطوط اور مکتوب نگاری کا آغاز عربی و فارسی زبان وادب کے زیر اثر ہوا۔ واجد علی شاہ اور ان کی بیگمات کے تحریر کردہ خطوط اردو مکتوبات نگاری میں اولین درجہ رکھتے ہیں۔ خطوط میں سادگی، سلاست اور سچائی کے ساتھ ساتھ گفتگو کے انداز میں باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔ اس طرح مکتوب الیہ یعنی جس کے نام سے خط لکھا گیا ہے، اس سے بات چیت اور تحریر میں اس طرح کا انداز بے تکلفانہ استعمال ہو کہ ایسا لگے کے جیسے آمنے سامنے اور بالمشافہ گفتگو اور ملاقات ہو رہی ہو۔ خط میں کبھی طنز وظرافت کی آمیزش ہو تو اس طور پر کہ جملہ گل گلزار اور شگوفہ زار بنادے۔ بات سے بات پیدا کرنے کا ہنر بھی خطوط میں رنگ پیدا کر دیتا ہے اور اس کے لئے محاوروں، کہاوتوں اور ضرب الامثال کا برمحل استعمال ہو۔ زبان و بیان میں سادگی وسلاست، روانی اور شگفتہ بیانی، بے تکلفی، برجستگی، شائستگی، شگفتگی، بذلہ سنجی، فقرہ بازی اور واقعہ نگاری کے ساتھ ہی خوبصورت اسلوب اور انفرادیت کا رچاؤ بھی خطوط کو شاندار بنا تا ہے۔ خطوط اقتصادی، معاشی، سماجی، سیاسی، معاشرتی، گھریلو اور ہر طرح کی ضرورتوں کے لئے لکھے جاسکتے ہیں۔ خط کو ''نصف ملاقات'' بھی کہا گیا ہے۔ مرزا غالبؔ کے بقول مراسلہ مکالمہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ یوسف جمال انصاری نے مرزا غالب کے خطوط کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے:

> ''سب سے پر لطف خط مرزا غالبؔ نے لکھے ہیں۔ ان کے خطوط کو ایک خاص ترتیب سے پڑھا جائے تو یہ مرزا غالبؔ کے حالات کے مختلف ابواب بن جاتے ہیں''۔53

اردو خطوط نگاری کی دنیا میں مرزا غالبؔ کی اہمیت مسلم الثبوت ہے۔مرزا غالبؔ اپنی انفرادیت کے ساتھ اپنے خطوط میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔اس تعلق سے مولانا غلام رسول مہر کی یہ رائے مناسب معلوم ہوتی ہے:

> ''یہ خطوط اس وجہ سے بیش بہا نہیں کہ غالبؔ کے خطوط ہیں بلکہ ان کے بیش بہائی کے دوسرے وجوہ بھی ہیں۔ان کے آئینے میں غالبؔ کی شخصیت ایسے رنگ میں جلوہ گر نظر آتی ہے کہ اکثر اصحاب کو زندگی میں بھی اسے تفصیل سے دیکھنے کا موقع شاید ہی ملا ہو۔یہ خطوط اردو زبان میں گونا گوں اسالیب بیان کا ایک نہایت نادر اور دلکش مرقع ہیں۔ان میں غالبؔ کے سوانح حیات کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ موجود ہے۔ان میں غالبؔ کے دل و دماغ کی مکمل تصویر خود ان کے موقلم سے تیار ہو کر سامنے آ گئی ہے اور یہ تصویر اس جامعیت سے نہ ان کے کلیات نظم فارسی میں ملتی ہے، نہ کلیات نثر فارسی میں اور نہ اردو دیوان میں، جو ہمارے یہاں ان کی یگانہ شہرت کی شہپر پرواز ہے۔''54

مکتوب نگار اپنے بارے میں لکھتا ہے، زمانے، وقت اور حالات کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اور دیگر ضروری چیزوں کی بھی جانکاری دیتا ہے۔خط مُرسِل اور مرسَل الیہ کے درمیان ایک رابطہ اور تعلق ہے جس میں مکتوب نگار بالضرور اپنے بارے میں سامنے والے کو آگاہ کرتا ہے یعنی کہ خود کے بارے میں لکھتا ہے اور جو اس پر گزری ہے اسی کو تحریر کرتا ہے اور انہی خصوصیات کی بنا پر آج بھی خطوط نگاری کی اہمیت مسلم ہے، اسی طرح سے خطوط کی اہمیت و افادیت اور ضرورت بھی عیاں ہے۔ ''مکتوبات مظفر حنفی م بنام محبوب راہی'' کے ذریعے ہمیں آپسی رابطہ، ہم کلامی اور ایک دوسرے کی ضروریات اور بہت سی دیگر معلومات ہم تک پہنچی ہیں۔اس مجموعہ خطوط میں پروفیسر مظفر حنفی کے قریبی شاگرد محبوب راہی کے نام لکھے گئے خطوط شامل ہیں۔اس کتاب میں ایک دوسرے کے قلمی اور علمی تعاون کا ذکر ہے تو اسی کے ساتھ اس وقت کے حالات اور نظریات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔اب نہ

خطوط کا زمانہ رہا اور نہ اس طرح کے لکھنے اور پڑھنے کا وقت بلکہ اب تو تقریباً سارے کام آنلائن اور ڈیجیٹیلائیز ہوگئے ہیں۔ ماضی کے افراد نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب مہینوں اور ہفتوں خطوں کا انتظار کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خطوط کی ہمیشہ سے اہمیت رہی ہے۔ مظفر حنفی کے اس خطوط کے مجموعے میں از اول تا آخر مختصر اور طویل خطوط کی مجموعی تعداد ۱۴۰ ارہی اور یہ خطوط ۱۹۷۸ء سے ۲۰۰۵ء کے خطوط پر مشتمل ہیں۔ آج خطوط کی جگہ اتنی آسانی پیدا ہوگئی ہے کہ ٹیلیفون کے بعد موبائل کا زمانہ آیا اور پھر اس میں بھی فیسبک، واٹسپ، گوگل، یوٹیوب، اسنیپ چیٹ، انسٹا گرام اور موجودہ دور میں تو یہ بھی سہولت ہوگئی ہے کہ جب جی چاہا آمنے سامنے والی گفتگو شروع ہوگئی اور اب تو آمنے سامنے دیکھ کر ویڈیو کالنگ کے ذریعے بات چیت با آسانی ہوجاتی ہے۔ اسی تعلق سے محبوب راہی وضاحت کرتے نظر آئے ہیں:

> مظفر حنفی صاحب کے خطوط کی تفصیلات سیاق وسباق کے ساتھ پیش کرنے سے قبل اعداد وشمار کی ایک مختصر جھلک پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پچھلے صفحات میں پیش کردہ ۳۰/مارچ ۷۸ء کے خط سے شروع ہوکر یہ سلسلۂ نامہ وپیام ۹/اکتوبر ۲۰۰۵ء پر اختتام پذیر ہوتا ہے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہ خوشگوار سلسلے آج بھی بادی النظر میں کچھ بہتر صورت میں جاری وساری ہیں''۔55

پروفیسر مظفر حنفی کے ڈاکٹر محبوب راہی کے لئے لکھے گئے خطوط میں زیادہ تر ادبی گفتگو ہے اور وہ نصیحت وتاکید بھی کرتے نظر آئے ہیں۔ کبھی زجر وتوبیخ کرتے ہیں تو خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کی تفہیم بھی کرتے ہوئے جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ مکتوب الیہ کو مقالہ کی ساری تفصیلات بھی بتاتے نظر آئے ہیں کہ مقالہ کو کیسے لکھا جائے اور پھر کتابیات کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔ ان خطوط میں باب بندی بھی کی ہے تو ماٰخذ ومراجع کی نشاندہی بھی الغرض خاص طور پر تحقیقی مقالہ اور کتاب و مضامین کی اشاعت کے سلسلے میں ہی زیادہ تر خطوط رقم کیے گئے تھے اور حسن اتفاق سے دونوں شاعر ہیں اور صاحب روزگار بھی اسی لیے مشاعرہ اور روزگار سے متعلق باتیں بھی خط میں در آئی ہیں۔

''مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی'' اس کتاب کو عرشیہ پبلی کیشنز نئی دہلی سے ۲۰۱۳ء میں بغیر کسی تعداد کے اندراج کیے ہوئے صفحات ۲۴۰/اور قیمت ۲۵۰ ناشر و مصنف محبوب راہی ہے۔انتساب مظفر حنفی کی شریک حیات عاصمہ مظفر کے نام ہے تو وہیں مقدمہ سے قبل مظفر حنفی کے خطوط سے اخذ کردہ چند اقوال زرین کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ایک دو مثال دیکھ سکتے ہیں۔آدمی بے نیاز ہو تو خداوند کریم اسے توکل کی دولت سے بھی نوازتا ہے اور خود اعتمادی عطا کرتا ہے۔جو لوگ محبت کرو اور محبت پاؤ کی پالیسی پر عمل پیرا رہتے ہیں ان کی زندگی ان شاءاللہ خوشگوار گزرتی ہے۔اس کتاب کا مقدمہ محبوب راہی نے لکھا ہے جو ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔اس مقدمہ کے ابتدائی صفحہ میں بڑی خوبصورت باتیں رقم کی گئی ہیں، وہ یوں لکھتے ہیں:

> ''تمام شعبہ جات حیات میں ایک اہم شعبہ معاملات دل کا بھی ہے۔کارہائے حیات میں نامہ و پیام کا سب سے زیادہ اور مئوثر عمل دخل اسی دل کے معاملات میں ہوتا ہے کاروبار شوق اسی دل کی نگرانی میں جاری و ساری تھا، ہائے کیسا سہانا دور تھا کتنا پیارا زمانہ تھا، کیسے رنگین شب و روز تھے۔کیسی چہکتی مہکتی گھڑیاں تھیں۔کیا فرصت کے رات دن تھے، ہمہ وقت تصور جاناں کیے بیٹھے کسی کے نام بے نام و بے مفہوم خط لکھ کر عالم تصور میں نامہ بر کے ہاتھوں بھیجتے۔اس کے آنے آنے تک پھر ایک خط لکھ رکھتے، محبت نامہ کا جواب محبت نامے کی صورت میں پاتے، اسے آنکھوں سے چومتے، سینے سے لگاتے، چھپتے چھپاتے لرزتے ہاتھوں سے کھولتے، حرف حرف دل کی گہرائیوں میں اتارتے، ہر لفظ کو آنکھوں میں بساتے ہر جملے پر فرط مسرت سے جھومتے''، بقول میرؔ

تھی جو اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں

56

محبوب راہی نے اپنے مقدمے میں بتایا کہ انہیں ابتدا ہی سے مظفر حنفی دلکش طنزیہ لہجے اور ان کے دلفریب اسلوب پر فریفتہ رہے ہیں، ان کے زبان و بیان پر عاشق رہے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''حقیر فقیر نے جب سے طلسم کدۂ شعروادب میں قدم رکھا ہے مظفر حنفی صاحب کے گنجینۂ معنی کے طلسم سے معمور دلکش طنزیہ لہجے، منفرد طرز اسلوب، دلفریب رنگ وآہنگ اور ایک نئے اچھوتے ذائقے کی حامل نگارشات کی سحر طرازیوں سے متاثر رہا ہوں''۔57؎

محبوب راہی مظفر حنفی کی شخصیت اور بات کرنے کے انداز سے بے حد متاثر ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مظفر حنفی کی خطوط نگاری اور ان کے بے تکلفانہ انداز تخاطب اور دلکش مسکراہٹ جیسی خوبیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مرعوب کن تاثر زائل ہوکر ایک کھلے پن کے احساس نے ذہن ودل کو کیف آگیں بشاشت سے دوچار کردیا۔ موصوف کی طنز آلود تحریروں سے جو ایک نوع کی غصہ ور شخصیت کی شبیہہ عالم تصور میں ابھرتی ہے برتاؤ میں اس کے قطعی برعکس پایا۔ بات بات میں بذلہ سنجی، لطیفہ بازی، بے تکلفی، حاضر جوابی، فقرہ بازی، لہجے میں شوخی، لطافت شگفتگی، شائستگی اور شستگی، چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ، حسب ضرورت باتوں میں علمیت، ذہانت اور فطانت کی چھوٹ مختصر یہ کہ وہ کہیں اور سنا کریں سارے کا عالم تھا''۔58؎

مظفر حنفی کے لہجے میں جس طرح کا خلوص واپنائیت تھی اس سے محبوب راہی متاثر تو تھے ہی لیکن کبھی کبھی یہاں غصے کی وجہ سے طنز ونشتریت کا انداز بھی آجاتا تھا جس کو بہت قریبی افراد ہی محسوس کرسکتے ہیں کہ ان کا یہ طنز بہت دیر تک قائم نہیں رہ سکتا ہے بلکہ بہت جلد ختم ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر محبوب راہی نے ان کی شخصیت کے اسی پہلو کی عکاسی کی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''لہجہ بیشتر اپنائیت آمیز مشفقانہ اور مخلصانہ ہے۔ کہیں کہیں قدرے تلخ بھی ہو جاتا ہے جو موصوف کے فطری مزاج کا حصہ ہے۔ تیکھے، نکیلے، کٹیلے، طنز کی نشتریت کبھی لطف دے جاتی ہے تو کبھی کبھار اس کی چبھن قدرے تکلیف دہ بھی ہوتی ہے موصوف کے خنک مرہم جیسے پرخلوص الفاظ جس کی خراشوں کو فوراً مندمل کر دیتے ہیں''۔59

مظفر حنفی نے محبوب راہی کے نام ۲/مارچ ۱۹۸۰ء کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں انہوں نے اپنی شخصیت کے اس انوکھے عنصر کی نشاندہی کی ہے کہ وہ کسی گروہ بندی کا حصہ نہ رہے اور نہ کسی تحریک سے جڑے۔ یہی وجہ ہے کہ صاف گوئی اور بے باکی سے ناقدین کی تنقید پر اپنی رائے دیتے رہے لیکن لوگوں نے ہمیشہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور انہیں تحریک پسندوں نے جدید یہ کہا اور جدیدیوں نے انہیں ترقی پسند۔ کسی نے ان کی حق گوئی کو تسلیم نہیں کیا۔ اسی حقیقت کا اظہار انہوں نے محبوب راہی کو لکھے اس خط میں کیا ہے، مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

''یوں بھی نقاد مجھ سے خوش نہیں ہیں اپنے مضامین اور مقطعوں میں انہیں چھیڑتا رہتا ہوں ترقی پسند مجھے جدید شمار کرتے ہیں اور جدید لوگوں کو میں ترقی پسند نظر آتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ نہ کبھی خوشامد اور تعلقات استوار کرنے کی روش اختیار کی نہ گروپ بندی کی۔ اس کے باوجود لوگ اگر کسی نہ کسی طرح کا اعتراف کرتے ہیں تو دراصل یہ ان کی مجبوری ہے''۔60

اس مقدمہ کے آخری صفحات میں ڈاکٹر محبوب راہیؔ نے پروفیسر مظفر حنفی کے خطوط کی جملہ خصوصیات کا احاطہ کیا ہے اور اپنی قیمتی رائے بھی دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان خطوط میں جہاں حق گوئی و بیباکی کے آئین جواں مرداں پر ثابت قدمی، اولوالعزمی، علوہمتی، استحکام اور استقامت کے ساتھ کاربند رہنے کی حوصلہ افزاء مثالیں ملتی ہیں، انسان دوستی، بھائی چارگی، اخوت، ہمدردی، ملنساری، یگانگت،

اخلاص، بے ریائی، جیسی ارفع اور پاکیزہ، اخلاقی قدروں کی پاسداری کے روشن ثبوت بھی فراہم ہوتے ہیں۔ ان انسانی اوصاف کے علاوہ خطوط اپنے اندر ایک ادبی شان بھی رکھتے ہیں، ان میں جا بجا مکتوب نگار کی تبحر علمی، نکتہ رسی، بے تکلفی، فقرہ بازی، بزلہ سنجی، بے ساختگی، معنی آفرینی جیسے فنکارانہ اوصاف جھلکتے ہیں جن کی شمولیت سے یہ خطوط انشا پردازی کے منفرد مرقعوں کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ ان میں زبان کی نفاست بیان کی لطافت، طرز اظہار کی جدت، اسلوب کی ندرت، احساس کی شدت، جذبوں کی حرارت، لب و لہجے کی دلکشی، شائستگی اور شگفتگی نیز محاوروں کی بے ساختگی اور برجستگی کے کرشمے، دامن دل می کشد کہ جا اینجا است، کی مصداق قدم قدم پر جلوہ گر ہیں''۔61

مظفر حنفی کے محبوب راہی کے نام تحریر کردہ خطوط سے صرف دو خط کو یہاں بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں محبوب راہی سے مظفر حنفی کے قریبی تعلقات کا جہاں علم ہوتا ہے وہیں مظفر حنفی کی شخصیت میں خلوص کا بھی پتہ چلتا ہے علاوہ ازیں مظفر حنفی کی تخلیقی نثر کی خوبیوں سے بھی شناسائی ہوتی ہے۔ پہلا خط بطور نمونہ پیش ہے:

نئی دہلی

یکم مارچ ۱۹۷۸ء

برادر عزیز!

خلوص اور یادیں

اچانک آپ کا خط پا کر بے حد مسرت ہوئی۔ اگر آپ نے اس طرح چند توصیفی خطوط مجھے بھیج دیے تو یقین کیجیے۔ ہائی بلیڈ پریشر میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ بھائی میرے۔ آپ میرے عزیز ترین دوست کے ساتھ ملے تھے کسی قسم کا پردہ رکھ کر ملاقات کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پھر میں اسی سرزمین سے تعلق رکھتا ہوں جہاں خلوص اور صفائی قلب کی دولت خدا نے لوگوں کو افراط سے

عطا کی ہے دراصل دونوں آئینے مجلّا ہوں تو نقوش تہہ در تہہ گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔آپ کے اور میرے درمیان وہی معاملہ ہوا۔

آپ کا خط میں نے وحید صاحب کو پڑھوا دیا تھا۔غالباً جلد ہی خط لکھیں گے یا ممکن ہے لکھ چکے ہوں۔کل رضا حسن کا خط بھی آیا۔بڑا جذباتی آدمی ہے۔خط ایسا ہے کہ جواب اسے ہضم کرنے کے بعد ہی لکھ سکوں گا۔ان شاء اللہ ہم لوگ گرمیوں میں کھنڈوا میں ضرور ملیں گے اور کھل کر باتیں ہوں گی۔مشاعروں اور جشن ہائے مسرت کی تفصیلات بھی تیار کریں گے۔البتہ اگر کھنڈوا والے گرمیوں سے قبل ہی کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو دوسری بات ہے۔

خدا کرے آپ بعافیت ہوں

مظفرؔ حنفی

62

پروفیسر مظفر حنفی کا ڈاکٹر محبوب راہی کے نام ایک اور خط بھی دیکھئے جس میں ادبی گفتگو اور آپسی تعلقات کا تذکرہ ملتا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

بٹلہ ہاؤس نئی دہلی

ڈیر راہیؔ!

محبتیں

پوسٹ کارڈ ملا۔خدا کا شکر ہے کہ احباب اور تم مزے میں ہو۔بیٹی کی شادی کی تیاریاں جاری ہیں حتمی تاریخ ابھی طے نہیں کی گئی لڑکے کے والد علیل ہیں۔

تم اپنے لئے مضمون کی فرمائش کر کے خود کو بھی نقصان میں ڈالو گے اور مجھے بھی۔پیش لفظ اور تقریظ کا معاملہ کچھ اور ہوتا ہے مستقل مضمون میں نہج بدل جاتی ہے۔ویسے انٹرویوز اور مضامین میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھتا ہوں سعودی عرب ریڈیو

سے انٹرویو میں اور سفارت خانہ ہند جدہ کے یادگاری مجلّے میں جو باتیں کہیں وہاں بھی تم موجود تھے۔ فاروقی وغیرہ کی طرح میرا بھی وہی مضمون لگالو۔ اگلے ماہ عالمی اردو کانفرنس میں حیدرآباد آؤں گا۔ ''آج کا عالمی سہارا'' میں تم پر دل تاج محلی کا مختصر مضمون دیکھ کر مسرت ہوئی، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

گھر سے گھر میں واجبات

تمہارا: مظفر حنفی

63

اس طرح سے مظفر حنفی نے محبوب راہی کے نام جو خطوط لکھے ان میں کتاب اور مضامین کی اشاعت، اردو اکادمیوں کے انعام کا تذکرہ، مشاعرہ اور تحقیق کے حوالے سے تقریباً ہر خط میں گفتگو ملے گی۔ ایک دو خط کو چھوڑ کر تقریباً ہر ایک خط میں ادبی گفتگو ملے گی۔ مظفر حنفی نے محبوب راہی کو پہلا خط ۱۹۷۸ء میں لکھا تو وہیں آخری خط ۲۰۰۵ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس طرح سے دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ تقریباً ۲۷ سال تک جاری رہا اور خاص بات یہ ہے کہ مظفر حنفی کے تحریر کردہ تمام خطوط میں تاریخ درج ہے سوائے اس آخری خط کے یعنی لاسٹ والے خط میں ہی تاریخ درج نہیں ہے باقی سب میں ہے لیکن اس آخری خط سے قبل جو خط تحریر کیا گیا تھا اس میں ۳/ فروری ۲۰۰۵ء درج ہے تو اس سے اس بات کا اندازہ لگانا بالکل آسان ہے کہ یہ خط بھی فروری یا اس کے قریب کے مہینے میں ہی لکھا گیا ہوگا۔ ہاں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ سنہ ۲۰۰۵ء ہی ہے۔

۴/ مئی ۱۹۸۱ء کے خط میں زجر و توبیخ اور ڈاکٹر محبوب راہی کی سرزنش کرتے نظر آئے ہیں۔ کیوں کہ مظفر حنفی کی شخصیت کی یہ خوبی ہے کہ وہ شہرت کے لیے کچھ بھی کہہ دینے کو غلط سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اپنے سے بڑوں کی عزت کرنا چھوٹوں پر لازمی ہے۔ چنانچہ یہی بات بڑے سخت لہجے میں اپنے شاگردوں کو سمجھاتے ہوئے وہ ایک خط میں یوں مخاطب ہیں:

''تمہاری خوبیاں اور خامیاں دونوں مجھ پر کھلی کتاب کی طرح عیاں ہیں اور میں

اپنے دوستوں کی کمزوریوں کو بھی عزیز رکھتا ہوں۔ البتہ ایک بات اسی مرحلہ پر گرہ میں باندھ لو اور ہمیشہ یاد رکھو کہ شہرت اور عزت کا نشہ بہت خطرناک ہوتا ہے اسے برداشت کرنے کے لئے سمندر جیسا ظرف چاہیے۔ یہ چیز اگر چھلکنے لگے تو تریاق زہر ہلاہل بن جاتی ہے''۔64

۶/فروری ۱۹۸۲ء کے خط میں بحیثیت نگراں اپنے شاگرد عزیز کو کتنے اچھے طریقے سے سمجھا رہے ہیں کہ شخصیت میں خوبیاں اور خامیاں دونوں صفات ہوتی ہیں محقق کی ذمہ داری ہے کہ وہ دونوں صفات کو بیان کرے۔ اپنی بات کو تھوڑے سخت لہجے میں یوں سمجھاتے ہیں:

''یقین جانو مجھے فرشتے زیادہ پسند نہیں (کہ انہیں میں منکر نکیر، عزازیل، اور کراماً کاتبین بھی شامل ہیں) ہاروت ماروت کا حشر سامنے ہے۔ خدا کے لئے مجھے ایک معمولی جیتا جاگتا آدمی رہنے دو، مضامین کی حد تک جو ہوا، ٹھیک ہے، مقالے میں اگر تم نے شخصیت کا صرف روشن پہلو پیش کیا تو دوسرا رخ تمہارے سامنے خود آجائے گا۔ پھر کہتا ہوں تم نے ریسرچ کے لئے غلط آدمی کا انتخاب کیا''۔65

ایک خط میں پروفیسر مظفر حنفی نے ڈاکٹر محبوب راہی کو بحیثیت نگراں صحیح راہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مخاطبت اور سمجھانے کا انداز ملاحظہ فرمائیں:

''میں جو تمہارے ساتھ قربت کی بنا پر کبھی تلخ اور کبھی ترش رویہ اختیار کرتا ہوں اس کا مطلب نہیں کہ ہمیشہ تم سے ناراض ہی رہتا ہوں۔ اب دیکھو کہ اس اثناء میں گاندھی کی نظم اور کتاب پر تبصرے سے لے کر متعدد غزلیں تمہاری اچھے برے پرچوں میں دیکھیں اور تمہیں کچھ نہیں لکھا۔ بے شک تم خوب لکھتے ہو اور ثقلین حیدر جیسے ناقدین ان باتوں سے یقیناً خوش ہوں گے بقول ظ۔ انصاری احتیاط لازمی ہے''۔66

۱۵/جون ۱۹۸۳ء کے خط میں بھی اپنے عزیز کو تحقیق کے گر سکھاتے ہوئے رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں:

''تحقیق میں بار بار کہا کہ یادداشت پر بھروسہ کم کیا جاتا ہے ریسرچ اسکالر کے پاس ہر وقت کاغذ اور قلم ہونا چاہیے اور اس سے کام لینے کا حوصلہ بھی۔''67

ایک خط محبوب راہی کے نام ۲۱ ستمبر ۱۹۸۵ء کو تحریر کیا گیا تھا۔اس خط میں اس حقیقت کو واضح کیا کہ ان کی طبیعت کی سختی ،خودداری اور کھرے پن کی وجہ سے انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ورنہ لوگ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو جوڑ توڑ کی سیاست کرتے ہیں اور خوشامد پسند ہوتے ہیں نیز اپنے مفاد کے لیے غلط کام کرتے ہیں۔مظفر حنفی کی شخصیت ان عیوب سے پاک تھی اس لیے انہیں بہت سے مقامات پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''لیکن میری ترقی کا معاملہ تاحال معلق ہے۔بات یہ ہے کہ زمانہ معمولی معمولی کام کے لئے سفارش اور جوڑ توڑ کا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ یہ ہنر مجھے نہیں آتا۔ شاید کھنڈوا کے احباب کو بھی اس بات کی بھنک مل گئی ہے ان کے حوصلہ افزائی کے خطوط آئے تو خود پر شرم آئی۔اپنے زخم دوستوں سے چھپا کر رکھنے کا عادی ہوں کہ وہ بیچارے خود ہی حالات کے مارے ہوئے ہیں۔بہر حال ان سات آٹھ ماہ میں اپنی خود داری کا سودا نہ کرنے سے کردار میں جو تقویت پیدا ہوئی ہے وہ ہزاروں ترقیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔''68

۴ مارچ ۱۹۸۶ء کے خط میں ریڈر کی خوشخبری سناتے ہوئے پھولے نہیں سماتے ہیں:

''بالآخر یونیورسٹی نے یکم فروری ۱۹۸۴ء سے مجھے ریڈر منظور کرلیا ہے۔انٹرویو پرسوں ہوا تھا۔دیر آید درست آید۔پچھلے بقایا جات مل جائیں گے''۔69

ایک خط میں اپنے عزیز محبوب راہی کو یہ نصیحت کرتے نظر آتے ہیں کہ بعض فنکار زیادہ انعام،اعزازات اور عہدوں کے حاصل کرنے میں خود کا سودا کرتے ہیں اور اپنا ضمیر بیچتے ہیں اس

لیے ایسے لوگوں سے دوری اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔حق پرستی ،خودداری اورانصاف پرستی جیسی صفات کو اپنانے کی تاکید کرتے ہیں اورمحبوب راہی کومہاراشٹر اردو اکادمی کی رکنیت حاصل کرنے پرمبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا دیتے نظر آئے ہیں :

''زیادہ انعام ، اعزاز، کرسیاں اور عہدے حاصل کرنے والے فنکار خود کو اور اپنے فن کو بیچتے ہیں۔اللہ کا شکر ہر سانس پر ادا کرو کہ ہم نے یہ سودے کبھی نہیں کیے اور پھر بھی اس نے ہمیں مخالفین کے ہجوم میں سرخرو اور سربلند رکھا۔ مانگ کر ملنے والے لاکھوں سے وہ ہزار اچھے جو غیر متعلق لوگ حق سمجھ کر عطا کریں۔اردو اکادمی کی رکنیت بہت بہت مبارک ہو۔عاصمہ بھی بہت خوش ہیں ان شاءاللہ یہ سب ابتدائی زینے ہیں کامرانیاں اور قدم چومیں گی۔نظر بلند رکھو۔حق پرستی شعار کرو، کسی کے سامنے سر جھکاؤ نہ کسی کے ساتھ بے انصافی کرو۔اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً جو مشورے درکار ہوں، حاضر ہوں۔ایک کام وہاں سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کل ہند پیمانے پر منتخب شاعری اور نثری تخلیقات (اردو) کے ہندی ترجمے شائع کیے جائیں''۔70

مجموعی اعتبار سے اس کتاب کا مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس پوری کتاب میں پروفیسر مظفر حنفی نے اپنے عزیز ڈاکٹر محبوب راہی کو ہمیشہ اچھی باتیں کرتے ہوئے انہیں تحقیق کی راہوں سے آگاہ کرتے نظر آتے ہیں۔انہوں نے ۱۹۷۸ء سے لے کر ۲۰۰۵ء تک محبوب راہی کو جو خطوط لکھے تھے۔ان خطوط میں کبھی ڈانٹ ڈپٹ کیا تو کبھی خوش خلقی کے ساتھ سمجھاتے نظر آئے ہیں۔ انہوں نے کبھی ادیب وشاعر کی حیثیت سے گفتگو کی ،تو کبھی ایک معلم کی حیثیت سے مختلف طرز سے ممکنہ طور پر سمجھانے کی سعی بھی کی ہے۔اس مجموعہ خطوط میں مظفر حنفی جیتے جاگتے ، چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ تحقیقی مقالہ کی ابواب بندی سے لے کر ماٰخذ ومراجع کی نشاندہی کرتے اور وہیں کتابیات کس طرح ترتیب دینا چاہیے ان تمام امور کو بڑی خوبی سے سمجھایا ہے۔اصلاح کرتے وقت شاعری کے معیار و

مضامین کے انتخاب پر توجہ دلاتے ہیں۔ جہاں موضوع ومواد کے اعتبار سے ان کے خطوط اہمیت رکھتے ہیں تو وہیں اسلوب کے اعتبار سے بھی اہم ہیں۔ یہ خطوط اس وجہ سے بھی خصوصیت رکھتے ہیں کہ اس کے ذریعے ان دونوں کے درمیان گہرے روابط کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ مجموعہ جہاں پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے وہیں مکاتیب کی دنیا میں ایک اہم اضافہ بھی ہے۔

(ہ) تحقیق وتنقید

تحقیق وتنقید

ہندوستان میں محققین وناقدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔تحقیق کے ساتھ ساتھ تنقید کے میدان میں بھی گراں مایہ خدمات انجام دینے والوں کی فہرست میں ایک اہم نام مظفر حنفی کا بھی ہے۔ انہوں نے مضامین لکھے، افسانے قلمبند کیے، تحقیقی وتنقیدی کتابیں تحریر کیں، ترجمہ کی اہم ذمہ داری نبھائی، صحافت کے کاز کیے۔بحیثیت شاعر نام کمایا تو اسی کے ساتھ خطوط لکھے، دیوان کو مرتب ومزین کر کے اردو ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔یہاں ان کی تحقیقی وتنقیدی کتابوں اور مرتبہ تصانیف کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

1۔میر تقی میرؔ

میر تقی میرؔ کی حالات زندگی اوران کی شاعری کی مختصر مگر مفید معلومات پر مبنی ایک مونوگراف ہے۔جو میرؔ کی زندگی سے متعلق معلومات پر ایک اجمالی دستاویز کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ان کی اس کتاب کو اردو اکادمی، دہلی نے ۲۰۰۹ء میں شائع کیا تھا۔حرف آغاز اس وقت کے اردو اکادمی دہلی کے سکریٹری مرغوب حیدر عابدی نے تحریر کیا تھا جو دو صفحہ پر مبنی ہے اور اس کا پیش لفظ وائس چیرمین پروفیسر قمر رئیس نے رقم کیا ہے۔واضح ہو کہ اس اکادمی کا چیرمین دہلی کا وزیر اعلیٰ ہوتا ہے۔پیش گفتار، میر تقی میرؔ کے مصنف پروفیسر مظفر حنفی نے لکھا ہے۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں انہوں نے میر تقی میرؔ کی شخصیت وسوانح کو قلمبند کیا ہے۔ پہلا حصہ ۸۲ صفحات پر مبنی ہے۔اس کتاب کا دوسرا حصہ میر تقی میرؔ کی شاعری سے متعلق ہے۔اس حصے میں ان کی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔۱۶۸ صفحات کی اس کتاب میں پہلا حصہ نثر پر مشتمل ہے اور دوسرا نظم پر۔اس کتاب کے بارے میں مرغوب حیدر عابدی، سکریٹری اردو اکادمی دہلی نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے صاحب کتاب کی محنت ولگن کی ستائش کی ہے تو وہیں

اس کتاب کی اہمیت وافادیت سے متعلق یوں رقم کیا ہے:

''زیرِنظر مونوگراف اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں اردو اکادمی نے ادب عالیہ کے حوالے سے کلاسیکی ادباء وشعراء کے مختصر حالات زندگی اور ان کی منتخب تحریروں کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ نئی نسل ہمارے مشاہیر کے حیات اور کارناموں سے واقف ہوسکے۔۔۔میں اس کتاب کے مصنف کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت ولگن اور دلجمعی کے ساتھ اس کام کو مکمل کیا اور ہماری درخواست پر اس ذمہ داری کو بھی خود ہی ادا کیا کہ کتاب کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ بھی اپنی نگرانی میں کرائی۔ان کی اس محنت نے اکادمی کے اشاعتی ذخیرے میں بیش قیمتی اضافہ کیا''۔71

مظفرحنفی ایک اچھے محقق وناقد ہیں۔ان میں تحقیقی لگن وجستجو ہے وہ کسی بھی کام کو بڑی محنت و لگن سے انجام دیتے ہیں۔اس مونوگراف کی تیاری میں بھی ان کی محنت شاقہ کو بڑا دخل رہا ہے۔میر تقی میؔر پر اپنی کتاب لکھنے کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے مظفرحنفی لکھتے ہیں:

''ناقدین میں ایسے جیالے تو نکلے جنہوں نے میؔر کے کلام میں نہایت پستی کا مشاہدہ کیا لیکن اس کے ساتھ اسی زبان میں ان کی شاعری کی انتہائی بلندیوں کا اعتراف بھی کیا۔میؔر کی بدمزاجی، کج خلقی اور بے دماغی نے بیشمار اہل قلم حتیٰ کہ ان کے محسن نوابوں، راجاؤں اور رئیسوں کو کبیدہ خاطر اور بدمزہ کیا۔لیکن ان میں سے کسی نے بھی بحیثیت شاعر ان کی عظمت کا بطلان نہیں کیا''۔72

انہوں نے اس عہد کا پس منظر بیان کرتے ہوئے میر تقی میؔر کی زندگی کی حقیقت، ان کی کسمپرسی، اور غربت وافلاس کی اہم وجہ کی طرف بھی روشنی ڈالی ہے۔مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

''میر تقی میؔر نے اس تباہی اور بربادی اور مغل سلطنت کے عبرت ناک زوال کو بہت قریب سے دیکھا اور وہ خود بھی دہلی کی طرح بار بار لٹتے رہے۔دکھ جھیلتے

رہے، بے روزگار ہوتے رہے اور اس عہد کے المیے کو اپنے رگ وریشے میں
پیوست کرتے رہے، کہا جاتا ہے کہ میرؔ کی غزلیں دراصل دل اور دلی کے مرثیے
ہیں۔''73

اس کتاب کا دوسرا حصہ میر تقی میرؔ کی شاعری اور اس کا انتخاب سے متعلق ہے۔اس کتاب کے لکھنے کا مقصد ہی میر تقی میرؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف تھا چنانچہ یہ کتاب ہی اس بات کی غماز ہے۔انہوں نے میر کی غزلوں کے دس فیصد حصے کو اپنے انتخاب میں جگہ دی ہے۔اپنے انتخاب سے متعلق وہ فرماتے ہیں:

''اس کتاب کا دوسرا حصہ میرؔ کے منتخب کلام پر مشتمل ہے۔انتخاب کا معاملہ بھی بڑا
پیچیدہ ہوتا ہے کہ ہر فرد کی پسند اور ناپسند دوسروں سے مختلف ہوتی ہے۔میں نے
حتیٰ الامکان سعی کی ہے کہ میرؔ کی غزلوں کے کم وبیش دس فیصد حصے کو اس انتخاب
میں جگہ مل جائے اور ان کے نمائندہ کلام سے عام قاری کی روشناسی ہو جائے''۔
74

میر تقی میرؔ کی شاعری میں غم و یاس اور درد والم کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے میرؔ کے زمانے کے تاریخی واقعات کو قلمبند کیا ہے اور اسی کے ذریعے میرؔ کی حزنیہ شاعری کو سمجھنے کی سعی بھی کی ہے:

''میرؔ نے تنگی میں گزر اوقات کی اور ان (والد) کے انتقال کے بعد سے پچاس
برس کی ادھیڑ عمر ہونے تک میرؔ کو زندگی میں سرد ساعتوں کے جھونکے چند ایک ہی
نصیب ہوئے۔وگرنہ ان کو تمام عمر پریشانی، غریبی اور محرومیوں کے صحراء میں
جھلستے ہوئے بیتی۔اپنے اردگرد انہوں نے لوٹ، کھسوٹ، تباہی، قتل و غارت
گری اور خانہ جنگیاں ہی دیکھے آسودگی کا سایہ انہیں کہیں ہاتھ نہ آیا۔ہندوستان
کی عظیم مغلیہ سلطنت کو پارہ پارہ ہو کر بکھرتے ہوئے اور مال غنیمت کی طرح لٹتے

ہوئے میرؔ نے قریب سے دیکھا۔احمد شاہ ابدالی کے بار بار کے حملوں کو دہلی کی طرح میرؔ کے دل نے بھی جھیلا۔جس انقلاب نے دہلی کو روند کر ریزہ ریزہ کیا۔ میرؔ مسلسل اس میں پستے رہے یہ تمام باتیں چونکہ ان کی ذات پر بیتی تھیں اور درد و الم کی لہریں ان کے خون میں گردش کر رہی تھیں، اس لئے شدت احساس کے حامل میرؔ کی شاعری اپنے وقت اور ماحول کے دکھ درد اور مسائل کا آئینہ بن گئی۔ ظاہر ہے اس ماحول میں سانس لینے والوں کو اس کلام میں اپنا اور اپنے آس پاس کی زندگی کا منھ بولتا نقشہ نظر آیا''۔75

میر تقی میرؔ کے بارے میں ناقدین نے صرف ان کی زندگی کے حزنیہ پہلوؤں کو ہی پیش کیا ہے لیکن مظفر حنفی نے ان کی زندگی کے صرف حزنیہ پہلو ہی کو پیش نہیں کیا بلکہ ان کی زندگی کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے جہاں میرؔ کا حوصلہ، میرؔ کی ظرافت اور میرؔ کی سماج سے وابستگی بھی نظر آتی ہے مثلاً وہ رقم کرتے ہیں:

''ایسا بھی نہیں کہ غم واندوہ کے سامنے میرؔ سرتاسر پسپا ہو گئے ہوں۔وہ ایک سرگرم اور متحرک انسان کی طرف میلے ٹھیلوں میں بھی نظر آتے ہیں۔اپنے احباب پر فقرے بھی چسپاں کرتے ہیں۔دوستوں کے ساتھ گپ شپ اور ہنسی مذاق بھی کرتے ہیں۔ذکر میرؔ میں بیان کردہ ان کے لطیفوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے رنج والم بے کنار میں تیرتے ہوئے ہنس کر اور ہنسا کر زندگی گزارنا بھی آتا تھا اور ان کے مزاج میں حس لطیف اور ظرافت کی کمی نہیں تھی۔نا ہی وہ عام زندگی سے بے تعلق تھے''۔76

میرؔ کی زندگی کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو ان باتوں کی جانکاری ہمیں ضرور ملتی ہے کہ وہ عین جوانی میں دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔انہیں عشق بھی ہوا تھا اور عمر کے بیشتر حصے کسمپرسی میں گزرے جن کی وجہ سے ٹینشن، جھلاہٹ، جھنجھلاہٹ، غصہ اور چڑچڑاپن آ گیا تھا۔ان سب کے باوجود وہ

خوددار واقع ہوئے تھے اور درویشی میں بھی بادشاہت کا رعب وداب موجود تھا۔ان کی خودداری اور درویشانہ صفات کے درآنے کی وجوہات بتاتے ہوئے مظفر حنفی تحریر کرتے ہیں:

''عنفوان شباب میں جنون کی شدت زمانے کی تلخیوں اور بچپن سے جوانی تک مسلسل پریشان حالی ،نکبت اور بیروزگاری کے ہاتھوں تکلیفیں جھیلنے کی وجہ سے میرؔ کے مزاج میں زود رنجی ، جھنجھلاہٹ کا پیدا ہوجانا فطری بات ہے۔اپنی شاعری کی عظمتوں کا انہیں بخوبی اندازہ تھا۔اس لئے انا پسندی بھی افتادطبع کا جزو بن گئی تھی۔درویشانہ ماحول اور متصوفانہ رجحان نے غیرت اور خودداری کو انتہا پر پہنچادیا تھا''۔7

اردو شاعری کے موضوعات میں عشق وعاشقی کا بیان بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ہر غزل گو شاعر عنفوان شباب میں عشقیہ شاعری ضرور کرتا ہے میرؔ نے بھی عشقیہ شاعری کی تھی۔میر کی عشقیہ شاعری کی انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے مظفر حنفی نے اس کی وجوہات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''محبوب کے دھیان میں مگن رہنا عاشقوں کا محبوب مشغلہ ہے۔شاعروں خصوصاً غزل گویوں نے اس موضوع پر کثرت سے طبع آزمائی کی ہے۔جرأتؔ اور داغؔ وغیرہ نے تو ایسے ایسے زاویوں سے بزم نگار سجائی ہے کہ بہتیرے پاک طینوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔لیکن استادالشعراء خدائے سخن میر تقی میرؔ اس میدان میں بھی ممتاز منفرد نظر آئے ہیں۔ بہت کم عمری میں ہی ان کے صوفی باپ نے عشق کی عظمت کا نقش کچھ ایسے پختگی کے ساتھ موصوف کے ذہن ودل پر مرتسم کردیا تھا کہ عنفوان شباب میں ہی میرؔ نے ایک پری پیکر سے اتنی والہانہ محبت کی کہ ہوش وحواس سے بے گانہ ہوگئے اور تقریباً تین سال تک مجنونانہ زندگی بسر کی۔انہیں اس عالم جنوں میں اپنی محبوبہ چاند میں نظر آتی رہی، چنانچہ ایک شعر میں کہتے ہیں:

ہم نہ کہتے تھے کہ نقش اس کا نہیں نقاش سہل
چاند سارا کھپ تب نیم رخ صورت ہوئی

78''۔

کم عمری میں میر تقی میرؔ پر گھر کے صوفیانہ ماحول کے کیا اثرات مرتب ہوئے اور ان کے شعور میں یہ باتیں کس قدر جگہ پائی۔ میر کے یہاں اس کی تلاش کر کے اس کا نفسیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ مظفر حنفی فرماتے ہیں:

''میرؔ سرتا پا فنافی العشق ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ ان کی عمر مشکل سے پانچ برس کی رہی ہوگی جب سے میرؔ کے شعور و لاشعور میں یہ بات پیوست کی جا رہی تھی کہ یہ کائنات دراصل عشق کا کارخانہ ہے اور زندگی محبت کے بنا بے معنی ہے۔ چنانچہ ان کے والد کم سنی میں ہی انہیں عشق کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے، اپنے صوفی منش باپ کی ہدایت کو فرمانبردار بیٹے نے اس طرح گرہ میں باندھا کہ تیرہ چودہ برس کی عمر میں ہی ایک قتالہ عالم کی محبت میں اتنی شدت کے ساتھ مبتلا ہوا کہ اسے جنون ہو گیا''۔79

اب مظفر حنفی کی تصنیف کردہ کتاب میر تقی میرؔ سے انتخاب شدہ کلام میں سے کچھ شاعری کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کے کلام کا انتخاب صفحہ ۸۳ سے ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ بہر حال ان کے منتخب شدہ غزل و اشعار میں سے کچھ نمونتاً پیش خدمت ہے:

کئی دن سلوک وداع کا، مرے درپئے دل زار تھا
کبھو درد تھا، کبھو داغ تھا، کبھو زخم تھا، کبھو دار تھا

دم صبح بزم خوش جہاں، شب غم سے کم نہ تھی مہرباں
کہ چراغ تھا سو تو دود تھا، جو پتنگ تھا سو غبار تھا

دل خستہ جو لہو ہو گیا، تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
کبھو سوز سینہ سے داغ تھا، کبھو درد وغم سے فگار تھا

دل مضطرب سے گزر گئی ، شب وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا، نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ قرار تھا

یہ تمہاری ان دنوں دوستاں ، مژہ جس کے غم میں ہے خونچکاں
وہی آفت دل عاشقاں، کسو وقت ہم سے بھی یار تھا

کبھو جائے گی جو ادھر صبا، تو یہ کہیو اس سے کہ بے وفا
مگر ایک میرؔ شکستہ پا، ترے باغ تازہ میں خار تھا

80

میر تقی میرؔ کی یہ غزل بہت ہی مشہور و معروف بھی ہوئی اور گانے والے اور گانے والیوں نے اسے خوب گایا بھی ہے، اپنی خوبصورت آواز دے کر غزل کو مزید خوبصورت بنایا بھی ہے۔ آسان لب و لہجے اور مختصر بحر کی یہ غزل ڈائریکٹ دل میں ہی اتر جاتی ہے اور دیر تک اثر کرتی ہے یہی تو جادو ہے میرؔ کا جو سر چڑھ کر بولتا ہے:

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب تو دو جام، خالی ہی دو، میں نشے میں ہوں

مستی سے درہمی ہے مری گفتگو کے بیچ
جو چاہو تم بھی مجھ کو کہو ، میں نشے میں ہوں

یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانند جام مے
یا تھوڑی دور ساتھ چلو، میں نشے میں ہوں

معذور ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پڑے
تم سر گراں تو مجھ سے نہ ہو، میں نشے میں ہوں

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میرؔ جی
جوں شیشہ مرے منھ نہ لگو، میں نشے میں ہوں

81

مظفر حنفی کے انتخاب کردہ میر تقی میرؔ کے قطعات ور باعی میں سے ایک بطور نمونہ پیش خدمت ہے۔جس میں میر کے عہد کے حالات اور میر کی ذاتی زندگی کا نقش واضح طور پر نظر آتا ہے۔مثلاً:

یا رب شہر اپنا یوں چھڑایا تونے
ویرانے میں مجھ کو لا بٹھایا تونے
میں کہاں اور لکھنؤ کی یہ خلقت
اے وائے یہ کیا کیا خدایا تونے

82

اپنی کتاب ''میر تقی میر'' میں مظفر حنفی نے میرؔ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے اس عہد کے ماحول اور سماجی وسیاسی صورتحال کا نقشہ پیش کیا ہے اور ساتھ ہی دہلی اور اہل دہلی کے حالات ، حادثات اور سانحات کا تجزیہ بھی کیا ہے میر پر دلی کی زبوں حالی، کسمپرسی، مایوسی، ناامیدی اور ابتر حالات سے کس طرح کے اثرات مرتب ہوئے اس کا جائزہ بھی لیا گیا ہے اور مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ان کی مختصر مگر مفید اور معلومات سے پر کتاب کو پڑھنے کے بعد اگر ایک طرف میر تقی میرؔ کے ابتدائی حالات اور ان کی جدوجہد بھری زندگی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے تو وہیں دوسری طرف ان کی کسمپرسی، غربت وافلاس سے پر زندگی کی وجوہات پر بھی روشنی پڑتی ہے ساتھ ہی ان کے منتخب کلام کے مطالعہ سے بھی مظفر حنفی کی وسعت فکر اور ان کے نظریہ کا اندازہ ہوتا ہے۔اس کتاب کے پڑھنے سے میر تقی میرؔ کے حالات زندگی اور اس عہد کے سیاسی سماجی، معاشی اور جمالیاتی ونفسیاتی مطالعہ سے نہ صرف میر تقی میرؔ کو سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ مظفر حنفی کا نقطۂ نظر بھی ظاہر ہوتا ہے یعنی کہ وہ ایک سائنٹفک نقاد معلوم ہوتے ہیں۔

2۔شاد عارفی: شخصیت اور فن

پروفیسر مظفر حنفی کا یہ اصل میں تحقیقی کام ہے جو انہوں نے پی ایچ ڈی تھیسس کے لیے کیا تھا۔ یہ مقالہ جب کتابی شکل میں منظر عام پر آیا تو ادبی دنیا میں اس کی بہت پذیرائی ہوئی۔ مظفر حنفی کی تحریر کردہ کئی کتابوں کی طرح یہ بھی اب مفقود ہے اور اسے بھی از سر نو شائع کرنے کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔اس کتاب کا پیش لفظ مشہور ادیب اور ماہر لسانیات پروفیسر مسعود حسین خان سابق شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نے تحریر کیا ہے۔شاد عارفی: شخصیت اور فن پر خلیق انجم نے بھی رائے دی ہے۔خلیق انجم نے اس کے ابواب کا تعارف کرواتے ہوئے اس کتاب پر اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے:

> ''اس کا پہلا باب سماجی، اور ادبی پس منظر ہے۔جس میں برطانوی حکومت اور دیسی ریاستوں کے نظم ونسق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ باب مختصر ہے کیونکہ ڈاکٹر مظفر حنفی نے صرف ان حالات کا ذکر کیا ہے جو شاد عارفی کی شخصیت کی تعمیر کے تجزیے کے لئے ضروری تھے دوسرا باب سوانح حیات اور شخصیت ہے۔یہ باب لکھنے میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پہلی بار شاد عارفی کے مکمل سوانح لکھے گئے ہیں۔اس کے بعد غزلیں، نظمیں، متفرق شعری تخلیقات کے تحت شاد عارفی کے تمام شعری سرمائے کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔شاد صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک اچھے نثر نگار بھی تھے شاعری کی طرح ان کی نثر میں بھی ایک بانکپن موجود تھا۔ڈاکٹر مظفر حنفی نے تخلیق۔۔۔تنقید اور خطوط کے عنوانات کے تحت شاد عارفی کے نثری کارناموں کا جائزہ لیا ہے''۔83

مظفر حنفی کی تحریر کردہ یہ کتاب اپنے زمانے میں خوب پسند کی گئی اور نوجوان محققین کے لیے اس کتاب کو پڑھنے کے بعد تحقیق کے فن کو سمجھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگی۔

3۔منتخبات شاؔد عارفی (منتخب نظمیں اور غزلیں)

اس کتاب کا نام یا پڑھتے ہی یہ بات خود بخود عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ کتاب شاؔد عارفی کی منظوم خدمات پر مشتمل ہے۔ذکر کردہ کتاب میں شاد عارؔفی کی شاعری یعنی ان کی نظموں اور غزلوں کا انتخاب ہے۔اس کتاب میں پروفیسر مظفر حنفی کا ایک مضمون بعنوان ''اردو ادب میں شاؔد عارفی کا مقام'' شامل ہے جو صفحہ پندرہ سے شروع ہوکر صفحہ اٹھارہ پر ختم ہوتا ہے۔اس کے بعد شاد عارؔفی کی نظمیں اور غزلیں ہیں اور کل صفحات ۳۳۶ ہیں۔ یہ کتاب ۲۰۱۵ء میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں نظمیں ہیں اور دوسرے میں غزلیں۔ابتداء میں انہوں نے ایک مختصر سا تعارفی مضمون شاؔد عارفی پر قلمبند کیا ہے۔اس میں ان کی نظموں اور غزلوں کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے موضوعات کے پھیلاؤ اور تنوع کی وجہ سے انہیں انیس، اقبال اور جوش کی صف کا شاعر بتایا ہے، مثلاً مظفر حنفی لکھتے ہیں:

> ''ان کی ان نظموں میں جو سماجی مقصدیت اور حقیقت نگاری ہے اس سے شعریت مجروح نہیں ہوتی اور یہ خصوصیت مشہور ترقی پسند شاعروں کے کلام میں بھی کم نظر آتی ہے۔وہ ترقی پسند ضرور ہیں لیکن ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے۔نظریاتی طور پر کمیونزم سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن عوامی بہبود انسان دوستی کا جذبہ ان کی نظموں میں پارٹی لائن پر کام کرنے والے کمیونسٹ شاعروں سے کہیں زیادہ ہے۔ان کی نظموں میں موضوعات کا جو تنوع اور پھیلاؤ ہے وہ گہرائی اور افادیت سے مل کر انہیں نظؔیر اکبرآبادی، انیؔس، اقباؔل، اور جوؔش کی صف کا نظم گو شاعر بناتا ہے''۔84

جب شاعری کی بات چلے اور عشق و عاشقی کا ذکر نہ چھڑے ایسا ممکن نہیں چنانچہ ہر نوجوان شاعر عہد شباب میں اپنی غزلوں میں عشق و محبت کے جذبات کی ترجمانی کرتا نظر آتا ہے۔شاد عارفی

کی شاعری میں بھی یہ وصف واضح طور پر ملتا ہے۔ مظفر حنفی نے بتایا ہے کہ ان کا یہ عشق ہندوستانی گھریلو محبت اور متوسط طبقے کی عکاسی کرتا ہے۔ چنانچہ ان کے اس عشق کے جذبات کا اظہار خیال کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''شادؔ عارفی کے عشقیہ غزلوں کے وسیلے سے ہمیں حقیقی معنوں میں پہلی بار ہندوستانی گھریلو محبت اور متوسط طبقے کے جیتے جاگتے مانوس، عاشق ومحبوب اردو شاعری میں نظر آتے ہیں۔ وہ روداد عشق بیان کرنے میں موشگافیوں سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے نجی تجربات کی چھوٹ سے غزل کو منور کرتے ہیں۔ صحت مند جسمانیت، پاکیزہ جنسیت، نرم وگرم لمسیت، مردانہ اور فعال رجحان اور احتساسی ذائقہ رکھنے والی جوان عشقیہ غزل اردو شاعری میں شادؔ عارفی کے ہاں پہلی بار نظر آتی ہے''۔85

اس کے بعد شادؔ عارفی کی نظموں اور غزلوں کا انتخاب شامل ہے۔ مظفر حنفی نے ان کے کلام سے چند مثالیں بھی بطور انتخاب دی ہیں۔ اس میں ایک نظم ''ساس بہو'' بھی ہے۔ ملاحظہ کریں:

ادھر منھ پھیر لو اندھے کہارو
بہن دلہن کو ڈولے سے اتارو
ملے گا سب کو حق ، چیخیں نہ مارو
میں صدقے جاؤں آنکھوں پر بٹھالو
بلائیں لوں کہ سینے سے لگالوں
ذرا ٹھہرو، گلوری تو چبالوں
اسی کمرے میں وہ شمعیں تو جلادو
گھسے آتے ہیں، بچوں کو ہٹادو
مری گڑیا کو تکیے سے بٹھادو

غلاف اس گاؤ پر نوے روپے کا
برا لگتا ہے اس مسند پہ چیکا
کسے آتا نہیں ہے یاد میکا

86

مظفر حنفی کے اس انتخاب میں ان کے استاد شاد عارفی کی کئی غزلیں شامل ہیں ۔ یہاں صرف ایک مثال کے لیے بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

مئے سے بھر پور جام ہوتا ہے
ورنہ خالی تو نام ہوتا ہے
شام سے اہتمام ہوتا ہے
تب وہ بالائے بام ہوتا ہے
جس کے ہاں کچھ پیام ہوتا ہے
شاعر بزم عام ہوتا ہے
کرم خاص چاہتے ہیں ہم
مسکرادو تو کام ہوتا ہے
ہاتھ سے یا زبان ہی سے نہیں
آنکھ سے بھی سلام ہوتا ہے
میں جو بدنام ہو رہا ہوں تو کیا
آپ کا بھی تو نام ہوتا ہے
شیخ صاحب وہاں ہمارا بھی
کچھ نہ کچھ احترام ہوتا ہے
بات اس سے نہ ہو سکی جس کا
سامنا صبح شام ہوتا ہے

اس کی درگت نہ پوچھ شآد مرا
جس لفافے پہ نام ہوتا ہے
87

4۔مضامین تازہ

مظفرحنفی کی تحقیقی وتنقیدی تصانیف میں ''مضامین تازہ'' بھی اہم کتاب ہے۔اس کتاب میں مظفرحنفی کے تحریر کردہ وہ مضامین شامل ہیں جومختلف سیمینار وسمپوزیم میں پڑھے گئے تھے یا کسی رسالے یا جریدہ کی زینت بن چکے ہیں۔مظفرحنفی کا یہ سلیقہ ہے کہ وہ اپنے مضامین ہوں یا شاعری نظم ہو یا نثر ہرایک کوممکنہ حدتک سنبھال کر رکھتے تھےاور موقع وحالات کے پیش نظراس کی اشاعت کوممکن بھی بناتے تھے۔مضامین تازہ نامی کتاب میں کل ۲۱ مضامین ہیں اور مظفرحنفی سے لیا گیا ایک انٹرویو بھی شامل ہے۔مضامین کچھ یوں ہے، میرؔاجی:شخصیت کے ابعاداورفن کی جہات، باتیں کوثر چاند پوری کی ،امتیازعلی عرشی کی یادمیں،عینی اوراردوفکشن،احمدزین الدین کے مضامین،ڈاکٹرعبدالکلام کا کلام بلاغت نظام،دوگززمین ظفر کے لئے،کچھ دلیپ سنگھ کے بارے میں،عورت کی آزادی اورتعلیم نسواں کےتئیں اقبال کا رویہ،ہندوستان کی تحریک آزادی میں خواتین کا حصہ،احساسات اقبال میری نظر میں،نصرؔغزالی اورغزل،آزادی کے بعد مدھیہ پردیش میں اردوتنقیدوتحقیق کا منظرنامہ،معین احسن جذبی بحیثیت غزل گو،میں اورمیرا ادبی سفر،محبوب راہیؔ کے نام،سیداحمدشمیم کی'ارژنگ':ایک تنقیدی جائزہ،سہل ہے میرؔکا سمجھنا کیا!،ابومحمدسحر کچھ یادیں کچھ باتیں،ساغرؔنظامی کی شعری کائنات، رومیں ہے رخش عمر،مکالمہ(متکلم:ڈاکٹرراشدعزیز)۔اس فہرست سے یہ بات مکمل طورسے سامنے آتی ہے کہ انہوں نے تنقید کے میدان میں بھی اپنی صلاحیت کا لوہا منوایاہے اور الگ الگ موضوعات پر مضامین تحریرکیے ہیں جس سے ان کی تنقیدی بصیرت کا بھی علم ہوتا ہے۔''مضامین

تازہ'' میں تنقیدی بصیرت کی حامل تحریریں ہیں۔ وہ جس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں اس پر غیر جانبداری کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کی تحریروں میں بے جا تعریفیں نہیں ملتی اور نہ ہی اپنی تنقیدی نثر کو خوبصورت بنا کر پیش کرنے کی کوششیں ملتی ہیں بلکہ وضاحت وصراحت ان کی تنقید کا خاص وصف ہے۔ ان کی تصنیف ''مضامین تازہ'' جنوری ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آئی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون کے سبب موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ایک مضمون میراجؔی سے متعلق ہے۔ اس مضمون میں میراجی کی تصانیف کی تفصیلات دی گئی ہیں، مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

> ''یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ میراجؔی کی زندگی میں ان کے گیتوں کا ایک مجموعہ بعنوان 'میراجؔی کے گیت' مکتبہ اُردو لاہور سے اور دوسرا 'گیت ہی گیت' ساقی بک ڈپو دہلی سے چھپا تھا نیز شعری مجموعہ 'میراجؔی کی نظمیں' بھی ساقی بک ڈپو ہی نے شائع کیا تھا اور تجزیاتی مضامین کا متذکرہ بالا مجموعہ 'اس نظم میں' اسی ادارے کے وسیلے سے منظر عام پر آیا تھا۔ اُن کی وفات کے بعد مندرجہ ذیل کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں: 'مشرق ومغرب کے نغمے' کا ذکر پہلے آچکا ہے، ۱۸۵۸ء میں چھپا تھا۔ 'پابند نظمیں' اور 'تین رنگ' ۱۹۶۸ء میں کتاب نما، راولپنڈی سے شائع کیں۔ سنسکرت شاعر دامودر گپت کی کتاب کا نثری ترجمہ 'نگار خانہ' کے نام سے مکتبہ جدید لاہور نے ۱۹۵۰ء میں چھاپا تھا۔ بعد ازاں عمر خیامؔ کی رُباعیات کا ترجمہ 'خیمے کے آس پاس' مکتبہ جدید لاہور سے ۱۹۶۴ء میں منظر عام پر آیا اور پھر جمیل جالبی کا مرتبہ 'کلیاتِ میراجؔی' ۱۹۸۸ء میں اُردو مرکز (لندن) نے شائع کیا جس کا ہندوستانی ایڈیشن فرید بک ڈپو (دہلی) کے وسیلے سے منصۂ شہود پر آیا ہے''۔88

اس مضمون کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مظفر حنفی کا مطالعہ وسیع تھا اور وہ گہرے مطالعہ کے بعد ہی مضامین لکھا کرتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ان کے مضامین میں سادگی ہے اور وہ اپنی رائے کو وضاحت کے ساتھ دیتے تھے تاکہ قارئین ان کے اصل مقصد اور مفہوم تک آسانی کے ساتھ پہنچ سکے۔اس کتاب میں ایک مضمون جنگ آزادی سے متعلق ہے اس میں انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہمیں جنگ آزادی کے لئے لوگوں کو اپنے ماضی کے معمار، قائدین، مجاہدین کے کارنامے، ان کی خدمات کو یاد رکھنا چاہیے اور اسی کو انہوں نے زندہ قوموں کی نشانیاں قرار دیا ہے۔وہ کہتے ہیں:

> ''ہمیں اپنی آزادی کے لئے ایسے عظیم کارنامے انجام دینے والوں کو قدم قدم پر یاد کرتے رہنا چاہئے تاکہ آزادی کی صحیح قدر و قیمت کا احساس ہوتا رہے۔ ہمارے معاشرے میں آج بھی خواتین کو آگے بڑھنے کے مواقع کم دیے جاتے ہیں۔غلام ہندوستان میں عورتیں اور بھی زیادہ مجبور اور بے کس تھیں اس کے باوجود ملک کی آزادی کے لئے انہوں نے جو بے مثال قربانیاں دی ہیں اور لگاتار جدوجہد کی ہے اس کا ہم سب کو کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے کہ یہی زندہ قوموں کی نشانیاں ہیں''۔89

اس طرح سے پروفیسر مظفر حنفی کی تصنیف ''مضامین تازہ'' میں انہوں نے مختلف النوع مضامین لکھ کر اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کروایا ہے۔

5۔آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز و مزاح

پروفیسر مظفر حنفی کی ایک تصنیف ''آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز و مزاح'' ہے۔اصل میں یہ کتاب ان مضامین اور مقالات پر مبنی ہے جو ''آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز و مزاح'' سیمینار کے لئے لکھے گئے تھے۔انہوں نے اس سیمینار کے مضامین کو یکجا کر کے اور انہیں مرتب کر کے شائع

کروایا ہے۔ یہ کتاب دہلی اردو اکادمی کے ذریعے منصۂ شہود پر آئی ہے۔ یہ کتاب ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ۲۶/ مضامین شامل ہیں۔ حرف آغاز اس وقت کے دہلی اردو اکادمی کے سکریٹری مرغوب حیدر عابدی نے رقم کیا ہے۔ ڈیڑھ صفحات کے اس مختصر سے حرف آغاز میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں پروفیسر مظفر حنفی نے طنز و مزاح نگاروں کی منتخب تخلیقات کو یکجا کیا ہے اور اپنے مبسوط مقدمے میں اس فن کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور قلم کاروں کا تعارف بھی کرایا ہے۔ کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کا چوتھا ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے''۔90

مقدمہ مرتب کتاب پروفیسر مظفر حنفی نے رقم کیا ہے۔ یہ مقدمہ کل ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے جو صفحہ ۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۸ پر ختم ہوتا ہے۔ اس طویل اور مبسوط مقدمے کو انہوں نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ابتداء میں طنز و مزاح کی روایت اور اس کے شروعاتی دور پر گفتگو کی ہے اور دوسرے حصے میں اس کتاب میں ترتیب دیے گئے مضامین پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اردو میں طنز و مزاح کی ابتداء کرنے والے جعفر زٹلی اور حضرت امیر خسرو سے شروعات کرتے ہوئے اس وقت کے طنز و مزاح لکھنے والوں میں نو واردان کو بھی شمار کرایا ہے جس میں انور سدید، ساغر خیامی اور نریندر لوتھر کے وغیرہ نام شامل ہیں۔ واضح ہو کہ یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں پہلی بار منظر عام پر آئی تھی۔ مرتب کتاب نے اپنے مقدمہ میں ایک مقام پر اودھ پنچ اخبار کے بارے میں تفصیلات اور اس اخبار کی خصوصیات رقم کرتے ہوئے اس اخبار سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''بحیثیت مجموعی ''اودھ پنچ'' کی طنز و ظرافت کے میدان میں پیش رفت اور خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اپنے عہد میں منشی سجاد حسین کانگریس اور تحریک آزادی کے دوٹوک حامی رہے ہیں۔ ''اودھ پنچ'' کے اہل قلم نہ صرف اردو میں طنز و مزاح کے ایک نئے باب کا آغاز کرتے ہیں

بلکہ زبان وقلم کے دھنی بھی ہیں ان میں سے بیشتر کی تحریریں شگفتگی، شوخی اور بے تکلفی کی منھ بولتی تصویر ہیں۔ اپنے چلبلے انداز بیان اور زبان کی پختگی کے اعتبار سے انہیں ایک نئے اسلوب کا معمار بھی کہا جا سکتا ہے۔ لکھنو کی بول چال اور محاورہ بندی ان کی نمایاں خصوصیت ہے۔ یہ بھی ہے کہ ''اودھ پنچ'' کے مضامین کا دائرہ بے حد وسیع ہے ملک وقوم کے تقریباً تمام مسائل اور نشیب وفراز اس کے لکھنے والوں کی نگاہ میں تھے بطور خاص لکھنؤ کی معاشرت کی پر مذاق اور پر کشش عکاسی ان اہل قلم نے کمال خوبی کے ساتھ کی ہے۔ اس اخبار کا کام صرف ہنسنے کا سامان فراہم کرنا نہیں تھا بلکہ قوم کو سیاسی اعتبار سے بیدار کرنا تھا''۔91

بعد میں ان مضامین کا مختصر تعارف کراتے ہوئے ان پر اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ واضح ہو کہ اس کتاب میں شامل کل چھبیس مضامین اور مضمون نگار ہیں جو اس طرح سے ہیں، جھینگر کا جنازہ: خواجہ حسن نظامی، افیون کی پینک: ڈاکٹر عابد حسین، میر بیمار ہوئے: فکر تونسوی، جشن جمہوریت کی ایک دوپہر: فرقت کاکوروی، تیر ونشتر: خوشتر گرامی، ادبی لطیفے: کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، ٹھگ بدیا: آوارہ، کیسے نبھائیں کماؤ بیوی سے: مرزا محمود بیگ، شریک غالب: بیگم صالحہ عابد حسین، غالب اپنے کلام کے آئینے میں: پنڈت ہری چند اختر، کرسی: کوثر چاند پوری، وہ کون تھیں: بیگم انیس قدوائی، سرخ حاشیے: نریش کمار شاد، قصہ ڈاڑھ کے درد کا: مجتبیٰ حسین، مہمان: ڈاکٹر مظفر حنفی، نوسو چوہے، بلی اور حج: ڈاکٹر جاوید وششٹ، بی عورت کی کہانی: سید ضمیر حسن دہلوی، ایک دن کا سلطان: سراج انور، معذرت نامہ: دلیپ سنگھ، کرنا نظامت مشاعروں کی: عظیم اختر، سفر ہے شرط: معین اعجاز، پروفیسر چتر: ڈاکٹر صغریٰ مہدی، طنز پارے: م۔ احمد، تکیہ کلام: اندر جیت لعل، رجنی: شیخ سلیم احمد اور آخری مضمون اور اس کے لکھنے والے ہیں اسٹیٹس سمبل: محمد یوسف پاپا۔ اس طرح سے یہ چھبیس مضامین ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب میں ایک مضمون مرتب کتاب پروفیسر مظفر حنفی کا بھی شامل ہے۔ ان کے مضمون سے متعلق پروفیسر احتشام حسین نے کیا لکھا ہے، اس کتاب کے

مقدمہ سے اقتباس حاضر ہے:

''اثر پیدا کرنے اور فوری طور پر ذہنوں کو متوجہ کرنے کے لئے طنز ایک معقول حربے کا کام دیتا ہے۔اسے مظفر حنفی نے خاصی کامیابی اور مہارت سے استعمال کیا ہے۔مظفر حنفی نے نہ تو ناصح مشفق بننے کی کوشش کی ہے اور نہ اپنے کو ایک معلم اخلاق ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے بلکہ پڑھنے والوں کی رگ احساس کو چھیڑا ہے تاکہ وہ بھی سماج کی ان گندگیوں کو دیکھ لیں جنہیں مظفر نے دیکھا ہے.. مظفر حنفی نے اس کے لئے جو بول چال کی زبان اور جو ''بات چیتی'' انداز اختیار کیا ہے اس نے تاثر کا رنگ اور زیادہ گہرا کر دیا ہے''۔92

اس کتاب میں ایک مضمون مظفر حنفی کا شامل ہے جس کا عنوان ''مہمان'' ہے۔''مہمان'' کا ایک پیراگراف دیکھتے ہیں اور ان کے قلم کی روانی، سہل انداز بیان، زبان کا لطف اور زبان پر قدرت اور کتنی آسانی سے بات کو کہہ جانے کا انہیں سلیقہ آتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''میاں یہ لطیفہ اب کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہوتا جا رہا ہے میں نے رات کو تم لوگوں کی گفتگو سن لی ہے۔معاف کرنا۔کیا کریں برخوردار زمانہ ہی کچھ ایسا آ لگا ہے کہ ذرائع آمدنی تو بہت کم ہیں اور تکلفات زندگی کا شمار نہیں۔بہر حال تمہیں کہیں مہمان ہو کر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔آج ہم لوگ گھر واپس جا رہے ہیں۔ دعا کرنا کہ وہ ہمارے مہمان وہاں استقبال کرنے کے لئے اب تک موجود نہ ہوں! منصور اس بار واقعی روح کی تمام تر شگفتگی کے ساتھ ہنسا، عطیہ نے بھی اس کا ساتھ دیا لیکن نہ جانے کیوں ساتھ ہی ساتھ ان سب کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں''۔93

اس طرح سے از اول تا آخر یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اور ہر ایک مضمون اپنی جدا گانہ حیثیت رکھتا ہے اور سبھی مضامین طنز و مزاح کی خوبیوں سے لبریز ہیں۔اس میں طنز کی جھلک ہے

تو مزاح کا خوبصورت پہلو بھی ہے، اسی کی دہائی میں یہ مجموعہ مضامین ترتیب دیا گیا تھا اور ۲۰۰۳ء تک اس کی چار بار اشاعت عمل میں آ چکی تھی۔ دہلی میں اردو طنز و مزاح کو دیکھنا ہو اور اس کی صورت حال پر گفتگو کرنی ہو تو اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس مجموعہ میں آزادئ ہند کے بعد بدلے ہوئے حالات، احوال اور سیاسی، سماجی، معاشی اور اقتصادی مسائل کو موضوع بنا کر طنز و مزاح کی کوشش کی گئی ہے واضح ہو کہ اس کتاب میں شامل مضمون نگار فن طنز و مزاح نگاری میں دسترس رکھتے تھے۔ مختلف و الگ الگ ڈھنگ اور رنگ لئے ہوئے طنز و مزاح سے پر مضامین ہیں اسی لئے پوری کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ''آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز و مزاح'' کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور میرے پیش نظر چوتھا ایڈیشن ہے۔ اسی سے اس کتاب کی مقبولیت اور اس کی اردو ادب میں اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

6۔ جہات و جستجو

پروفیسر مظفر حنفی کے تنقیدی و تحقیقی مقالات و مضامین پر مشتمل ایک اور کتاب ''جہات و جستجو'' ہے۔ اس کے کل ۱۶۰ صفحات ہیں اور اس میں مضامین کی مجموعی تعداد گیارہ ہیں، وہ یوں ہیں۔ اردو شاعری اور ہندوستانیت، نئی غزل کے بیس سال ہندوستان میں، غزل کی زبان، جنگل کے مناظر اردو شاعری میں، اردو کہانی: آج اور کل، اردو میں ادب اطفال، تذکرۂ آثار الشعراء، کیفی اعظمی: مثلث کا تیسرا زاویہ، ایک اور تنقید گزیدہ: اعزاز افضل، حسرت کی شخصیت، ڈاکٹر عابد حسین بحیثیت طنز و مزاح نگار۔ ان کے ذکر کردہ مضامین سے اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا کہ انہوں نے مختلف النوع موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور ان کا مطالعہ و مشاہدہ بھی وسیع ہے۔ ان کی یہ تصنیف مکتبہ جامعہ لمیٹڈ سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔ اس کتاب کا انتساب انہوں نے اپنے بڑے بیٹے فیروز مظفر کے نام کیا ہے۔ پیش لفظ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے تحریر کیا ہے۔ پیش لفظ میں گوپی چند

نارنگ مظفر حنفی کی شخصیت اوران کی ادبی خدمات سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر مظفر حنفی، لکچرر اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی اردو ادب سے دلچسپیاں مختلف الجہات ہیں۔انہوں نے افسانے بھی لکھے ہیں،تنقیدی وتحقیقی مضامین بھی۔لیکن بنیادی طور پر وہ شاعر ہیں۔ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ایک منفرد لہجے کے شاعر کی حیثیت سے انہوں نے اپنا مقام بنا لیا ہے۔اپنے استاد شاؔد عارفی کے بارے میں ان کا کام خاصا وسیع و وقیع ہے جس کا سلسلہ ''ایک تھا شاعر'' سے شروع ہوکر ان کے تحقیقی مقالے ''شاد عارفی، شخصیت اور فن'' تک پہنچتا ہے۔اس مستقل موضوع کے علاوہ دیگر علمی وادبی موضوعات بھی ان کی توجہ کا مرکز بنتے رہے ہیں۔ان کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ ''نقد ریزے'' ۱۹۷۸ء میں شائع ہو چکا ہے''۔94

گوپی چند نارنگ نے آگے ان کے مضامین کا مجموعہ ''جہات وجستجو'' سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اوران کی محنت،لگن کی ستائش بھی کی ہے،مثلاً وہ فرماتے ہیں:

''زیرنظر کتاب ڈاکٹر مظفر حنفی کے تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا تازہ مجموعہ ہے۔یہ مضامین جومختلف موضاعات و جہات پر مشتمل ہیں ''نقد ریزے'' کی اشاعت کے بعد کی مختصر مدت میں معرض وجود میں آئے ہیں اوراسی سے ڈاکٹر حنفی کی محنت ولگن اور تیز نگاہی اور زود نگاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔زود نگاری اکثر سرسری اندازنظر کا باعث ہوتی ہے مگر مظفر حنفی کے شعور کی پختگی نے ہر جگہ اعلیٰ معیار کو قائم رکھنے میں مدد دی ہے''۔95

دو صفحے کے مختصر سے پیش لفظ میں گوپی چند نارنگ نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی تنقیدی خوبیوں کی بھی تعریف کی ہے اورانہیں دیگر نقادوں سے مختلف بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''ڈاکٹر مظفر حنفی بنیادی طور پر ایک تخلیق کار ہیں اور اس حیثیت سے ان کا شمار بر صغیر کی ممتاز ہستیوں میں ہوتا ہے۔ان کی اپنی آواز ہے اور اپنا لہجہ۔انہوں نے ادیبوں اور ادبی مسائل کو بھی بنیادی طور پر ایک تخلیق کار ہی کی نظر سے دیکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقید چاہے اشخاص سے متعلق ہو یا کوائف و مسائل سے، پیشہ ور نقادوں کی تنقید سے مختلف ہے۔اور یہی ان مضامین کی انفرادیت ہے۔مجھے امید ہے کہ یہ مضامین توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھے جائیں گے''۔96؎

پروفیسر مظفر حنفی نے اپنی اس کتاب میں مختلف النوع موضوعات پر مختلف النوع مضامین لکھ کر اردو زبان وادب کی خدمت کی بہترین کوشش کی ہے۔انہوں نے اپنی اس کتاب میں گونا گوں موضوعات کو موضوع بحث بنایا ہے۔اردو غزل سے متعلق رائے دیتے ہوئے اس کی مشترکہ تہذیبی خوبیوں پر اظہار خیال کیا ہے اور اسے غزل کا خاص وصف بتایا ہے اور اسی وجہ سے غزل کے شاعر کا عوام سے قریب تر آنا بھی ایک وجہ بتایا ہے،اقتباس دیکھئے:

''اس خیال کی تائید میں پوری اردو شاعری بالخصوص نئی غزل پیش کی جاسکتی ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول سے اردو زبان بھی وجود میں آئی اور ایک مشترکہ تہذیب بھی، چنانچہ ایک ہی سرچشمے سے فیضیاب ہونے والے یہ عناصر ایک دوسرے کو بھی متاثر کرتے رہے ہیں۔اس ضمن میں کافی مثالیں اور شہادتیں پیش کی جاچکی ہیں۔ایک زاویے کی طرف اور متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔اسلام کی وحدانیت اور اس کا مخصوص مزاج کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اس میں ضمیات، اساطیر اور دیومالا کے فروغ کی گنجائش نہیں ہے لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد اسلامی شریعت کے پہلو بہ پہلو صوفیائے کرام کی لچکدار وسیع المشربی، ہندوستانی آب وہوا کی جاذبیت اور دیگر اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے

میل جول نے جو اجتماع لاشعور تخلیق کیا اس میں ہندوستانی دیومالا کے بے شمار مظاہر مرتسم ہو گئے اور تخلیق کاروں کے اذہان ان دیومالائی اثرات کو لاشعوری طور پر اپنے فن پاروں میں خوبصورتی کے ساتھ منعکس کرنے لگے۔ نئی غزل تک آتے آتے کچھ ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب شعرا کے ہاں یہ عمل قدرے شعوری بھی ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میرے خیال میں یہ ہے کہ نیا شاعر اب غزل میں عجمی لے کو قدرے کم کر کے مقامی سروں کے ذریعے اپنی دھرتی اور اپنے عوام کے نزدیک تر آنا چاہتا ہے''۔ 97

پروفیسر مظفر حنفی نے جدید شاعری اور جدید غزل کے موضوعات کو زیر بحث لاتے ہوئے اس پر اپنی بیباک رائے دی ہے۔ اس میں جدید غزل اور جدید شاعری کی خوبیوں اور خامیوں پر اظہار خیال کیا ہے۔ انہوں نے غزل کو ہندوستانی آب و ہوا اور فضا کا اہم حصہ قرار دیا ہے۔ وہ غزل کے موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے غزل کی فضا کو خالص ہندوستانی فضا قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''یہ چوپال، یہ گیت، یہ الاؤ، یہ پنگھٹ، یہ شیشے کی طرح چمکتا ہوا چوکا اور اس میں موتی کی طرح چُنے ہوئے برتن، یہ درپنوں کی طرح ہنستے ہوئے چہرے، یہ گپھاؤں میں چھن چھن کر پڑتی ہوئی روشنی اور یہ چھال کے لباس پہنے ہوئے قبائلی، یہ رات کو بانسری کی لے کا بلند ہونا، یہ محبوب سے روٹھ کر عاشق کا جوگی بن جانا، یہ بنوں کو اپنا مسکن قرار دینے والے لوگ اور شوالوں میں ناریوں کا غم پالنے والے پجاری، یہ ظلمت شب میں سلگتی ہوئی چتائیں، یہ بوجھل شاموں میں پہاڑیوں پر شانت مندر، یہ آندھیوں میں اڑتے ہوئے چھپر، یہ کیچڑ میں لتھڑے ہوئے گاؤں جس مجموعی فضا کی تخلیق کرتے ہیں وہ خالص اور کھری ہندوستانی فضا ہے اور ایسے اشعار جن میں ایسی غیر مرئی ہندوستانیت رچی بسی ہے۔ نئی غزل

میں اتنی کثرت سے شامل ہیں کہ ان کی نشاندہی کے لئے ہزاروں صفحات بھی نا کافی ہوں گے''۔98

جدید غزل اور جدید شاعری جیسے اہم موضوع پر لکھتے ہوئے مظفر حنفی نے جدید شاعری کی شروعات کو ۱۹۶۰ء کے آس پاس قرار دیا ہے اور نئی غزل کے لیے زمین ہموار کرنے والے شعراء کے نام شمار کراتے ہوئے اس کے وجود میں آنے کی وجوہات بھی بتائی ہیں:

''ہندوستان میں نئی غزل کا آغاز ۱۹۶۰ء کے آس پاس ہوا۔ ظاہر ہے کہ جدید شاعروں کی ایک پوری کی پوری نسل کسی خاص ادبی موڑ پر غیب سے وجود میں نہیں آسکتی تھی۔ نئی غزل کے لئے ۱۹۶۰ء سے کئی سال پہلے سے زمین ہموار کی جارہی تھی۔ یہ کارِ خیر شعرا نے انجام دیا جو ترقی پسند تحریک کی غلط نوازیوں اور نعرہ بازیوں سے بیزار ہو چکے تھے اور ہر قسم کی گروپ بندی اور نظریاتی جکڑن سے بالاتر ہو کر کھلی فضا میں شعر کہنا پسند کرتے تھے۔ جدید غزل کی ان پیش روؤں میں خلیل الرحمٰن اعظمی، وحید اختر، باقر مہدی اور محمود ایاز نے بطور خاص اپنے مضامین اور تحریروں کے ذریعے ترقی پسندوں سے اظہارِ اختلاف کیا اور اپنی غزلوں میں وقتی موضوعات اور سیاسی نظریات کی جگہ دائمی اقدار کو از سرِ نو بحال کرنے کی کوشش کی اور غزل کی آنکھوں سے سیاسی عینک ہٹا کر اسے اپنے اِرد گرد کی زندگی کے صحیح خدوخال سے روشناس کیا''۔99

مظفر حنفی نے غزل پر مزید گفتگو کرتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ غزل گوئی میں کس طرح کے الفاظ اور جملے کا استعمال ہو، غزل میں چونکہ محبوب سے باتیں یا پھر محبوب کی باتیں ہوتی ہیں اسی لیے ان کے نزدیک شاعر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی غزلوں میں سبک، شیریں، شگفتہ، لطیف، نرم و نازک الفاظ، متانت، سنجیدگی اور شائستگی کے ساتھ الفاظ کو برتے۔ اسی خیال کو پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''غزل کا ہر شعر دراصل کسی خاص جذبے یا احساس کی انتہائی شدت کا مکمل لیکن مختصر ترین اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں شاعر کو الفاظ کے انتخاب میں حد درجہ مہارت، احتیاط اور تخلیقی صلاحیت سے کام لینا ہوتا ہے۔ بقول آتش:

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

پھر غزل گو لفظوں کے یہ نگینے مرصع ساز کی طرح شعر میں جڑنے سے قبل آپس میں ان کو چولیں بٹھلا کر، اکثر ترکیبوں کی شکل دے کر انہیں تراش خراش کر گوہر آبدار بناتا ہے۔ غزل کو عورتوں سے گفتگو کرنے کا فن بھی کہا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ غزل میں ہم ویسی کھلی ڈلی، بے تکلف زبان استعمال نہیں کر سکتے جیسی کہ دوستوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں غزل گو انتہائی سبک، شیریں، لطیف، نرم اور نازک الفاظ ویسی متانت اور شائستگی کے ساتھ برتنے پر مجبور ہوتا ہے جیسی کہ خواتین کے ساتھ گفتگو کے دوران مہذب لفظ استعمال کرتے ہیں''۔100

غرض مظفر حنفی نے نہ صرف غزل کے موضوعات پر گفتگو کی ہے بلکہ غزل کے اسلوب پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف موضوعات پر ان کے مضامین میں صراحت کے ساتھ معتدل انداز نقد نظر آتا ہے۔

7۔ تنقیدی نگارشات

مظفر حنفی کی تنقیدی تصانیف میں ایک کتاب ''تنقیدی نگارشات'' بھی ہے۔ اس کتاب میں مظفر حنفی کے تنقیدی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے مدیران کی فرمائشوں، مختلف سمیناروں اور دیگر ضرورتوں کے تحت تنقیدی مضامین قلمبند کیے تھے اور پھر اسے یکجا کر کے بعنوان ''تنقیدی نگارشات''

۲۰۱۴ء میں منظر عام پر لایا تھا۔اس کتاب میں انہوں نے اردو ادب اور اس کی خدمات اور اردو کی مختلف اصناف پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔اس کتاب کو ان کے بڑے صاحبزادے فیروز مظفر نے ترتیب دیا ہے۔یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے اور چاروں حصوں کے مضامین سے قبل اردو ادب کی کسی اہم شخصیت کے نوک قلم سے مختصر تحریر کو پیش کیا گیا ہے جس سے کتاب اور صاحب کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہلے حصے میں کل مضامین کی تعداد ۱۴ ہے اور وہ اس طرح ہے۔محبت کے پیام بر: کبیر داس، میر حسن کی غزلیں، مثنوی: حزن اختر، کلام غالب میں طنز ومزاح کا عنصر، فراق وجوش: تضادات ومماثلتیں، شاد عارفی کے معاشقے اور ان کا تخلیقی ردعمل، جمیل مظہری کے قصیدے، کلکتہ میں اردو کا منظر نامہ اور سالک لکھنوی، آواز کا متلاشی۔خورشید احمد جامی، وزیر آغا کی شاعری، کچھ ناطق مالوی کے بارے میں، رفعت سروش کی غزل، عنوان چشتی کی غزل، منور رانا: مغربی بنگال کے شعری مزاج کا ترجمان اور اس پر اپنی رائے پیش کرتے ہوئے گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:

> ''ڈاکٹر مظفر حنفی کی اردو ادب سے دلچسپیاں مختلف الجہات ہیں۔انہوں نے افسانے بھی لکھے ہیں، تنقیدی مضامین بھی، لیکن بنیادی طور پر وہ شاعر ہیں۔۔۔ایک منفرد شاعر کی حیثیت سے انہوں نے اپنا مقام بنالیا ہے۔زیر نظر کتاب ڈاکٹر مظفر حنفی کے تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا تازہ مجموعہ ہے۔اشخاص وافکار کی تنقید کے علاوہ اس کتاب میں چند جائزاتی مضامین بھی شامل ہیں جن میں مصنف نے حسب ضرورت تنقید وتبصرے سے کام لیا ہے۔یہ مضامین تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے بنیادی مواد کا کام دے سکتے ہیں۔ڈاکٹر مظفر حنفی نے ادیبوں اور ادبی مسائل کو بنیادی طور پر ایک تخلیق کار ہی کی نظر سے دیکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تنقید چاہے اشخاص سے متعلق ہو یا کوائف ومسائل سے، پیشہ ور نقادوں کی تنقید سے مختلف ہے اور یہی ان مضامین کی انفرادیت ہے''۔101؎

تنقیدی نگارشات کے حصہ دوم میں کل دس مضامین شامل ہیں اور وہ اس طرح سے ہیں وحشت: مکاتیب کے آئینے میں، خواجہ حسن نظامی کا اسلوب اور طنز ومزاح، حسرت اور سیاست، گوپال متل بحیثیت نثر نگار، مجتبیٰ حسین بحیثیت خاکہ نگار، آزادی کے بعد ہندوستان میں اردو کے ادبی وعلمی رسالے، موجودہ ہندوستان میں بچوں کے ادب کے موضوعات، انشائیہ اردو میں، اردو کہانی میں انشائیہ نگاری، تصور کے صنم خانے اور اس حصے کی شروعات سے قبل پروفیسر شمیم حنفی نے لکھا تھا:

''زیرنظر کتاب مظفر حنفی کے تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ تأثر تو فہرست پر نظر پڑتے ہی قائم ہوتا ہے کہ اپنی ادبی روایت سے مظفر حنفی کا شغف یک رخا اور محدود نہیں ہے اردو نثر ونظم کے مختلف ادوار اور اصناف سے ان کی دلچسپی یکساں ہے۔ مظفر حنفی نے عام نقادوں کے برعکس اپنے حوالوں کا علاقہ آپ اپنی نظر کی رہنمائی میں متعین کیا ہے۔ مظفر حنفی کا تنقیدی رویہ اور طریق کار تنقید و تحقیق کے معروف محاسن سے مزین ہونے کے باوجود بنیادی طور پر ایک تخلیقی آدمی کے رویے اور طریق کار کی شہادت دیتا ہے۔ فنی اظہار کے تاریخی، ذہنی اور جمالیاتی پس منظر کے ساتھ ساتھ وہ اس کے مادی، طبیعی اور جغرافیائی رشتوں پر بھی دھیان دیتے ہیں چنانچہ ان کے تجربوں کی سطح صرف ذہنی نہیں رہ جاتی بلکہ بجائے خود ایک تجربہ بن جاتی ہے۔ مظفر حنفی کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ وہ تنقیدی نظریات اور اصولوں سے طاقت اخذ کرنے سے زیادہ اپنے احساسات کی گواہی پر اعتبار کرتے ہیں۔ ان مضامین میں تنقید کی مرغوب ومطبوع اصطلاحوں کا استعمال کم کم ہوا ہے۔ ان مضامین میں بھی جا بجا ایسے جملے اور اشارے بکھرے ہوئے ہیں جن سے منھ کا مزہ بگڑنے نہیں پاتا۔ پیشہ ورانہ تنقید اس لذت آفرینی سے بالعموم محروم ہوتی ہے''۔102؎

تنقیدی نگارشات کے حصہ سوم میں مظفر حنفی کے قلم سے لکھے ہوئے مضامین کی مکمل تعداد ۹ ہے اور وہ یوں ہے۔شعرائے زنداں، نئی اور پرانی تنقید، تجریدی شاعری اور ترسیل کا مسئلہ، کھنڈوا میں اردو شعروادب کے پچاس سال، مغربی بنگال کا شعری مزاج، شعرائے سیفیہ، اردو میں بچوں کا ادب، انسان دوستی اور وسیع المشربی کے فروغ میں اردو ادب کا کردار، ظریفانہ شاعری آزاد ہندوستان میں، اردو میں دوہے اور اس حصہ کی ابتداء سے پہلے اردو ادب کے مشہور و معروف ادیب ڈاکٹر انور سدید نے اس کتاب پر مختصراً یہ کہا ہے کہ:

> ''مظفر حنفی کے ہاں جو تخلیق کار موجود ہے وہ جب اپنی نمود تنقید و تحقیق میں کرتا ہے تو حقیقت کو دریافت کرنے اور اسے صداقت سے پیش کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ مظفر حنفی نے نسبتاً نئے موضوعات پر کام کیا ہے۔ یہ مجموعۂ مضامین ان کے وسیع مطالعے اور صائب رائے کا مظہر ہے۔ان نگارشات میں مظفر حنفی کا نقطۂ نظر اور ان کی ادبی جہت، بات کو برملا کہنے کا انداز اور موضوع کو سلیقے سے زیر بحث لانے کا طریق کار نمایاں ہے۔مظفر حنفی نے اپنے قاری، سامع، اور ناظر کو پیش نظر رکھ کر اپنی بات سادگی اور پرکاری سے پیش کی ہے۔مشکل اور متنازعہ موضوعات پر بھی انہوں نے خنک مزاجی سے بحث کی ہے۔ان کی ادبی شان سے انکار ممکن نہیں''۔103

تنقیدی نگارشات کے حصہ چہارم میں مظفر حنفی کے قلم سے تحریر کئے ہوئے مضامین کی مجموعی تعداد ۵/ ہے اور اسے ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ قوی صاحب/آہ قوی صاحب، فرمان اور فتح پور، گوپی چند نارنگ: کچھ باتیں، بیسویں صدی اور رحمٰن نیر کی یادیں اور اس حصے اور اس کتاب کا آخری مضمون ہے زیب غوری کی یاد میں اور اس آخری حصے کی شروعات سے قبل اس پر پروفیسر حنیف نقوی نے مختصراً روشنی ڈالی ہے:

''ان مضامین کا ایک مشترک وصف یہ ہے کہ یہ سب کے سب بے حد دلچسپ ہیں اور پیش کردہ معلومات کے اعتبار سے بھی اہم ہیں۔ مظفر حنفی نے ایسے انداز بیان کی سادگی اور بے تکلفی سے ان میں وہ حسن پیدا کر دیا ہے جو قاری کو مصنف کے احترام پر مجبور کرتا ہے۔ اس مجموعے میں شامل خاکے پڑھ کر میں کئی بار اس کیفیت سے دوچار ہوا جو انہیں لکھتے وقت مصنف پر طاری ہوئی ہوگی۔ مظفر حنفی نے اپنی یادوں کے چراغ جلا کر جس طرح متعلقہ لوگوں کی یاد تازہ کی ہے، میرے خیال میں خراج تحسین کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی''۔104

''تنقیدی نگارشات'' میں کل ملا کر مظفر حنفی کے مضامین کی تعداد ۳۹ ہے اور یہ کتاب ۴۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس میں اردو ادب سے متعلق مختلف تحقیقی اور تنقیدی مضامین شامل ہیں۔

8۔ ہندوستان اردو میں

مظفر حنفی کی یہ بہت ہی مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس کتاب میں ان کے تحریر کردہ تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اردو کے احوال، حالات، ضرورت اور جمہوری اقدار و روایات اور سیکولرزم کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ایک مضمون میں ہولی سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں، مثلاً وہ لکھتے ہیں:

داوی: اس تیوہار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ راگ اور رنگ کے بغیر ہولی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عوام الناس کا تیوہار ہے۔ اس میں پوجا پاٹھ یا دوسرے مذہبی کاموں کی جگہ لوگوں سے ملنے جلنے، گانے بجانے، رنگ، گلال اور عبیر لگانے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یار دوست، اقرباء اور رشتے دار مل جل کر

کھاتے پیتے ہیں اور ہنسی مذاق کرتے ہیں۔

راویـــــہ: یہ شاید واحد تیوہار ہے جس میں اُونچ نیچ کی تفریق بالکل مٹ جاتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا، بڑی سے بڑی شخصیت کو رنگ بھی سکتا ہے اور اس کے ساتھ بے تکلفانہ مذاق بھی کرسکتا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہولی کا اصل مزا بڑے شہروں سے زیادہ گاؤں میں آتا ہے۔ سلاؔم سندیلوی نے ہولی مناتے ہوئے ایک گاؤں کا نقشہ بڑے دلکش اسلوب میں پیش کیا ہے۔

(ہلکی ہلکی موسیقی کے ساتھ حسبِ سہولت تحت یا ساز کے ساتھ ترنم میں)

کورَس:

ہولی آئی ہولی آئی، رنگ گلابی ساتھ میں لائی
بچے، بوڑھے، عورت، مرد، جوان سبھی پر لالی چھائی
پوری پکی، گوجیا نکلی، بنے سموسے، چڑھی کڑھائی
ڈھول بجاتے، ہولی گاتے، لوگ پھر رہے ہیں گاؤں میں
لے کر اپنی اپنی ٹولی، آئی ہولی، آئی ہولی

105

پروفیسر مظفر حنفی نے اس مضمون کے ذریعے ہندوستانی تہوار ہولی کے کھیل اور اس کی رنگا رنگی کو بیان کیا ہے اور اس تہوار کے دوران ہندوستانیوں کی آپسی محبت اور رواداری کے جذبہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اسے سیکولر تہذیب کی نشانی قرار دیا ہے۔ اس مضمون میں مظفر حنفی نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو میں سب سے زیادہ ہندو مذہب سے متعلق جو کتابیں شائع ہوئی ہیں وہ بھگوت گیتا اور رامائن ہیں اور اس کے ہندو مصنف و مترجم کے ساتھ ساتھ اور شانہ بہ شانہ مسلم بھی ہیں:

''ہندو مذہب سے متعلق جو کتابیں اُردو میں سب سے زیادہ شائع ہوئی ہیں اُن

میں بھگوت گیتا اور راماین سرِ فہرست ہیں۔ان دونوں مذہبی صحیفوں کے نثری اور منظوم ترجمے نیز ان کی ضمنی داستانوں پر مشتمل تصانیف کی ایک بڑی تعداد اُردو میں موجود ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنّفین ومترجمین میں ہندوؤں کے دوش بدوش مسلمان بھی برابر کے شریک ہیں''۔106؎

پروفیسر مظفر حنفی نے اپنے اس مضمون میں یہ بتانے کی سعی کی ہے کہ اردو زبان وادب میں اگر اسلام اور اسلام کے ماننے والی کتابوں پر مضامین تحریر کئے گئے ہیں تو اسی طرح اردو زبان وادب میں ہندو مذاہب اور ہندو مذاہب کی مقدس کتابوں پر بھی مضامین اور کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔اقبال کے حوالے سے اپنی بات کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

''القصہ نظر انصاف سے دیکھا جائے تو اُردو نے کسی امتیاز کے بغیر اپنے دامن میں راماین کو بھی اُسی احترام وعقیدت اور محبت کے ساتھ جگہ دی ہے جس طرح اسلام اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے موضوعات کو۔اس گفتگو کو میں علامہ اقبالؔ کے چند اشعار پر ختم کرنا چاہتا ہوں جو ان کی نظم 'امامِ ہند' سے ماخوذ ہیں:

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند
سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں مرد تھا
پاکیزگی میں، جوشِ محبت میں فرد تھا

107؎

برج نارائن چکبست اردو شاعری کا بڑا نام ہے انہوں نے اپنی شاعری میں حب الوطنی، پیام آزادی اور اخوت ومحبت اور بھائی چارگی کا درس دیا ہے ایک مضمون میں پروفیسر مظفر حنفی

نے ان کی شاعری میں مشترکہ ہندوستانی عناصر کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ''رامائن کا ایک سین'' کو بطور مثال پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ چکبست نے اپنی اس نظم میں رام کی شخصیت میں فرض شناسی اور مستقل مزاجی کا جو جذبہ ہے وہی عام انسانوں میں دیکھنے کے متمنی تھے۔اسی تعلق سے وہ رقمطراز ہیں:

''برج نارائن چکبستؔ کی کم وبیش تمام شاعری اصلاحِ معاشرہ، پیامِ آزادی، ہندو مسلم اتحاد اور حب الوطنی کے محور پر گھومتی ہے اور اس دور کے سیاسی اسٹیج پر رونما ہونے والے تمام اہم واقعات و کردار اس منظرنامے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بلاشبہ اُردو شاعری کا دامن اوائلِ بیسویں صدی کے ہندوستان میں رونما ہونے والی سیاسی بیداری اور تحریک آزادی کے نشیب وفراز کی تصویروں سے خالی رہ جاتا اگر چکبستؔ نے اپنے قلم کا رُخ اس میدان کی جانب نہ موڑ دیا جاتا۔ چکبستؔ کی چند نظمیں ایسی بھی ہیں جن میں براہِ راست نہ وطن دوستی کا پیغام دیا گیا ہے نہ کسی سیاسی واقعے یا حادثے کی تصویر کشی کی گئی ہے پھر بھی ان کے پس پشت یہ جذبہ کارفرما ہے کہ اہل وطن ان نظموں کے پس منظر میں ہندوستان کے عظیم الشان ماضی اور جلیل القدر شخصیتوں کو دیکھ کر اپنی حالتِ زار اور ملک کی عام پسماندگی کو محسوس کریں اور بہتر مستقبل کی فکر کریں۔ایسی نظموں میں بطورِ خاص 'رامائن کا ایک سین' ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہے۔مصیبت کے وقت رام چندر جی کی مستقل مزاجی اور فرض شناسی کا جذبہ اس نظم کا مرکزی خیال ہے اور یہی وہ خصوصیات تھیں جنہیں چکبستؔ اپنے عہد کے ہندوستانیوں میں عام کرنا چاہتے تھے۔اس پر تاثیر نظم کا ایک بند بطور مثال پیش ہے:

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ نونہال
خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ حال

دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال
سکتہ سا ہوگیا ہے ، یہ ہے شدتِ ملال
تن میں لہو کا نام نہیں ، زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویر سنگ ہے

108؎

اس کتاب میں انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اردو کا معیار و مقام کیا ہے اور ہندوستان میں اس کی موجودہ صورت حال کیا ہے۔ ہندوستان میں اردو کے مستقبل کے لیے وہ فکر مند نظر آتے ہیں۔ان کے مطابق ماضی کی کمی وخامی کو دور کرنے کے لیے حال میں اردو کے فروغ و استحکام کے لئے کوششیں کرنا ضروری ہے۔وہ مستقبل میں اردو کی بقاءاور نشر واشاعت کے لئے لائحہ عمل کو ترتیب دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔الغرض ہندوستان میں اردو کے متعلق ٹھوس اور بنیادی باتیں بتائی گئی ہیں۔اس کتاب میں ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور کلچر کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی،حکومت اتر پردیش،لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے تو موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی نے ۲۰۰۷ء میں اس کو شائع کیا ہے۔تعداد چار سو ہے اور کمپوزنگ نعمت کمپوزنگ ہاؤس دہلی کے ذریعے انجام دیا گیا ہے۔پروفیسر مظفر حنفی نے اپنی اس کتاب کا انتساب اپنی ننھی منی پوتیوں اقراء،تمکنت اور وجیہہ گہر کے نام کیا ہے اور اس شعر سے یہ کتاب ان کے نام معنون کی ہے۔

جلتی مٹی نیچے نم تھی تم نے چھو کر دیکھا بھی
فصلیں کٹنے کے موسم میں پھوٹ رہا تھا اکھوا بھی

اسی طرح کتاب کی فہرست سے قبل ایک صفحہ پر صرف ایک شعر رقم کیا ہے جو کتاب کے سمجھنے میں معاون ومددگار ہے،مثلاً:

ستم رسیدہ ہے ہندوستان میں اردو
اسی زبان میں ہندوستان زیادہ ہے

انہوں نے فہرست میں بھی جدت پیدا کرتے ہوئے اس کا نام ''اس کتاب میں'' رکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں کل ۱۳ مضامین شامل ہیں۔ پہلا مضمون 'اردو شاعری اور ہندوستانیت' ٹھیک ۲۵ سال پہلے 'جہات و جستجو' نامی مظفر حنفی کی کتاب کی میں شائع ہوا ہے اس کتاب میں صرف قوسین میں نئی غزل کے حوالے سے کا اضافہ ہے، باقی مکمل مضمون ہو بہو ہے جبکہ یہ مضمون صفحہ ۱۱ سے شروع ہو کر ۵۸ صفحات پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان موضوعات پر پروفیسر مظفر حنفی نے خامہ فرسائی کی ہے ہولی اور اردو شاعری، راماین اردو میں، چکبست کی قومی نظمیں، جمہوری معاشرہ اور اردو، علاقائی زبانوں سے ادبی ترجمے اور قومی یکجہتی، اردو ادب اور مذہبی رواداری، اندرا گاندھی اردو شاعری میں، عصری سماج میں تشدد کا رجحان اور ہمارے دانشور، اردو ادب میں ہندوستانی عناصر کی تلاش، تحریک آزادی میں اردو شاعری کا کردار، جنگل کے مناظر اردو شاعری میں، رام کی عظمت اور اردو شاعری۔ جہاں اس کتاب کے مضامین کے ذریعے ہندوستانی قومی یکجہتی، بھائی چارگی، گنگا جمنی تہذیب اور آپسی محبت و بھائی چارگی کو بیان کیا گیا ہے وہیں ہولی، رام، جنگل، پیڑ، درخت اور دیگر ہندوستانی اشیاء کو بیان کر کے ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں اس کتاب کی ضرورت و اہمیت اور اس کی افادیت ہمیشہ اور روز افزوں رہے گی۔ ''عرض مصنف'' میں اس کی بات کی وضاحت کی ہے کہ یہ مضامین انہوں نے مختلف موقعوں پر لکھے تھے جنہیں یکجا کر کے کتابی صورت دی گئی ہے، مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

> ''گزشتہ چالیس پینتالیس برسوں میں میں نے متعدد ایسے مضامین قلمبند کیے، جن میں اردو کے جمہوری مزاج، اس کے شعراء اور ادباء کی وسیع النظری، مذہبی رواداری اور بے تعصبی، اس زبان کے مختلف اصناف ادب میں قومی یکجہتی کے مظاہرے اور اس میں ہندستانی عناصر اور گنگا جمنی تہذیب کی نمائندگی کی جانب

کہیں واضح اور مفصل نیز کہیں اجمالاً اور اشاریاتی انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے پیش نظر کتاب میں انہیں بکھری ہوئی تحریروں کو یکجا کر دیا گیا ہے تا کہ ان کے یکمشت مطالعے سے اردو زبان وادب کے اس تابناک پہلو کا مستحکم اور گہرا نقش پڑھنے والوں کے ذہن ودل پر مرتسم ہو سکے''۔ 109؎

ترجمہ کی اہمیت وافادیت اور اس کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے مظفر حنفی نے اپنی کتاب ''ہندوستان اردو میں'' کے جملہ مضامین میں سے ایک مضمون ترجمہ سے متعلق بھی رقم کیا ہے۔ انہوں نے ترجمہ کی دنیا میں خود قدم رکھا ہے اور اس کے اچھے اور برے تجربے سے یہ خود آگاہ بھی ہوئے ہیں۔ انہوں نے چار صفحات پر مشتمل اپنے مضمون ''علاقائی زبانوں سے ادبی ترجمے اور قومی یکجہتی'' میں اس تعلق سے اظہار خیال کرتے ہوئے ترجمے کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ ترجمے دراصل ایک زبان کے ادب کو دوسری زبان میں منتقل کر کے ہماری قومی یکجہتی میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے مرکز کو اس جانب راغب کیا ہے کہ وہ اپنے اداروں کا قیام عمل میں لائے جہاں علاقائی زبانوں کا ادب دوسری زبانوں میں منتقل کیا جا سکے۔ غرض اس خیال کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کسی علاقائی زبان کا پورا کا پورا ادب دوسری زبانوں میں منتقل نہیں ہو سکتا البتہ ترجمے کے وسیلے سے ایک زبان کا منتخب ادب دوسرے علاقے کے لوگوں کی نگاہ سے گزرتا ہے اور ان میں سے بیشتر اس سے متاثر ہو کر اس دوسری علاقائی زبان سے براہِ راست استفادے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس طرح ترجمہ اصل زبان کے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے، اور دوسری زبانوں کے ادب میں بھی قابل قدر اضافہ کرتا ہے۔ مختلف زبانوں کے ادبی ترجمے ذہنوں میں وسعت اور قلب میں کشادگی پیدا کر کے قومی یکجہتی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ علاقائی زبان سے ادبی ترجمے کے رجحان کو

فروغ دینا مناسب اقدام ہے۔مرکز کی جانب سے ایک ایسے ادارے کا قیام
نہایت ضروری ہے جو ہر علاقائی زبان کے بہترین ادب کو دوسری تمام علاقائی
زبانوں میں منتقل کرنے کا انتظام کرتا رہے''۔110؎

اس طرح سے یہ کتاب گنگا جمنی تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے۔واضح ہو کہ مظفر حنفی کا یہ مجموعہ ۲۰۰۷ء سے قبل کے مضامین پر مشتمل ہے کیوں کہ اس کتاب کی اشاعت ہی ۲۰۰۷ء میں عمل میں آئی تھی۔اس کتاب کے تیرہ مضامین اردو شاعری میں ہندوستانی کلچر،تہذیب وثقافت،گنگا جمنی تہذیب اور ہمارے ملک کی روایت ودرایت اور وراثت کو بیان کرتا ہے۔اس کتاب کے مضامین آپسی محبت و بھائی چارگی کو فروغ دیتا ہے۔بغیر کسی مغالطہ وکسی مبالغہ کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب آج کے دور کی بڑی کارآمد کتاب ہے۔

9۔جائزے

مظفر حنفی کے تحریر کردہ اور دگر ادیبوں کے لکھے ہوئے تبصروں پر مشتمل یہ کتاب ہے جسے مظفر حنفی نے ترتیب دی ہے۔ یہ دراصل ماہنامہ کتاب نما کے لیے مظفر حنفی کے لکھے ہوئے اور مختلف لوگوں کے بھیجے گئے تبصرے ہیں۔مختصر وطویل تبصرے والی اس کتاب کی اشاعت اور اس کے اہتمام کا سہرا مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ کے سر جاتا ہے جس نے ۱۹۸۵ء میں اسے شائع کیا تھا۔تبصرہ کے موضوع پر تحریر کی گئی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ادیب سہیل رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر مظفر حنفی نے ''کتاب نما'' کو وصول ہونے والی کتابوں پر مختلف
اصحاب کے لکھے ہوئے تبصرے جمع کئے ہیں۔یعنی دوسو سے زائد کتابوں پر قریباً
ستر اسی مصنفین نے اظہار رائے کیا ہے۔اور اس عمل میں تنقید وتحقیق،شاعری،
ناول،افسانہ،طنز ومزاح،بچوں کا ادب ، مذہبیات،سفرنامہ،سوانح عمری اور
مکاتیب،غرض ہر نوع کی کتابیں شامل ہیں''۔111؎

اس طرح سے یہ بڑی کارآمد کتاب ہے۔اس کتاب کے مقدمے میں مظفر حنفی نے تبصرہ پر اظہار خیال کیا تھا۔''جائزے'' ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔یہ کتاب اب مفقود ہے۔میری ارباب علم وادب سے ادنیٰ گزارش یہی ہے کہ اسے بھی از سر نو شائع کیا جائے تا کہ طالب علم اور ریسرچ اسکالرز تبصرہ جیسے اہم موضوع پر اس کتاب سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

10۔جدیدیت: تجزیہ و تفہیم

مظفر حنفی کی یہ ترتیب شدہ کتاب بہت مشہور و معروف ہوئی اور اس کتاب کے ذریعے جدیدیت کی تحریک کو حتی'الامکان سمجھ سکتے ہیں۔انہوں نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ ''تفہیم'' کے عنوان سے ہے اور دوسرا'' تجزیہ''، یہ کتاب اب نایاب ہے جس کے جدید اشاعت کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔اس کتاب میں اس وقت کے جید ادیب، نقاد اور فنکاروں کے مضامین شامل ہیں جس کے ذریعے جدیدیت کے مباحث کو حتمی شکل دینے کی ایک عمدہ کوشش کی گئی ہے۔پروفیسر مظفر حنفی نے اس کتاب کو قیام بھوپال کے دوران ترتیب دے کر ۱۹۶۹ء میں نسیم بکڈپو لکھنؤ کو اشاعت کے لئے دیا تھا مگر بڑی تاخیر کے ساتھ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔پروفیسر مظفر حنفی نے جدیدیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے برصغیر ہندو پاک کے مشہور و معروف ادیبوں، نقادوں، قلمکاروں اور محققوں کے بکھرے ہوئے، منتشر مضامین کو تتبع و تلاش بسیار کے بعد یکجا کر کے کتابی شکل دی ہے۔پہلے حصے میں کچھ اہم ادیبوں اور ان کے مضامین شامل کتاب ہیں جیسے'ادب میں جدیدیت کا مفہوم (آل احمد سرور)، ادیب کی انفرادیت اور عصری رجحانات (سید احتشام حسین)، ادب اور عوام (رشید احمد صدیقی)، ترسیل کی ناکامی کا المیہ (شمس الرحمٰن فاروقی)، ادب یا تحریک (مظفر علی سید)، یہ مایوسی کیوں (ڈاکٹر محمد حسن)، جدیدیت (قاضی سلیم)، پرانے سوالات نئے نکات (باقر مہدی)، نئی شاعری کی غلط طرفداری (سردار جعفری)، شعر گوئی ارتکاب قتل ہے (افتخار جالب)، جدید تخلیق (انور سجاد)، ادیب اور اس کی ذمہ داریاں (شمیم

احمد)،فضا اور معیار (ابو محمد سحر)، ہمارا عصری ادب اور اس کے مسائل (صہبا وحید)، ادب کا آدمی (نثار ناسک) وغیرہم اسی طرح سے حصہ دوم میں نئے افسانے، نئی نظم و غزل پر بھی مضامین شامل ہیں۔ انہیں میں سے کچھ اہم مضمون نگار اور ان کے مضامین حسب ذیل ہیں، اردو میں علامتی اور تجریدی افسانہ (گوپی چند نارنگ)، جدید افسانے کا ذہنی سفر (دیویندر اسر)، اردو افسانہ: ایک جائزہ (بدیع الزماں)، جدید افسانوں میں جدید میلانات (محمود واجد)، مختصر افسانہ: اعتراضات اور جوابات (سلیم اختر)، ٹھنڈے ہیں خواب (سریندر پرکاش)۔ اسی طرح سے چند مضامین نئی نظم و غزل پر بھی ملتے ہیں: جدید تر غزل (خلیل الرحمٰن اعظمی)۔ نئی غزل کا مزاج (فضیل جعفری)، غزل کے نئے افق (رشید امجد)، غزل ایک متحرک صنف سخن (یعقوب عثمانی)، نئی اردو شاعری (آل احمد سرور)، سانپ کے تلوے (عصمت چغتائی)، سچی جدیدیت: نئی ترقی پسند شاعری (ڈاکٹر محمد حسن)، کچھ نئی شاعری کے بارے میں (خلیل الرحمٰن اعظمی)، ادب کی تلاش (بلراج کومل)، نئی نظم کی زبان (فضیل جعفری)، جدید اردو نظم (اعجاز فاروقی)، صداؤں کا سفر (سید وقار حسین)، نئے شعر کا لہجہ (بشر نواز)، مختصر نظم کا آدمی (جابر علی جابر)، اردو شاعری ۱۹۶۸ء میں (مغنی تبسم)، ان مضامین کے علاوہ بھی اور کئی مضامین ہیں۔ اس کتاب کی ابتدا میں مظفر حنفی نے کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے اس کے مشمولات سے چند وضاحتیں کی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

> ''یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایسے تمام مضامین (خواہ وہ جدیدیت کے حق میں ہوں یا اس کے خلاف جاتے ہوں) اس کتاب میں جمع کر دیے جائیں، جو ادب کے کسی اہم مکتب خیال کی ترجمانی کرتے ہوں یا اپنی جگہ ادبی اہمیت کے حامل ہوں۔ بعض مضامین نوعیت کے اعتبار سے حصہ اول کے بجائے حصہ دوم میں یا حصہ دوم کی جگہ حصہ اول میں بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے سلسلے میں تفہیم و تجزیہ کے تناسب کا لحاظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے''۔112

ان کی یہ کتاب ''جدیدیت تجزیہ وتفہیم'' ایک عمدہ کتاب ہے حالاں کہ یہ ایک مرتبہ تصنیف ہے لیکن جدیدیت کو سمجھنے کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ مظفر حنفی کی یہ ترتیب شدہ کتاب اب کمیاب و نایاب ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے پھر سے جدید کمپوزنگ، شاندار کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ منظر عام پر لایا جائے، تاکہ اساتذہ اور ریسرچ اسکالرز جدیدیت سے متعلق یکساں فائدہ اٹھا سکے۔

11۔ایک تھا شاعر

پروفیسر مطفر حنفی کی ترتیب شدہ کتاب ہے۔ جسے انہوں نے اس وقت کے شعراء، ادباء اور محققین و ناقدین سے مضامین قلمبند کرا کے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب میں ہندوستان اور پاکستان کے مشہور و معروف ادیبوں کے شاؔد عارفی کے فن اور شخصیت پر مضامین ملتے ہیں۔ اس سے پہلے شاد عارفی کی شخصیت اور فن پر کوئی کتاب نہیں تھی۔ شاد عارفی کے فن، شاعری اور ان کی شخصیت کو سمجھنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملے گی۔ اس کتاب کو ترتیب دے کر منظر عام پر لانے کے لئے مظفر حنفی نے بڑی دیدہ ریزی و عرق ریزی کے ساتھ کتاب کی اشاعت کو یقینی بنایا تھا۔ مظفر حنفی کی شاد عارفی پر یہ پہلی کتاب ہے اور پی ایچ ڈی کے مقالہ سے یہ بہت پہلے ترتیب دی گئی تھی۔ یہ کتاب بھی دستیاب نہیں ہے اسے بھی از سر نو جدید کمپوزنگ، نئی ترتیب عمدہ کاغذات کے ساتھ شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

12۔شاد عارفی: ایک مطالعہ

پروفیسر مظفر حنفی کی یہ مرتبہ کتاب ہے جس میں اس وقت کے مشہور و معروف ادیبوں، نقادوں، محققوں، ممتاز شعراء اور مضمون نگاروں کے مضامین شامل ہیں۔ سلسلۂ شاد عارفی پر یہ بھی ایک عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب کے کل ۴۲۴/ صفحات ہیں اور اس کتاب کو شائع ہوئے عرصہ

بیت گیا ہے جسے پھر سے شائع کرنے کی سخت ضرورت ہے تا کہ طلباء، اساتذہ اور ریسرچ اسکالرز اس سے یکساں فائدہ حاصل کرسکیں۔اس کتاب کے پہلے حصہ میں شاد عارفی کے فن اور شخصیت پر مضامین، نقد پارے اور مشاہیر ادب کی تحریروں سے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔کتاب کا دوسرا حصہ باقیات شاد عارفی پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں ان ادیبوں کی تحریریں شامل ہیں جن کی ادبی وتنقیدی حیثیتوں کی اردو دنیا معترف ہے جیسے حفیظ جالندھری، ضیاء احمد بدایونی، اختر انصاری، فرمان فتحپوری، آل احمد سرور، میراجی، پروفیسر احتشام حسین اور خلیل الرحمٰن اعظمی وغیرہ۔الغرض یہ کتاب بھی شاد عارفی کی شخصیت وفن کے سمجھنے معاون وکارآمد ہے۔

13۔ادبی فیچر اور تقریریں

کتاب کے نام سے ہی اس بات کی وضاحت ہوجائے گی کہ یہ کتاب ریڈیو اسٹیشن پر پیش کئے گئے تقاریر کا مجموعہ ہے۔اس کتاب میں آل انڈیا ریڈیو دہلی اسٹیشن، کلکتہ ریڈیو اور دہلی دوردرشن میں مظفر حنفی کے ذریعے پیش کئے گئے تقاریر، تحاریر، ادبی فیچروں اور مختلف عناوین پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔یہ کتنی بڑی بات ہے کہ انہوں نے جو تحریریں یا تقریریں ریڈیو اسٹیشن میں پیش کیا یا پھر دیگر جگہوں پر انہیں نہ یہ کہ محفوظ رکھا بلکہ منظر عام پر بھی لایا۔ان کے اہم فیچروں میں چکبست کی یاد میں، محبت کے پیامبر کبیر داس، قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ، شاد عارفی: ایک منفرد فنکار اور تحریک آزادی میں اردو شاعری کا کردار ہیں تو اسی طرح تقریری حصے ان تقاریر پر مشتمل ہیں کلام غالب میں طنز ومزاح کا عنصر، اردو کہانی میں انشائیہ نگاری، اردو دوہے اور سقوط ماسکو وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ضرورت اس کتاب کی بھی جدید اشاعت کی ہے۔اس کتاب میں مضامین میں آسان الفاظ، سادگی اور سہل انداز سے تحریر کیا گیا ہے تا کہ ریڈیو کے ہر طرح کے سامعین آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔

14۔روح غزل

پروفیسر مظفر حنفی کی یہ مرتبہ تصنیف ہے۔انہوں نے اس انتخاب کو چار مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔کلاسیکیت سے جدید تر انداز تک کے غزل کا ایسا سفر نامہ پیش کیا ہے جو جامعیت کا آئینہ دار ہے۔مظفر حنفی نے مقدمہ میں بڑی عمدہ بات کہی ہے۔'جغرافیائی حدود سے بلند ہوکر یہ کوشش کی گئی ہے کہ عالمی پیمانے پر بکھرے ہوئے غزل گویوں میں سے کوئی نمایاں نام نہ رہ جائے' اور مرتب اس میں کامیاب رہے ہیں۔تقریباً ۶۹۳ شاعروں اور ۲۵۶۰ غزلوں اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے۔چار پانچ ماہ کی مختصر مدت میں تحقیق وجستجو کر کے خوش اسلوبی اور بہترین مقدمے کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ساحر ہوشیار پوری اس کتاب سے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ''زیر تبصرہ کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد بہر حال مجموعی تاثر یہی پیدا ہوتا ہے کہ ''روح غزل'' گذشتہ پچاس سال کی غزل کا نمائندہ، جامع اور معتبر انتخاب ہے اور اس کے ادبی کارنامے کے لئے مرتب اور ناشر دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔ٹائٹل کا سہ رنگا ڈیزائن رزاق ارشد کے موقلم کا اعلانمونہ ہے اور سرورق کی پشت پر انجمن روح ادب کے بانی سرتیج بہادر سپرو کا اسکیچ شکیل اعجاز کی ہنروری کا حامل ہے۔ روشن کتابت و طباعت سے مزین یہ یادگار صحیفہ تین سو روپے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں''۔113

اس طرح سے یہ مرتبہ تصنیف بھی غزل کی معلومات، شاعروں کو سمجھنے اور جدید و کلاسیکی غزلوں پر مشتمل ہے۔موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے اہمیت کی حامل تصنیف ہے۔

15۔کچھ انٹرویو

مظفر حنفی نے اس کتاب میں اردو ادب کی اہم شخصیات فکر تونسوی، حسن نعیم، وزیر آغا، ساحر ہوشیار پوری اور جیلانی بانو سے باتیں کی تھیں اسے ہی پیش کیا ہے۔یہ مظفر حنفی کی آخری کتاب ہے

جسے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے اور ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی کے زیر اہتمام اشائع کی گئی ہے۔کل صفحات ۲۳۱ ہیں اور سنہ اشاعت ۲۰۱۹ء ہے۔انتساب ضیاء الرحمٰن نیر سابق ایڈیٹر بیسویں صدی کے نام ہے۔اس کتاب کے مشمولات میں انتساب ،حرف آغاز ، باتیں فکر تونسوی سے، باتیں حسن نعیم سے، باتیں وزیر آغا سے، باتیں ساحر ہوشیار پوری سے، باتیں جیلانی بانو سے، کے ساتھ ساتھ باتیں مظفر حنفی سے اور شیشۂ ساعت میں سر دھنتی ہے ریت شامل ہیں۔حرف آغاز میں اپنے حالات زندگی اور انٹرویو کی شمولیت سے متعلق مظفر حنفی نے کہا ہے کہ:

> ''حسن اتفاق کہ اس کتاب کی تیاری کے دوران خود انٹرویونگار کا انٹرویو ریاست مہاراشٹر کی کسی درسی اردو کتاب کے لیے ڈاکٹر اسداللہ (امراوتی) نے لے ڈالا، مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے چنانچہ اسے بھی شامل کتاب کر لیا گیا ہے۔اتنے لوگوں کے کوائف حیات یکجا کیے ہیں چنانچہ اپنی مختصر روداد زندگی ''شیشۂ ساعت میں سر دھنتی ہے ریت'' بھی پیش کیے دیتا ہوں تاکہ وہ گوشے پردۂ خفا میں نہ رہیں جو ڈاکٹر اسد کے یک موضوعی انٹرویو میں شامل نہیں ہیں''۔114

اس طرح سے ان ادبی شخصیات کے ساتھ مظفر حنفی کی مختصر حالات زندگی اور ادبی معلومات کے لیے یہ کتاب بھی مفید ہوگی، واضح ہو کہ یہ مظفر حنفی کی آخری تصنیف ہے۔

وضاحتی کتابیات کے اشاریے

پروفیسر مظفر حنفی نے وضاحتی کتابیات کے نام سے ۲۲ جلدوں پر کتابیں تحریر کی تھیں اور ایک کتاب بعنوان ''کتاب شماری'' لکھی تھی۔درحقیقت ان کتابوں میں ان کتابوں کے نام،فن ، موضوعات، ناشر، پبلشر، سن اشاعت اور مقام اشاعت وغیرہ سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہے۔ یعنی کہ وضاحتی کتابیات میں مذکور کتابوں کی تشریح اور توضیح کے ساتھ سال بہ سال ان کا مختصر ترین تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ہندوستان میں اردو زبان میں کتابیں تحریر کرنے والے ہزاروں مصنفین

ہیں اوراسی طرح ہزاروں پبلشر بھی۔ ہندوستان کا کون ایسا شہر ہے جہاں پر اردو خواں، اردوں داں طبقہ نہ ہو۔ چوں کہ پروفیسر مظفر حنفی نے کتابوں کے تعارف کے لئے مخصوص زمانہ کا انتخاب کیا تھا اور اسی کے مطابق وموافق تحریر شدہ کتابوں پر مختصر تعارف اوراس کی بنیادی معلومات بھی فراہم کی تھی۔

مظفر حنفی نے اردو زبان وادب کے کتابوں کی نشر واشاعت کے سلسلے میں اردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے تا کہ قارئین اپنی مطلوبہ کتاب، مضامین تک آسانی کے ساتھ پہنچ سکتے ہیں۔ انہوں نے کتابوں کے موضوعات کے ساتھ ان باتوں کی بھی نشاندہی کی ہے کہ یہ کتاب کب چھپی، کہاں سے چھپی، کیسے چھپی، مصنف، مرتب، مترجم، مئولف، شرح نویس اور حاشیہ نگار وغیرہ کا نام بھی بیان کیا ہے تو ساتھ ہی ساتھ کتاب کے صفحات، مکتبہ کا نام، ناشر، زیر اہتمام، سائز اور کاغذ پر بھی ان کی گہری نظر ہے اوراسے بھی بلا تکلف بتانے کی عمدہ سعی کی ہے۔ حوالہ جاتی کتابوں کی اپنی اہمیت وافادیت ہے اور یہ اپنا ایک منفرد مقام اور ایک الگ شعبہ بھی رکھتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جو زبان وادب جتنا معیاری اور اچھا ہوگا اس کے حوالہ جاتی کتب بھی اتنے ہی اہم اور معیاری ہوں گے۔ کسی بھی علمی، ادبی، تنقیدی اور تحقیق وریسرچ کے کام میں سب سے پہلا اہم اور بنیادی کام کتابیات اور ماٰخذ ومراجع اور منبع ومصادر کا ہے۔ اب کتابیات میں بھی ادبی کتابیات، دینی کتابیات، مختلف علوم وفنون کی کتابیات الغرض جتنے علوم وفنون ہیں ان سب کی کتابیات ہونی چاہئے تھی۔ مظفر حنفی نے آزادی کے بعد پہلی بار اس جانب توجہ دی اور ابتداء میں پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر مظفر حنفی نے یو جی سی کے پراجیکٹ کے لئے لکھا تھا اور وضاحتی کتابیات کی تین جلدیں مشترکہ تعاون سے شائع ہوئیں اور باقی تمام جلدوں کو تن تنہا مظفر حنفی نے مکمل کیا۔ وضاحتی کتابیات اہم تصنیف ہے۔ جس میں انہوں نے ۲۲ جلدوں پر مشتمل ہزاروں صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں اور سال بہ سال نوع بہ نوع کتابوں کا تعارف اپنی جہد مسلسل اور محنت شاقہ سے کرتے رہے ہیں۔ دراصل ان سب کتابوں میں ہر سال اردو زبان میں مختلف علوم وفنون، الگ الگ موضوعات اور مختلف عناوین پر مشتمل شائع شدہ کتابوں کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا گیا ہے۔ وضاحتی

کتابیات کی مکمل جلدوں میں تقریباً پچیس ہزار کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے جو کسی کرامت سے کم نہیں ہے۔ معین شاداب نے کتاب کے تعارف کے سلسلے میں جو سوال کیا تھا اس کا جواب مظفر حنفی نے اس طرح دیا ہے:

''ترقی اردو بورڈ کی جانب سے ۱۹۷۶ء میں گوپی چند نارنگ اور مجھے سال بہ سال اردو کی وضاحتی کتابیات تیار کرنے کا پروجیکٹ سونپا گیا جس کے لئے یونیورسیٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی) کی جانب سے ایک ریسرچ اسکالر اور وقتاً فوقتاً ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سفر کرنے کی سہولت فراہم کی گئی۔ میں نے نارنگ کے اشتراک سے اس کتاب کی تین جلدیں تیار کیں۔ ۱۹۸۰ء میں یو جی سی کا پروجیکٹ ختم ہوگیا اور پروفیسر نارنگ جامعہ ملیہ سے دہلی یونیورسٹی چلے گئے۔ اگلے پندرہ برسوں تک یہ سلسلہ منقطع رہا۔ ۱۹۹۶ء میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (این سی پی یو ایل) کے اس وقت کے ڈائرکٹر حمید اللہ بھٹ نے خواہش ظاہر کی کہ میں اس سلسلے کو کم از کم سال ۲۰۰۰ء تک مکمل کر دوں لیکن اب نہ میری مدد کے لئے کوئی ریسرچ اسسٹنٹ فراہم کیا جائے گا اور نہ مختلف مقامات کے سفر کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ بہر حال ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۰ء شائع ہونے والی تمام اردو کتابوں کی سالانہ جلدیں (۲۰ جلدیں) جن میں سے ہر ایک کی ضخامت پانچ، چھ سو صفحات کے درمیان ہے، میں نے تنِ تنہا متعینہ وقت میں تیار کیں۔ ان میں کم و بیش پچیس ہزار کتابوں کا تعارفی اندراج ہے۔ بیسویں صدی کے آخری ربع میں ہندوستان میں شائع ہونے والی تقریباً سبھی کتابوں کا تعارف ان جلدوں میں پیش کر دیا گیا ہے۔ عام طور پر ایک آدھ شعری مجموعے یا فکشن وغیرہ سے متعلق کتاب پر جتنی شہرت اور عزت مصنفین کو نصیب ہوتی ہے اتنی بھی اس بے حد محنت طلب اور علمی کام کے معاوضے میں مجھے نصیب نہیں ہوئی۔ نہ

کہیں سے کوئی اعزاز یا انعام تفویض کیا گیا۔ جی چاہتا ہے کہ اس کام کی اہمیت کا
اردو والے قرار واقعی اعتراف کریں''۔ 115؎

اس طرح سے مظفر حنفی نے تن تنہا اتنا اہم کام کو بخوبی انجام تک پہنچایا مگر انہیں انعام کے طور پر کوئی صلہ وستائش نہیں ملی۔ وضاحتی کتاب مرتب کرنا بھی بہت تحقیق ومحنت طلب کام ہے۔ واقعی جب کوئی بھی سچی محنت ولگن اور جدوجہد کرتے ہوئے خلوص کے ساتھ کوئی خوبصورت کاز اور شاندار کام کرتا ہے اور اس کا رسپونس اچھا نہیں ملتا تو دل پر ایک چوٹ اور ذہن ودماغ پر ایک کچوکا سا لگتا ہے اور یہ ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے مگر کامیاب ہیں وہ افراد جو ان سب کو بھول کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسا ہی انہوں نے بھی کیا ہے۔ دل دکھنے اور غم ہونے کے بعد بھی ان کے پڑھنے اور لکھنے کا سلسلہ کم نہ ہوا بلکہ بتدریج جاری وساری رہا اور اس کے بعد بھی ان کی بہت ساری کتابیں منظر عام پر آئیں اور وہیں مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین بھی شائع ہوتے رہے۔

پروفیسر مظفر حنفی سے جب ملاقات، بات چیت اور مواد کے حصول کے لئے راقم کا ان کے دولت کدہ بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی جانا ہوا تو دیگر تمام تصانیف کے علاوہ تین کتابیں وضاحتی کتابیات سے تعلق رکھنے والی بھی ملیں اور وہ اس طرح سے ہیں جلد پنجم، جلد پانزدہ اور بست ودو۔ وضاحتی کتابیات کی یہ ساری جلدیں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی سے شائع ہوئی ہیں ۔جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ یہ کام پراجیکٹ کے طور پر مظفر حنفی اور گوپی چند نارنگ کو ملا تھا۔ مشترکہ طور پر ان دونوں نے ابتدائی تین جلدیں ترتیب بھی دیں تھیں، بعد میں اسے یکا وتنہا مظفر حنفی نے اس کام کو بخوبی انجام تک پہنچایا تھا۔ وضاحتی کتابیات کی پانچویں جلد کے دیباچہ میں مصنف نے اسے یوں سمجھانے کی کوشش کی ہے:

''۱۹۸۲ء کی مطبوعات اردو سے متعلق وضاحتی کتابیات پیش کی جاتی ہے۔ یہ اس
سلسلے کی پانچویں جلد ہے۔ ۷۸۔۱۹۷۷ء اور ۸۰۔۱۹۷۹ء سے متعلق دو جلدیں
ناگزیر اسباب کے باعث دو دو سالوں کی کتب کے اندراجات پر مشتمل مشترک

جلدیں تھیں۔ بعدازاں یہ سلسلہ معمول پر لے آیا گیا اور ۱۹۸۱ء کی کتابیات سے اب ہر سال کے لئے جلد علاحدہ مختص ہوگی۔ یہ بھی سعی کی جارہی ہے کہ پچھڑے ہوئے کام کو جلد از جلد نمٹا کر ہر برس کی کتابیات دو تین سال کے اندر اندر منظر عام پر آجائے''۔116

آگے اسی دیباچہ میں مزید اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والی کتابوں کو ان کے عنوان، مضمون اور فن کے اعتبار سے مرتب کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ ان تمام کتابوں میں مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی کتابوں کو حروف تہجی کے اعتبار سے مختصر تعارف کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس کے بعد اس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے، وہ رقمطراز ہیں:

''مجموعی اعتبار سے ہندوستان میں اس برس ہر ہفتے اوسطاً اردو کی اٹھارہ کتابیں چھپیں اور پچھلے سال سے تقریباً ۲۹۱ کتابیں ۱۹۸۲ء میں زیادہ شائع ہوئیں لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ان اشاعتوں کا صنف وار تناسب تقریباً وہی ہے جو پچھلے برس تھا یعنی ادبی تنقید و تحقیق کی کتابیں مجموعی تعداد کی کم وبیش سولہ ۱۶ فیصد ہیں، فکشن بیس فیصد، ڈراما، مضمون، انشائیہ، زبان، سفرنامہ، مکتوبات وغیرہ کا اوسط بارہ فیصد، انسانی، سماجی، سائنسی علوم، صنعت وحرفت کا مجموعی تناسب نو فیصد، مذہبی تصنیفات کا بارہ فیصد نیز ادب اطفال و درسیات کا آٹھ فیصد ہے۔ تحقیق و تنقید کی کتابیں بھی معتد بہ تعداد میں شائع ہوئی ہیں۔ ان کا تناسب تمام مطبوعہ کتب کے تناظر میں سولہ فیصدی ہے جب کہ شاعری میں سب سے زیادہ تصنیفات شائع ہوئیں اور ان کا فیصد بیس ہے یعنی اس سال بھی اردو میں چھپنے والی ہر پانچ میں سے ایک کتاب شاعری کی ہے۔ ان اعداد وشمار کے ساتھ اس حقیقت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہر برس بہت سی کتابیں وضاحتی کتابیات میں مندرج ہونے سے یوں رہ جاتی ہیں کہ باوجود ہر ممکن کوشش کے مرتب کی رسائی

ان تک نہیں ہو پاتی قیاس ہے کہ ان کا فیصد بھی کم از کم دس ہوگا۔اس طرح واقعتاً
اس سال کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کر گئی ہوگی''۔117؎

چوں کہ باتیں بہت ساری ہیں اور ہر ایک بات کی تہ تک جانا اور اس پر قلم چلانا بھی ضروری نہیں مگر مثال کے لئے وضاحتی کتابیات میں سے ایک دو کتابوں کا تعارف یہاں پیش کیا جارہا ہے تا کہ بات واضح ہو جائے اور مطمح نظر کو سمجھنے میں بھی آسانی ہو۔مظفر حنفی نے کتابوں کے بارے میں کس طرح سے اختصار و جامعیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وضاحت کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''تنقید کیا ہے؟۔مصنف :آل احمد سرور۔ ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی۔
قیمت :نو روپے پچھتر پیسے۔ سائز:۳۰×۲۰/۱۶، مجلد،ضخامت ۲۳۲ صفحات ،
ایڈیشن ساتواں،تعداد اشاعت ایک ہزار،طباعت آفسیٹ۔
زیر نظر تصنیف مصنف کے آٹھ تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں:
(۱)یادگار حالی (۲)اکبر کی ظرافت اور اس کی اہمیت (۳)شبلی میری نظر میں
(۴)اقبال کے خطوط (۵)موجودہ ادبی مسائل (۶)ولیم سمرسٹ ماٹم (۷)ترقی
پسند تحریک پر ایک نظر (۸)تنقید کیا ہے؟ ''۔118؎

اسی طرح ایک اور جگہ ان کی کتاب سے ایک مثال بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے جسے مظفر حنفی نے کتاب کا تعارف دیتے ہوئے وضاحت کی ہے:

''آفتاب غزل۔مصنف: سعید شہیدی۔ ناشر: مصنف :نشیمن ۴۲۵۔۷۔۲۲،
پرانی حویلی،حیدرآباد۔ قیمت: دس روپے۔سائز ۲۲×۱۸/۸،مجلد،ضخامت ۸۰
صفحات ،ایڈیشن پہلا، تعداد اشاعت ایک ہزار، طباعت لیتھو۔سعید شہیدی کی
غزلوں کا تازہ مجموعہ ہے جس میں ان کی ساٹھ غزلیں ایک نعت ، ایک منقبت
سلام اور ایک مسدس ''حسین ابن علی'' شامل ہیں۔تعارف سید مہدی حسین نے
اور پیش لفظ سید مجاور حسین رضوی نے لکھا ہے''۔119؎

وضاحتی کتابیات کی جلد پنجم سے ایک اور کتاب کا تعارف پیش کرتے ہیں یہ کتاب سیاسیات کے موضوع پر تحریر کی گئی ہے۔تحریر میں اختصار و جامعیت ان کی انفرادیت وخصوصیت ہے۔کتاب کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے انہوں نے یوں وضاحت کی ہے:

''جدید ہندوستان میں ذات پات۔مصنف :ایم این ۔سری نواس (مترجم: شہباز حسین) ناشر:ترقی اردو بیورو،آر کے پورم نئی دہلی۔۱۱۰۰۶۶۔قیمت: آٹھ روپے پچیس پیسے۔سائز:۲۲×۸، مجلد، ضخامت ۲۰۸صفحات،ایڈیشن دوسرا، تعداد اشاعت ایک ہزار،طباعت آفسیٹ۔

یہ مصنف کے:۱۹۵۲ءاور۱۹۶۰ء کے درمیان آٹھ سال کی مدت میں لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱)جدید ہندوستان میں ذات پات (۲)سنسکرت تہذیب اور مغربی تہذیب کا مطالعہ(۳)ورن اور ذات(۴)ذاتیں۔کیا مستقبل کے ہندوستان میں بھی ان کا وجود رہے گا؟(۵)دیہی علاقوں میں صنعت و شہریت(۶)مساوات کا ہندوستانی راستہ (۷)ہندوستان کے اتحاد کے مسئلہ کی نوعیت(۸)ایک ہندوستانی گاؤں کے تنازعے(۹)دیہی زندگی کا مطالعہ اور اس کی اہمیت (۱۰) سماجی علوم اور دیہی وشہری سماج کا مطالعہ(۱۱)ہندو دھرم۔''120

مظفر حنفی کے ذریعہ مجھے دی جانے والی کتاب ثانی، وضاحتی کتابیات کی پندرہویں جلد ہے۔یہ کتاب بھی معلومات افزا ہے اور اس کے دیباچہ میں مظفر حنفی رقمطراز ہیں:

''پچھلے سال کے مقابلے میں اس برس اکیس تنقیدی اور تحقیقی کتابیں زیادہ شائع ہوئیں۔شاعری کے مجموعوں میں بھی انتیس کا اضافہ ہوا۔ناول اس مرتبہ خاصے کم چھپے اور ان کی تعداد میں بیالیس کی کمی واقع ہوئی۔افسانوں کے مجموعے بھی پچھلے برس کے مقابلے میں اٹھارہ کم ہوگئے البتہ سوانح عمریوں کی تعداد سترہ بڑھ گئی۔ہر

چند کہ حسب روایت سائنسی علوم سے متعلق بہت کم کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوئیں پھر بھی گزشتہ برس کی بہ نسبت ان کی تعداد میں بارہ کی بڑھت آئی ہے۔ ادب اطفال میں بھی ایک درجن مطبوعات کا اضافہ ہوا ہے۔''121

غرض پروفیسر مظفر حنفی نے بہت ساری کتابوں کی تفصیلات بیان کی ہیں اور ان کو خوبصورتی کے ساتھ مختصر ترین انداز میں پیش بھی کیا ہے۔ وضاحتی کتابیات کی پندرہویں جلد سے ایک کتاب کے بارے میں وضاحتی فہرست کا ایک نمونہ دیکھئے:

''عبدالحلیم شرؔر، شخصیت اور فن۔ مصنف: شریف احمد۔ ناشر: گوہر پبلی کیشنز، ۵۲۷۶، کوچہ رحمان چاندنی چوک، دہلی۔۶۔ قیمت: ایک سو پچیس روپے۔ سائز: ۲۲/۸×۱۸، مجلد، ضخامت ۳۵۲ صفحات، ایڈیشن ری پرنٹ، تعداد چھ سو، طباعت آفسیٹ۔ آٹھ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں عبدالحلیم شرؔر کی ناول نگاری، ان کی شخصیت اور ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے نیز معاشرتی، سیاسی و تاریخی ناول سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ کتاب کے فلیپ پر محمد نقی کی رائے درج ہے۔''122

مظفر حنفی نے سال بہ سال اور موضوع، اصناف اور فن کے اعتبار سے حروف تہجی کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے۔ ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

''قطعات دلدار۔ مصنف: دلدار بیگ/ مرتبہ: قاضی عبدالودود۔ ناشر: خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔ قیمت: بیس روپے۔ سائز: ۲۲/۸×۱۸، غیر مجلد، ضخامت ۹۶ صفحات، ایڈیشن پہلا، تعداد درج نہیں، طباعت آفسیٹ۔ زیر نظر کتاب میں دلدار بیگ دلدار کی نظموں اور قطعات کو مرتب کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔ ابتدائی صفحات پر قاضی عبدالودود کا مختصر و مبسوط مقدمہ شامل ہے''۔123

وضاحتی کتابیات کی سبھی جلدوں میں مظفر حنفی نے سال بہ سال اردو کی شائع شدہ کتابوں کو

موضوع، اصناف اور علوم وفنون کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا مختصر تعارف قلمبند کیا ہے، تا کہ تلاش وجستجو میں سرگرداں محققین و ادیب، ریسرچ اسکالرز اور قارئین کو اپنی پسندیدہ اور مطلوبہ کتب تک رسائی آسانی کے ساتھ ممکن ہو۔ ان کی اس محنت اور جدوجہد سے سال بہ سال جو بھی کتابیں شائع ہوئی ہیں اسے ڈھونڈنے میں آسانی ہوگی۔ اسی وضاحتی کتابیات کی بائیسویں جلد بھی راقم الحروف کے پاس ہے اور اس کے دیباچہ میں ڈاکٹر مظفر حنفی نے کتابیات کے تعلق سے بڑی عمدہ بات کہی ہے اور اس فن کی شروعات کب ہوئی اور اشاریہ نگاری کی ابتداء میں کن لوگوں نے اس طرف توجہ کی ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''اردو میں کتب کے حوالہ کے باب میں شبلی نعمانی کی اس خدمت کا اعتراف کھل کر کیا جانا چاہیے کہ موصوف ہی کی ہمت افزائی اور مشورے سے محمد سجاد مرزا نے ۱۹۲۳ء میں 'الفہرست' کے نام سے اولین اردو کتابیات تیار کی تھی جسے حیدرآباد سے نظام دکن پریس نے چھاپا تھا۔ اس سمت میں دوسری اہم پیش رفت مولوی عبدالحق کی جانب سے ہوئی جنہوں نے ۱۹۶۱ء میں انجمن ترقی اردو (پاکستان) سے 'قاموس الکتب' کی پہلی جلد شائع کی جو کلیتاً مذہبیات سے متعلق تھی۔ انجمن ہذا نے بعدازاں اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی سعی بھی کی۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی اس کام کی اہمیت کا احساس تھا جن کے ایماء پر کلکتہ میں نیشنل لائبریری کا قیام عمل میں آیا اور وہاں سے 'قومی کتابیات' کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہوا لیکن اردو کے ناشرین اور مطبعوں کی لاپرواہی اور دیگر ناگزیر وجوہ سے اس کام میں جامعیت اور استناد پیدا نہیں ہوا۔ انہیں حالات اور تناظر میں 'وضاحتی کتابیات' کا پیش نظر پروجیکٹ شروع کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔''[124]

پروفیسر مظفر حنفی نے مذکورہ دیباچہ ہی میں ۲۴ سالوں پر مشتمل اس پروجیکٹ کا مقصد بیان کرتے ہوئے اس سے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں، مثلاً وہ تحریر کرتے ہیں:

''بیسویں صدی کے ربع آخر (۱۹۷۶ء تا ۱۹۹۹) میں شائع شدہ اردو کتب کی مجموعی صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ اس مدت میں کل سولہ ہزار آٹھ سو تین (۱۶۸۰۳) اردو کتابیں، کتابیات کے مطابق ہندوستان میں شائع کی گئیں، جن کی صنف وار تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۲۴ برسوں میں شائع ہونے والی کتابوں کی صنف وار تعداد

۱۔ ادبی تحقیق وتنقید	۲۸۸۳
۲۔ شاعری	۳۱۸۵
۳۔ناول/ داستان	۲۰۶۶
۴۔افسانہ/ حکایت/لوک کتھا	۸۹۸
۵۔ڈراما	۲۵۳
۶۔مضمون/ انشائیہ/ خاکہ	۵۳۸
۷۔سوانح/آپ بیتی/ یادداشت/انٹرویو	۷۹۳
۸۔سفرنامہ/مکتوبات	۲۱۷
۹۔زبان	۳۸۵
۱۰۔سماجی علوم=/تاریخ/تہذیب/ سیاسیات	۸۸۱
۱۱۔تعلیم	۲۰۸
۱۲۔سائنسی علوم	۴۱۳
۱۳۔مذہبیات	۱۹۲۸
۱۴۔ادب اطفال	۱۲۳۰

۱۵۔درسیات	۸۷۳
۱۶۔متفرقات	۵۲
میزان:۔۔۔۔۔۔۔	۱۶،۸۰۳ 125

الغرض چوبیس سالوں میں ہندوستان سے اردو زبان وادب میں شائع ہونے والی مختلف موضوعات، اصناف اور الگ الگ علوم وفنون پر مشتمل کتابوں کی تفصیلات اس میں تحریر کی گئی ہیں اور ان کی کل تعداد سولہ ہزار آٹھ سو تین بتائی گئی ہے۔ اردو زبان وادب سے متعلق شائع ہونے والی کتابوں سے محققین وادیب، ریسرچ اسکالرز اور قارئین کو اپنی پسندیدہ اور مطلوبہ مختلف علوم وفنون پر مشتمل کتابیں وہ بھی حروف تہجی کے اعتبار سے تلاش کر سکتے ہیں اور اپنے مطلب ومقصد کی کتابوں کی مختصر لیکن مفید معلومات بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے وضاحتی کتابیات کی آخری جلد میں بھی کتابوں کا اختصار کے ساتھ تعارف پیش کیا گیا ہے اسی بائیسویں جلد سے بطور مثال ایک کتاب کا تعارف پیش کیا جارہا ہے:

''ہوئے ہم دوست جس کے''۔ مصنف: مجتبیٰ حسین۔ ناشر: مصنف، انکورا پار ٹمنٹ پت پڑ گنج دہلی۔ قیمت: ۸۰ روپے۔ سائز: ۱۸×۲۲/۸، مجلد، ضخامت: ۱۴۰ صفحات، ایڈیشن: پہلا، تعداد: چار سو، طباعت: آفسیٹ۔

پیش نظر کتاب مصنف کے ۱۷ شخصی خاکوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں راج بہادر گوڑ، شمس الرحمٰن فاروقی، نثار احمد فاروقی، وحید اختر، شکیل الرحمٰن، قمر رئیس، قتیل شفائی، رشید الدین خان، ابراہیم شوق، عوض سعید، ف، س، اعجاز، سیدہ شان معراج، محمد مرزا، رشید قریشی، ویوکی نندن پانڈے، علی باقر اور وہاب عندلیب کے خاکے شامل ہیں۔''127

''وضاحتی کتابیات'' کی اہمیت مسلم ہے۔ اس کی چوبیس پچیس جلدوں میں محققین کے لئے بے شمار مواد موجود ہیں۔ اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر ممتاز الحق لکھتے ہیں:

''وضاحتی کتابیات کی چوبیس ، پچیس جلدوں کا مطالعہ کرنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے ہزار ہا اردو کتابوں کی ورق گردانی کر لی ہو، اب ریسرچ کرنے والوں کو لائبریریوں کے ہزاروں لاکھوں کا رڈ ٹٹولنے سے نجات مل گئی ہے۔ان کتابیات کی مقبولیت کے ثبوت کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ قومی کونسل نے وضاحتی کتابیات کی جتنی جلدیں شائع کی ہیں ان میں سے قدیم جلدوں کے دو دو تین تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، جبکہ اردو میں کسی کتاب کا ایک ایڈیشن بھی مشکل سے فروخت ہوتا ہے''۔127؎

پروفیسر مظفر حنفی کی تحقیق اور تدوین کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر تابش مہدی نے وضاحتی کتابیات کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اور اسے ان کا ناقابل فراموش کارنامہ قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انہیں ترتیب وتدوین کی منفرد صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے۔اس ذیل میں بھی ان کی متعدد کتابیں علم وادب کی دنیا میں مقبول ہیں۔ بائیس جلدوں پر مشتمل 'وضاحتی کتابیات' ان کا ایسا تدوینی کارنامہ ہے جسے علم وادب کی تاریخ میں تادیر فراموش نہ کیا جا سکے گا۔اس میں انہوں نے ۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۹ء کے دوران ہندوستان میں اردو میں شائع ہونے والی تقریباً پچیس ہزار علمی، ادبی، تنقیدی، تحقیقی اور تاریخی کتابوں کے سلسلے میں جو ضروری معلومات فراہم کی ہیں، وہ مصنفین اور ریسرچ اسکالروں کے لئے ایک بیش بہا خزانہ ہے''۔128؎

اگر چیکہ وضاحتی کتابیات کی پہلی تین جلدوں کے مشترکہ مرتب پروفیسر مظفر حنفی اور پروفیسر گوپی چند نارنگ رہے ہیں لیکن اس کے بعد کی مکمل جلدوں کو انہوں نے نہایت محنت ولگن سے یکا وتنہا ترتیب دیا ہے۔ وضاحتی کتابیات کی جلدوں کو مکمل کرنے کے لئے پروفیسر مظفر حنفی اپنی زندگی کے بیش قیمتی پچیس سال صرف کیے ہیں تب جا کر یہ کتاب قارئین تک پہنچی ہے۔ وضاحتی کتابیات کی

پہلی جلد ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آئی تھی۔جلداول کی تکمیل کے بعد اس تاریخی اور شہرت یافتہ دستاویزی سلسلے اور وضاحتی کتابیات کی دو درجن سے زائد جلدیں زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہیں۔ انہوں نے تقریباً ۲۵ قیمتی سالوں کی محنت شاقہ اور جہد مسلسل کے بعد وضاحتی کتابیات کو قارئین تک پہنچایا ہے اور اسی سے ان کی محنت اور لگن کے ساتھ ساتھ اردو سے لگاؤ اور عشق دکھائی دیتا ہے۔ وضاحتی کتابیات کی مکمل جلدیں صاحب تحقیق اور ریسرچ اسکالروں کے لئے یکساں مفید ہیں تو اساتذہ کے لئے بھی معلومات سے مملو۔ان کی تحریر کردہ کتاب ''کتاب شماری'' چار سو چوبیس صفحات پر مشتمل صوری اور معنوی ہر دو اعتبار سے ایک اہم کتاب ہے۔اسے دلی سے ماڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی نے خوبصورت ٹائٹل پیج ،عمدہ کاغذ اور معیاری کتابت کے ساتھ شائع کیا ہے اس کتاب میں بھی کتابوں کے بارے میں ہی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں یعنی کہ ۱۹۷۶ء سے لے کر ۱۹۹۹ء کے درمیان وضاحتی کتابیات کی بائیس جلدیں منظر عام پر آئی ہیں۔جس میں اردو زبان میں ادب،تنقید،تحقیق،سوانح،لسانیات،سماجی علوم،تعلیم،سائنس، طب،سیاست،ایکونومیکس اور مذہب کے تعلق سے شائع ہونے والی کتابوں کا مختصر تعارف و اشاریہ ہے۔ان تمام کتابوں کے علاوہ بھی مظفر حنفی کی کلیات شاد عارفی،کلیات ساغر خیامی کے علاوہ کئی ترتیب شدہ ،تصنیف کردہ اور ترجمہ کردہ کتابیں ہیں۔ان میں بہت سی کتابیں اب نایاب و کمیاب ہیں اور کئی ایک تو مفقود بھی ہیں آج کے دور میں از سر نو ان کتابوں کی اشاعت کی ضرورت ہے۔تحقیق کے ساتھ ساتھ تنقید کی دنیا میں بھی انہوں نے نمایاں اور اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔مختلف موضوعات،شخصیات اور الگ الگ ادبیات کے عنوان پر تحقیقی و تنقیدی مضامین کے مجموعے منظر عام پر لائے ہیں جو ان کی تحقیقی اور تنقیدی صلاحیت کے غماز ہیں۔انہوں نے اپنی تحریروں، کتابوں اور مضامین کے ذریعے سے اردو زبان و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں اور وہ بھی بغیر کسی مصلحت پسندی کے اردو کی بے لوث خدمت کی کوشش کی ہے۔ان کی تمام نثری و شعری خدمات کے پیش نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اردو ادب کے خاموش اور بے لوث خدمت گزار تھے۔ان کے تحقیقی و تنقیدی اور تمام نثری و شعری خدمات کو اردو ادب کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

حوالے

1۔ اصناف ادب اردو، مطبوعہ ایجوکیشنل پبلیکیشنز ہاؤس علی گڑھ، ص116

2۔ بھولی بسری کہانیاں، ص13، فراق گورکھپوری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2015

3۔ ایضاً، ص169

4۔ ایضاً، ص281

5۔ مظفر حنفی: ایک مطالعہ، ص429، (رتن سنگھ)، موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی

6۔ ایضاً، ص407، (عبدالودود)

7۔ ایضاً، ص316، (اکبرالدین صدیقی)

8۔ بھولی بسری کہانیاں، مظفر حنفی، ص81، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

9۔ گفتگو: دوبدو، مظفر حنفی، ص15۔16، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 2013

10۔ ایضاً، ص56۔57

11۔ سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن، (برطانیہ) صغیر افراہیم، ص103

12۔ مظفر حنفی: ایک مطالعہ، ص04، (فراق گورکھپوری)، موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی

13۔ ایضاً، ص67، (کرشن چندر)

14۔ ایضاً، ص214، (رشید امجد)

15۔ ایضاً، ص200، (غلام مرتضیٰ راہی)

16۔ ایضاً، ص181، (ضیاء حسنی)

17۔ بھولی بسری کہانیاں، ص8، مظفر حنفی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

18۔ ایضاً، 17،

19۔ ایضاً، ص30،

20۔ ایضاً، ص53،

21۔ آزادی کے بعد اردو ڈراما ص27، ڈاکٹر شمیم النساء، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 2008

22۔ ایضاً ص28

23۔ حوالہ سابق، ص30

24۔ اردو ڈراما فن اور منزلیں، ص13، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، 2005

25۔ یوسف جمال انصاری، نقوش آپ بیتی نمبر، ص77، لاہور 1964

26۔ رائٹ سائڈ فلیپ، چل چنبیلی باغ میں

27۔ مظفر حنفی، چل چنبیلی باغ میں، ص7

28۔ ایضاً، ص11

29۔ ایضاً، ص30۔31

30۔ ایضاً، ص37

31۔ ایضاً، ص37

31۔ مظفر حنفی، چل چنبیلی باغ میں، ص54۔55

32۔ حوالہ سابق، ص56

33۔ ایضاً، ص59

34۔ ایضاً، ص62۔64

35۔ ایضاً، ص112

36۔ ایضاً، ص88۔190

37۔ ایضاً، ص63

38۔ ایضاً، ص111

39۔ ایضاً، ص103

40۔ ایضاً، ص66

41۔ ایضاً، ص75

42۔ ایضاً، ص125

43۔ مظفر حنفی، چل چنبیلی باغ میں، ص124۔126

44۔ ایضاً، ص129

45۔ ایضاً، ص122

46۔ ایضاً، ص76

47۔ ایضاً، ص30۔132

48۔ ایضاً، ص204

49۔ ایضاً، ص201

50۔ ایضاً، ص215

51۔ ایضاً، ص225

52۔ یوسف جمال انصاری، نقوش آپ بیتی نمبر، لاہور 1964 ص73

53۔ مولانا غلام رسول مہر، مرتب خطوط غالب، لاہور 1993 ص38

54۔ مظفر حنفی، مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی، ص24

55۔ ایضاً، ص15

56۔ ایضاً، ص119

57۔ ایضاً، ص15

58۔ ایضاً، ص27

59۔ ایضاً، ص79

60۔ ایضاً، ص45

61۔ ایضاً، ص47

62۔ ایضاً، ص240

63۔ ایضاً، ص95

64۔ ایضاً، ص96

65۔ ایضاً،ص120

66۔ ایضاً،ص138

67۔ ایضاً،ص154

68۔ ایضاً،ص158

69۔ ایضاً،ص163

70۔ ایضاً،ص162

71۔ حرف آغاز،مرغوب حیدر عابدی،میر تقی میر،مظفر حنفی،اردو اکیڈمی،دہلی

72۔ پیش گفتار،میر تقی میر،مظفر حنفی،اردو اکیڈمی،دہلی

73۔ ایضاً

74۔ ایضاً

75۔ مظفر حنفی،میر تقی میر،ص20،اردو اکیڈمی،دہلی

76۔ ایضاً،ص28

77۔ ایضاً،ص32

78۔ ایضاً،ص44

79۔ ایضاً،ص52

80۔ ایضاً،ص92

81۔ ایضاً،ص129

82۔ ایضاً،ص152

83۔ مظفر حنفی:ایک مطالعہ،ص288۔خلیق انجم،موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی

84۔ منتخبات شاؔد عارفی،ص17

85۔ ایضاً،ص16

86۔ ایضاً،ص74

87۔ ایضاً،ص320

88۔ مضامین تازہ،ص70

89۔ ایضاً،ص73

90۔ آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز و مزاح، پروفیسر مظفر حنفی،ص3،اردو اکادمی دہلی،2003

91۔ ایضاً،ص16

92۔ ایضاً،ص25

93۔ ایضاً،ص30

94۔ ایضاً ص168

95۔ جہات و جستجو، پیش لفظ،ص7

96۔ ایضاً،ص7

97۔ ایضاً،ص8۔9

98۔ ایضاً،ص39

99۔ ایضاً،ص45

100۔ ایضاً،ص46۔47

101۔ ایضاً،ص44۔45

102۔ تنقیدی نگارشات، گوپی چند نارنگ، مظفر حنفی،ص8،موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی،2014

103۔ ایضاً (پروفیسر شمیم حنفی)،ص156

104۔ ایضاً (ڈاکٹر انور سدید)،ص236

105۔ ایضاً (پروفیسر حنیف نقوی)، مظفر حنفی،ص366

106۔ مظفر حنفی، ہندوستان میں اُردو،ص69

107۔ ایضاً،ص73۔74

108۔ ایضاً،ص79

109۔ ایضاً،ص86۔87

110۔ ایضاً،ص9

111۔ ایضاً،ص97

112۔ مظفرحنفی:ایک مطالعہ،ص310،ادیب سہیل،موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی

113۔ مظفرحنفی،(کچھ اس کتاب کے بارے میں)،جدیدیت:تفہیم وتجزیہ ص10

114۔ مظفرحنفی،کچھ انٹرویو،ص12

115۔مظفرحنفی:ایک مطالعہ،ص325،ساحرہوشیارپوری،موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی

116۔ گفتگو:دوبدو،مظفرحنفی،ص70۔71،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی،2013

117۔ وضاحتی کتابیات،جلد5،ص7

118۔ ایضاً،ص8

119۔ ایضاً،ص90

120۔ ایضاً،ص143

121۔ ایضاً،ص366

122۔ وضاحتی کتابیات،جلد15،ص10

123۔ ایضاً،ص79

124۔ ایضاً،ص140

125۔ وضاحتی کتابیات،جلد22ص9

126۔ ایضاً،ص259

127۔ مظفرحنفی شخصیت اورفن،ص327 مضمون نویس:ممتازالحق

128۔ سہ ماہی سفیراردو،لیوٹن(برطانیہ)ص122

باب چہارم

مظفر حنفی کی صحافتی خدمات

مظفر حنفی کی صحافتی خدمات

ہندوستان میں اردو صحافت کا آغاز اٹھارہویں صدی یعنی کہ مئی ۱۸۲۲ء بنام ''جام جہاں نما'' سے ہوتا ہے۔ یہ اردو اخبار کلکتہ سے جاری ہوا اور اس کے روح رواں اور مدیر منشی سدا سکھ تھے، اس کے بعد سے اب تک ہندوستان میں اردو اخبارات اور میگزین کے چھپنے کا سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔تقریباً دوسو سال سے ہزاروں قسم کے اردو اخبارات اور میگزین نے آنکھیں کھولیں، کئی نے اپنے وجود کو سنبھالتے ہوئے اس میدان میں جوانی سے بڑھاپے تک اپنے کو برقرار رکھا تو کئی ٹھیک سے آنکھ بھی نہ کھول پائے تھے کہ اخباری دنیا کو الوداع کہا۔۔۔خیر میڈیا کی دو قسمیں ہیں، الیکٹرانک میڈیا اور دوسرا پرنٹ میڈیا۔الیکٹرانک میڈیا میں ٹیلی ویژن، ریڈیو اور موجودہ دور میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا مثلاً واٹسپ ،فیسبک ،ٹوئیٹر،انسٹاگرام،ایمیل ، جی میل،لنکڈ ان اور یوٹیوب وغیرہ سب کے سب اسی کے ضمن میں آتے ہیں۔ پرنٹ میڈیا کی قسم میں وہ آتے ہیں جسے طبع کر کے منظر عام پر لایا جاتا ہے۔اس کی مثال اخبار،میگزین اور دیگر شائع ہو کر معلومات فراہم کرنے والے اخبارات اور رسائل وجرائد سے دی جاسکتی ہے۔موجودہ دور اور حال کے زمانے میں حالات نے کروٹ بدلے ہیں آج ہر ایک کے ہاتھوں میں انڈرائیڈ فون ہے اور ہر کسی کے پاس نیٹ کی سہولیات فراہم ہیں۔آئے دن نت نئے موبائل مارکیٹ میں آتے ہی رہتے ہیں اور ان موبائلوں میں بھاشا کی بھی رکاوٹ نہیں۔موجودہ ہر ایک فون میں اردو سافٹ ویر موجود ہے جس سے اردو زبان اور نیٹ پر موجود ہر طرح کے مواد تک بخوبی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے قیمتی وقت کا صحیح اور برمحل استعمال ہو بایں ہمہ وجہ موجودہ دور میں مختلف زبان وادب کے آنلائن اخبارات ومیگزین کی بھی بھرمار ہے اور اب تو ہر اردو اخبار والے کا ای پورٹل بھی دستیاب ہے تا کہ آپ گھر بیٹھے ہندوستان کے اردو اخبارت کا مطالعہ، مشاہدہ ومناظرہ اور محاکمہ ومحاصرہ بھی کر سکتے ہیں۔ایک ہی کلک سے اپنے پسندیدہ اخبارات کو دیکھ اور پڑھ بھی سکتے ہیں مزید یہ کہ اگر کچھ

بھیجنا چاہیں تو اس میں وہ سہولت بھی دستیاب رہتی ہے یعنی ایک کلک کے ذریعے اپنی بات، اپنے مسائل اور اپنے خیالات کو اخبارات تک بھیج سکتے ہیں۔

میتھیو آرنلڈ نے صحافت کے بارے میں لکھا ہیکہ Journalism is a Literature in a hurry مطلب صاف ہے کہ صحافت ایک ایسا ادب ہے جسے جلد بازی میں تحریر کیا گیا ہو۔ صحافت کی تعریف اور اس کے بنیادی لوازمات کے تعلق سے پروفیسر خالد محمود کی رائے دیکھتے ہیں:

> ''اردو لغات میں صحافت کے معنی اخبار نویسی، اخباری کاروبار اور رسالہ نویسی ہیں۔۔۔صحافت سے مراد خبر اور خبر سے متعلق مواد کا حصول، جمع کاری، ترتیب وتدوین، فیچر نگاری، تنقید وتبصرے کے بعد اخبار، رسالہ، پمفلٹ، ریڈیو، ٹیلی ویژن۔فلم یا کتاب کے وسیلے سے اشاعت اور اس کی تقسیم ہے' گویا صحافت کے سروکار اور دائرۂ اختیار میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔صحافت کی موجودہ تعریف میں تنقید وتبصرہ جزو لازم کی حیثیت رکھتے ہیں حالانکہ یہ حیثیت انہیں پہلے بھی حاصل تھی۔صحافت کو بے لگام ہونے سے بچانے اور اس کی صحت وصفائی اور معیار و اعتبار کو پرکھنے اور پرکھتے رہنے کے لئے معروضی تنقید کا عمل اخبار نویس کے تحت الشعور اور بین السطور میں ہمیشہ جاری وساری رہتا تھا، مگر اب داخل ہونے کے ساتھ خارج کو بھی اس کی اہمیت وافادیت کا احساس ہوگیا ہے۔انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کی تعریف میں اسی احساس کا اظہار ہے''۔1

ہمارے ملک ہندوستان میں مختلف زبانوں میں میگزین یعنی کہ رسائل وجرائد اور اخبارات کی اشاعت عمل میں آتی رہی ہے اس کے مقاصد بھی مختلف ہوا کرتے ہیں۔اسی طرح سے ہمارے ملک میں اردو رسائل وجرائد بھی کثرت سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ان سب کے مقاصد الگ الگ ہیں اور یہ مقاصد وقت، حالات، موقعہ اور محل کے اعتبار سے بدلتے بھی رہتے ہیں۔قدیم زمانے میں اخبارات ورسائل اور جرائد کی اتنی کثرت نہیں تھی جتنا کہ اب ہے۔اس کی وجہیں مختلف ہوسکتی

ہیں۔اس وقت روپے اور پیسے کی کمی تھی تو سہولیات کا فقدان بھی تھا۔اسی طرح پڑھے لکھے اور جدید ٹکنالوجی سے ملبوس افراد کی بھی کمی تھی تو ساتھ ہی ساتھ قارئین اور حوصلہ کنندگان کی بھی۔۔۔خیر اب وقت نے کروٹ بدلا،حالات میں تبدیلی آئی،جدید آلات سے لیس مشین کے ذریعے طباعت کا کام ہونے لگا،مختلف سہولیات اور آسانیاں میسر ہوئیں،روپے پیسے کی کثرت ہوئی تو اسی کے ساتھ قارئین کی تعداد بھی بڑھی اور موجودہ زمانے اور اس وقت نئے نئے اور جدید طرز کی میگزین اور نت نئے رسائل وجرائد کا انبار لگنے لگا اور اب تو آنلائن میگزین کی جیسے باڑھ چلی ہو۔ہندوستان میں اردو ادب کی ترویج واشاعت اور ترقی کے لئے کئی میگزین کی اشاعت عمل میں آئی ہے اور ان شاءاللہ مستقبل میں بھی آتی رہیں گی۔بہت سے بہی خواہ نے اخبار ورسائل کی اشاعت کو اردو ادب کی خدمت کے طور پر اپنایا بھی ہے۔یہ ان کا ادب سے ذاتی دلچسپی اور قلبی لگاؤ کا نتیجہ تھا ہم اسی ضمن میں پروفیسر مظفر حنفی کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔چند دہائیاں قبل یعنی کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں وہ بھی ایسی جگہ سے جہاں سے ابھی اتنی سہولیات کے باوجود اکیسویں صدی میں بھی اردو زبان وادب کے اخبار ورسائل نیز میگزین وجرائد نہ کہ برابر شائع ہورہے ہوں وہاں سے اردو زبان وادب کا رسالہ نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔مظفر حنفی کا ایک ایسے وقت میں رسالہ نکالنے کے لئے کمر بستہ ہونا ہی ان کا اردو زبان وادب سے گہری وابستگی کے اظہار کے لئے کافی ہے تو صحافت سے قلبی لگاؤ کو بھی صاف بیان کرتا ہے۔جبکہ اس وقت موجودہ دور جیسی سہولیات کا فقدان تھا اور مزید برآں کہ وہ بھی مدھیہ پردیش کے کھنڈوہ علاقے سے۔جہاں سہولیات کم میسر تھیں۔انہوں نے اپنی کوششوں،مشکلوں اور جدوجہد کے بعد ماہنامہ ''نئے چراغ'' کی شروعات کی تھی۔صحافیوں کو اب بھی اردو کے رسائل وجرائد کے نکالنے کے لئے سوسوجتن کرنے پڑتے ہیں اور اگر اردو رسائل وجرائد کی اشاعت عمل میں آچکی ہے تو اس کی بقا کے لئے مالکان،مدیران اور ایڈیٹران کو خاصے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔مدیر کو کس کس قسم کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں یہ وہی شخص جانتا ہے جو اس میدان میں عملی طور سے قدم رکھ چکا ہو۔انہوں نے اردو ادب کی اشاعت اور اس کے فروغ کے لئے

ماہنامہ ''نئے چراغ'' کو کھنڈوا مدھیہ پردیش سے جاری کیا تھا۔ ماہنامہ نئے چراغ کے کل چودہ شمارے ان کی ادارت میں منظر عام پر آئے اور ایک دو شمارے ان کی ادارت سے سبکدوشی کے بعد بھی شائع ہوئے اور پھر ہمیشہ کے لئے ''نئے چراغ'' کو بند کرنا پڑا۔

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ مظفر حنفی نے ماہنامہ ''نئے چراغ'' جنوری ۱۹۵۹ء میں کھنڈوا مدھیہ پردیش سے جاری کیا تھا۔ اس رسالہ کو نکالنے کا ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس وقت کھنڈوا میں کوئی اردو میڈیم اسکول نہیں تھا اور نہ کوئی اردو رسالہ۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اردو کی ترقی و اشاعت کی غرض سے انہوں نے ''نئے چراغ'' کی اجراء کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ایسے وقت میں ماہنامہ کی اشاعت اور اس کی بقا و ترقی جوئے شیر لانے سے کم نہیں مگر انہوں نے مسلسل جد و جہد اور کوشش سے نئے چراغ کی شروعات کی۔ ماہنامہ نئے چراغ میں مظفر حنفی اور ان کے معاصرین مشاہیر ادباء اور قلمکاروں، فنکاروں نیز ناقدین اور محققین کی تحریریں، مضامین، مقالے، افسانے اور نظمیں چھپنے لگیں۔ اس کے لئے انہوں نے تمام بڑے ادیبوں اور ناقدین سے رابطہ کیا اور ان کی تخلیقات کو اپنی میگزین کے لئے منگوایا اور اس طرح اس عہد کے نامور ادیبوں و دانشوروں کی تخلیقات ان کے اس رسالہ میں جگہ پا گئیں۔ جنوری ۱۹۵۹ء میں مظفر حنفی نے اپنے جن ادب نواز احباب کی مدد اور کچھ خاص و بھروسہ مند دوستوں کا تعاون حاصل کیا اور ماہنامہ ''نئے چراغ'' کو جس مقصد کے لئے جاری کیا اس کی تفصیلات دیتے ہوئے ڈاکٹر مظفر حنفی تفصیل سے رقمطراز ہیں:

> ''ضرورت محسوس کی گئی کہ اردو تحریک کو متاثر بنانے اور اپنی آواز کو دور تک پہنچانے کے لئے ایک ماہنامہ ''نئے چراغ'' کے نام سے جاری کیا جائے۔ ماہنامہ اس لئے کہ کھنڈوا میں نہ کوئی پریس تھا نہ کاتب کہ روزنامہ یا ہفت روزہ پرچہ نکل سکے۔ رسالہ باہر سے طبع کرانا ہوتا جس کے لئے کم از کم ایک ماہ کا وقفہ درکار تھا۔ اردو کے مختلف محاذوں پر جو لوگ سربکف تھے ان میں قاضی حسن رضا، حسن بشیر مرحوم، علی احمد قریشی، قاضی انصار، منشی جلیس، ناصر حسین، پرنسپل اقبال

احمد اور راقم الحروف پیش پیش تھے۔ ''نئے چراغ'' کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے مجھ بے گناہ کو جکڑا گیا اور ادارت کے طوق حسن بشیر، حسن رضا اور قاضی انصار کی گردن میں ڈالے گئے، پچاس پیسے فی شمارہ قیمت کا یہ پرچہ منظر عام پر آیا تو ادبی حلقے دنگ رہ گئے کہ اس کے مضمون نگاروں میں نیاز فتحپوری، قاضی عبدالودود، پروفیسر احتشام حسین جیسے قدآور ناقدین شامل تھے تو فنکاروں میں فراقؔ، شادؔ عارفی، جگرؔ، نوحؔ، جذبیؔ، عبدالحمید عدمؔ اور احمد ندیم قاسمیؔ جیسے صف اول کے لکھنے والے نظر آتے تھے، کھنڈوہ میں ایک ادبی مثلث سا بن گیا جس کے تین زاویے تھے حسن بشیر مظفر حنفی اور حسن رضا، ہماری قلمبند کردہ تقریروں کو اسٹیج سے دہرا کر اور ''نئے چراغ'' کے صفحات کو رفعت کا زینہ بنا کر کئی لوگ سیاست کی بلندیوں پر جا پہنچے۔ بہرحال ہمارا مقصد پورا ہوا اور کھنڈوا میں اردو میڈیم ہائر سیکنڈری اسکول کی بنیادیں مضبوط ہوگئیں۔ اب چونکہ اس اسکول میں کسی معاوضے کے بغیر خون جگر صرف کرنے والے اساتذہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے حسن بشیر اور حسن رضا کو اس میں دھکیل دیا گیا۔ ''نئے چراغ'' کے اجراء کا مقصد چونکہ پورا ہو چکا تھا اور ہمیں دوسرے امور نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اس لئے یہ جریدہ لگ بھگ اٹھارہ شماروں کے بعد جاری نہ رہ سکا۔ اس کے صفحات سے جن لوگوں نے اپنی فنکارانہ حیثیتوں کو مستحکم کیا ان میں آج کے کئی بڑے نام شامل ہیں۔ مثلاً قاضی سلیم، بشیر بدر، راہی معصوم رضا، شہریار، ندا فاضلی، عمیق حنفی، خلیق انجم، نثار احمد فاروقی، بشر نواز اور بہت سے دوسرے فنکار لطف یہ ہے کہ ''نئے چراغ'' کے سبھی مدیر بہ فضل خدا شاعر ہوتے تھے لیکن پالیسی یہ رکھی گئی تھی کہ عام روش کے برعکس رسالے کو اپنے نام ونمود اور ادبی ساکھ بنانے کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ چنانچہ ان اٹھارہ شماروں میں کسی مدیر کا ایک شعر بھی شائع نہیں کیا گیا۔

اس بندھن سے نجات ملی تو راقم الحروف نے بھوپال اور بعدازاں دہلی کی آزاد فضا میں اپنی کچھ ٹوٹی پھوٹی حیثیت بنالی لیکن حسن بشیر اور حسن رضا اپنی بھرپور صلاحیتوں کے باوجود اسی بے نیازی کی روش پر قائم ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ۱۹۵۸ء کے آس پاس جدیدیت کے رجحان کو رسالہ ''شب خون'' سے پہلے فروغ دینے والے یہ دونوں فنکار آج بھی غیر معروف ہیں''۔ 2

اقتباس قدرے طویل ہوگیا لیکن اس رسالے کے مقاصد اور اس عہد کی صورتحال کی عکاسی کے لئے ضروری تھا کہ پورا اقتباس دیا جائے۔ اس شہر سے نئے چراغ سے قبل ایک رسالہ بہارستان نکلتا تھا۔ لیکن ''بہارستان'' ایک مخصوص تعلیمی ادارے کا ترجمان ہونے اور اپنی خاص تعلیمی پالیسی کی وجہ سے محدود حلقوں تک رسائی رکھتا تھا۔ لیکن ان سب کے باوجود ''نئے چراغ'' نے اپنی جدت پسندی، اردو ادب کی خدمت، اس وقت کے اہم ادیبوں کے مضامین اور ہمہ گیر ادبی پالیسی کی وجہ سے مختصر عرصے میں ہی ہندو و پاک کے ادبی حلقوں میں اپنی اہمیت و انفرادیت اور اس وقت کی ضرورت کا بہترین نقش قائم کیا۔ اس ماہنامہ نے قلیل مدت میں ہی ادبی دنیا میں شہرت و مقبولیت کے اسباب میں فنکاروں، ادیبوں اور قلمکاروں کی قلمی معاونت کے ساتھ ساتھ رسالہ کی جدت پسندی، عمدہ ترتیب اور اس وقت کے مشہور و معروف ادباء، نقاد، محققین و مضمون نگار کی تحریروں، شہرت یافتہ شعراء کی شاعری، مختلف النوع مضامین، سائز کی انفرادیت، مستقل اور مسلسل عنوانات کا سلسلہ، پرمغز، معلومات سے مملو اور مدلل و مبرہن اداریے اور نوجوان سرگرم اور بے لوث اراکین کی مخلصانہ اور محبتانہ کاوشوں کی وجہ سے جلد ہی یہ ماہنامہ مشہور و معروف ہوگیا تھا۔ اس ماہنامہ کے اولین شمارے میں ہی برصغیر ہندو پاک کے ان اہم، معتبر و مستند اور مشہور و معروف فنکاروں، قلمکاروں اور ادیبوں کی تخلیقات شامل ہوئیں۔ ان میں رام لعل، ظفر احمد، ناطق گلاوٹھی، ماہر القادری، ابرار حسنی، شمیم کرہانی، اشفاق زیدی، ثاقب کانپوری، کوثر چاند پوری، راہی معصوم رضا، حامدی کاشمیری اور نریش کمار شاد کے اسماء گرامی اہمیت کے حامل ہیں۔ مظفر حنفی ماہنامہ نئے چراغ کے منفرد

کتابی سائز، فہرست کی جدت و نئے پن اور اس کے مشمولات کے عنوانات وغیرہ سے متعلق تفصیلات فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کچھ لوگوں کو رسالے کے سائز پر اعتراض ہے۔ ہمارا خیال عمومیت سے علیحدہ رہنے کا تھا۔ عمومیت سے علیحدہ اور منفرد رہنے کا مظفر حنفی کا یہ رجحان 'نئے چراغ' کے پہلے ہی شمارے میں ہر صفحہ پر نمایاں ہے۔ شمولیت کے لئے متعینہ مستقل عنوانات کی معنی خیزی اور برجستگی سے بھی مظفر حنفی کی انفرادیت پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''نئے چراغ'' کے اداریوں کو رسالے کے نام کی مناسبت سے ''شعاع اولین'' کا نام دیا گیا۔ مقالات کے لئے ''شیشہ و تیشہ'' افسانوں کے لئے ''سنگ و خشت'' ، نظموں کے لئے ''سنبل و سلاسل'' اور غزلوں کے لئے ''لالہ و گل'' عنوانات طے کئے گئے۔ کتب اور رسائل پر تبصرے ''میری نظر میں'' عنوان کے تحت شریک کئے جاتے۔ اولین دو شماروں میں شاعروں اور ادیبوں کے خطوط میں ''نئے چراغ'' کی قلمی معاونت کی یقین دہانی اور نیک خواہشات کا اظہار کے لئے ''سفر ہے شرط'' کا عنوان لگایا گیا ہے۔ بعد والے شماروں میں شامل تخلیقات پر مکتوب نویسوں کے تاثرات کے لئے عنوان ''پرچھائیاں'' مقرر کیا گیا ہے۔ ''نئے چراغ میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز ''مشاہدات ارسطو ثانی'' کے مستقل عنوان کے تحت طنزیہ افسانوں کا سلسلہ تھا جسے آج منی افسانے کہا جاتا ہے اور اس کی عمر دس بارہ سال بتائی جاتی ہے دراصل اس کا جنم ''نئے چراغ'' کے شہر میں آج سے ربع صدی قبل ہو چکا تھا''۔3

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منی افسانہ کی ابتداء کا سہرا اسی ماہنامہ کو جاتا ہے۔ ماہنامہ نئے چراغ سے قبل اس طرح کے افسانے لکھنے کا رواج عام نہیں تھا۔ اصل میں منی افسانے کی دین یہی ماہنامہ ہے حالاں کہ سعادت حسن منٹو نے فسادات کے موضوع پر چھوٹے چھوٹے افسانچے''

سیاہ حاشیہ'' کے عنوان سے ۱۹۴۷ء میں تحریر کئے تھے۔اسی وجہ سے اولیت اورافسانچے کی ابتداء کا سہرا منٹوکو حاصل ہے لیکن ماہنامہ'' نئے چراغ'' کے ذریعے پروفیسر مظفر حنفی نے اس روایت کی تشکیل نو کی تھی۔ان افسانچوں کے ساتھ ان کے خالق کے نام کی جگہ ایک فرضی نام، ارسطو ثانی، دکھائی دیتا ہے۔تحقیق وجستجو کے بعد اور تتبع وتلاش کے نتیجے میں اس بات کا انکشاف ہوا کہ ''ارسطو ثانی'' کے پس پردہ نئے چراغ کے مدیر مظفر حنفی اور نئے چراغ کے سفیر حسن بشیر تھے۔دراصل یہ سلسلہ'' نئے چراغ'' کے ابتدائی شمارے جنوری ۱۹۵۹ہی سے حسن بشیر نے اس کی شروعات کی تھی۔اول شمارے میں ہی ان کے ۳افسانچے ملتے ہیں۔دوسرے شمارے یعنی فروری ۱۹۵۹ء میں کل چھ افسانچے شامل ہیں۔ان میں ''روشنی کے بعد'' اور ''لوک لاج'' پروفیسر مظفر حنفی ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔۱۹۵۹ء کے مارچ کے شمارے میں مظفر حنفی کے کل ۷افسانچے شامل ہیں جن کے عنوانات ہیں: ''باقی کل''، ''پاگل اور پولیس''، ''اخلاقیات''، ''پیمانے''، ''اپنے''، ''انسان اور برہمن'' اور ''کسوٹی''، چوتھے شمارے میں ۱۹۵۹ء میں مدیر ماہنامہ نئے چراغ کے چھ افسانچے ''چھچھورا''، ''شریف آدمی''، ''پڑوسی''، ''گنتی داناؤں کی''، ''بہت زیادہ عقل'' اور ''سلام اور داد'' کے عنوانات سے شامل ہیں۔پانچویں چھٹے اور ساتویں شمارے میں حسن بشیر کے افسانچے ملتے ہیں۔نئے چراغ کے آٹھویں شمارے دسمبر ۱۹۵۹ء میں پروفیسر مظفر حنفی کے یہ مختصر افسانچے ''بلاعنوان''، ''ساختہ بے ساختہ''، ''دیار دھرم''، ''دھکے''، اور ''خلوص کار'' کے عنوان سے شامل رسالہ ہیں۔مانامہ نئے چراغ دسمبر ۱۹۵۹ء کے بعد والے شماروں میں مشاہدات ارسطو کا سلسلہ بند ہوگیا اور پھر چند سالوں کے بعد خود رسالہ نئے چراغ ہی بند ہوگیا۔ان کے تحریر کردہ یہ سارے منی افسانچے اسی عنوان کے ساتھ ڈاکٹر مظفر حنفی کے افسانوی مجموعہ، دیدۂ حیراں، میں موجود ہیں اور دیدۂ حیراں اب'' بھولی بسری کہانیاں'' نامی افسانوی مجموعہ میں شامل ہیں۔پروفیسر مظفر حنفی نے ماہنامہ'' نئے چراغ'' کے تعلق سے نہایت اہم باتیں ایک

دوسری جگہ بھی رقم کی ہیں۔اس میں انہوں نے ماہنامہ نئے چراغ کی ابتداء،قلم کار اور دیگر معاونین کا ذکر کیا ہے۔اوراس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ ماہنامہ ''شب خون'' سے قبل ''نئے چراغ'' کے ذریعے کھنڈوا جیسے وسائل سے محروم شہر سے جدید شعراء اور افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد کو جدیدیت کی طرف راغب کیا۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''عوام میں شعروادب کا ذوق عام کرنے کا فریضہ بہت کچھ رسالے'' بہارستان اور ماہنامہ ''نئے چراغ'' نے انجام دیا۔اول الذکر پرچہ اردو نارمل اسکول کھنڈوا کے استاد شارق نیازی کی ادارت میں آزادی سے قبل نکلتا تھا۔اور ''نئے چراغ'' ۱۹۵۹ء میں جاری ہوا جس کی مجلس ادارت میں راقم الحروف کے ساتھ حسن بشیر، قاضی انصار اور حسن رضا بھی شریک تھے۔اس پرچے کے وسیلے اور ڈاکٹر خورشید احمد صدیقی، ڈاکٹر مسرت حسین، پرنسپل اقبال احمد، خان بہادر حفاظت علی مرحوم وغیرہ کی معاونت سے کھنڈوا میں پہلی بار ایک اردو بوائز ہائر سیکنڈری اسکول قائم ہوا یہ بھی عرض کردوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ بالعموم ہندوستان میں جدید رجحانات کو شعرو ادب میں عام کرنے کا سہرہ ماہنامہ ''شب خون'' الہ آباد کے سر بندھتا ہے،لیکن ''شب خون'' کے اجرا سے کم وبیش چھ سات سال قبل ماہنامہ ''نئے چراغ'' نے کھنڈوا جیسے وسائل سے محروم شہر سے جدید شعراء اور افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد کو جدیدیت کی طرف مائل کیا.....ان میں سے بیشتر نے ''نئے چراغ'' کے وسیلے سے ہی ہندوستان کی ادبی دنیا میں اپنی فنکارانہ حیثیت مستحکم کی''۔4

ماہنامہ نئے چراغ کی حکمت عملی

ماہنامہ ''نئے چراغ'' کے بانی پروفیسر مظفر حنفی تھے اور ان کے ساتھ ان کی ایک مختصر سی ٹیم تھی جو بیک وقت رسالہ کے نشر و اشاعت سے لے کر عوام و خواص کے درمیان پہنچانے کا بھی بندوبست کرتی تھی۔ تمام اخبارات و رسائل اور جرائد و میگزین کی طرح نئے چراغ نے بھی یہ پالیسی وضع کر رکھی تھی کہ کسی پرچے میں اراکین میں سے کسی کی کوئی بھی تخلیق ان کے اصلی نام سے شامل نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اسے اپنے ادبی تعلقات کو استوار کرنے کا وسیلہ بنایا جائے گا جبکہ ذمہ داران میں سے ہر شخص شاعر یا ادیب تھا۔ اراکین و منتظمین 'نئے چراغ' اپنے اس اصول وضوابط پر آخر تک سختی سے عمل پیرا رہے۔ خلوص و محبت اور ایثار و قربانی کی ایسی مثالیں بہت کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اکثر و بیشتر افراد موجودہ دور میں میگزین یا اخبار کے نکالنے کا مقصد اولیں یہی ہوتا ہے کہ اسے ذاتی تشہیر اور ذاتی مفاد کے لئے استعمال کریں اور اسی کے ساتھ میگزین اور رسائل و جرائد نکالنے کا ایک مقصد نام و نمود کا حصول اور احباب نوازی، دوستی اور موقع پرستی کا کوئی موقع پرستی بھی ہے۔ اس بات کی یقین دہانی اور پختہ ثبوت کے لئے نئے چراغ کے اول شمارے میں ہی افسانوں کی فہرست میں ڈاکٹر مظفر حنفی کا نام دیکھنے کو ملتا ہے لیکن اندرونی صفحات میں ان کا تحریر کردہ افسانہ، نقش فریادی، شامل نہیں ہے۔ تحقیق و تفتیش کے بعد مظفر حنفی کے ذریعے معلوم ہوا کہ ماہنامہ نئے چراغ کے اراکین اور ذمہ داروں نے اس خیال سے کہ وہ برصغیر ہندو پاک کے معروف قلم کار اور فن کار ہیں اور ان کی تخلیق کی شمولیت رسالے کے معیار میں اضافہ کا باعث ہوگی ان کے افسانے کو شامل کرنا چاہا تھا مگر انہوں نے عین وقت پر سختی کے ساتھ اپنا افسانہ شامل ہونے سے روک لیا کیوں کہ یہ بات ماہنامہ نئے چراغ کے اصول وضوابط اور متعینہ پالیسی کے خلاف تھی۔ بعد میں وہی افسانہ انہوں نے ''افکار'' کراچی کو بھیجنا چاہا تو احباب نے چھین جھپٹ کر ''نئے چراغ'' کے ساتویں شمارے میں یعنی کہ جون و جولائی ۱۹۵۹ء میں شائع کر دیا کہ نئے چراغ میگزین ''افکار'' سے زیادہ اس افسانے کا مستحق ہے۔ چنانچہ

ان کا افسانہ اگست ۱۹۵۹ء کے شمارے کے لئے بھی بالجبر واکراہ ان سے ایک اور کہانی ''اسرار خداوندی'' لے کر نئے چراغ میں چھاپ دی گئی تھی۔ ماہنامہ ''نئے چراغ'' میں اس سے پہلے اور بعد کے کسی بھی شمارے میں ان کی کوئی تخلیق نہیں ملتی۔ جہاں تک مظفر حنفی کا تعلق ہے اپنے نام کی تشہیر کرنے کی شاید انہیں اس وقت کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ اس وقت برصغیر ہندو پاک کے اردو کے تقریباً تمام رسائل وجرائد اور میگزین میں ان کی تخلیقات افسانے، کہانیاں، اور غزلیں مسلسل شائع ہو رہی تھیں اور تخلیقات بھیجنے کے لئے رسائل کے مدیروں کے خطوط آئے دن ان کے نام آتے رہتے تھے۔ لیکن منی افسانے کی تو اس کی نشر واشاعت میں بھی حد درجہ احتیاط برتا گیا تھا اور وہ اس طرح کہ اپنے نام کو ظاہر نہ کیا بلکہ ایک فرضی نام سے لکھتے رہے۔ مستقل عنوان ''مشاہدات ارسطو'' کے تحت مختصر ترین افسانے بھی فرضی نام ارسطو ثانی کے نام سے مظفر حنفی اور حسن بشیر نے رقم کیے تھے لیکن یہاں بھی اپنے ناموں کو پس پردہ رکھنے کی شعوری کوششیں صاف دکھائی دیتی ہیں اور اراکین وذمہ داران رسالہ کی جانب سے ''نئے چراغ'' کے اصول وضوابط اور پالیسی کو ہر ممکنہ عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی تھی۔

ادارتی عملہ

جیسا کہ یہ بات پہلے بھی رقم کی جا چکی ہے کہ ماہنامہ نئے چراغ کے مظفر حنفی گل سرسبد تو تھے ہی اسی کے ساتھ ہی ماہنامہ نئے چراغ کے روح رواں اور مالک کل بھی تھے اسی لئے اس کے مدیر اعلیٰ یا چیف ایڈیٹر میں مظفر حنفی کا نام شامل رہا جب تک کہ وہ نئی جاب کی وجہ سے شہر کھنڈوا سے مستقل طور پر باہر نہ چلے گئے تھے۔ اس کے باوجود رسالہ کے دیگر ممبران برابر یہی چاہتے رہے کہ مظفر حنفی ہی اس رسالہ کے چیف ایڈیٹر بنے رہیں۔ ''نئے چراغ'' کے ابتدائی شمارے یعنی کہ جنوری ۱۹۵۹ء میں چیف ایڈیٹر کی جگہ ڈاکٹر مظفر حنفی اور معاونین میں حسن رضا، حسن بشیر اور حباب ہاشمی کے نام ملتے ہیں۔ ماہنامہ جون وجولائی کے مشترکہ شمارے تک مجلس ادارات میں یہی نام شامل تھے۔ ماہنامہ ''

نئے چراغ'' کے ماہ ستمبر اور اکتوبر ۱۹۵۹ء کے مشترکہ مجلّہ میں معاونین کی فہرست میں ایک نام قاضی انصار کا شامل کیا گیا تھا۔ ماہ مارچ ۱۹۶۰ء تک قاضی انصار سمیت یہی نام ملتے ہیں۔ ماہنامہ ''نئے چراغ'' اپریل ۱۹۶۰ء سے اس کا آخری شمارہ اگست ۱۹۶۰ء تک ۳ شماروں میں چیف ایڈیٹر مظفر حنفی کی بجائے حسن بشیر کا نام ملتا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان ایام میں مظفر حنفی ملازمت کے سلسلے میں کھنڈوہ سے بھوپال چلے گئے تھے۔ وہ بھوپال میں رہتے ہوئے بھی رسالے کی ترتیب وتدوین میں ان کے مشورے شامل رہے لیکن کھنڈوہ، مدھیہ پردیش میں نہ رہنے کی وجہ سے ڈاکٹر مظفر حنفی نے مدیر کی حیثیت سے ماہنامہ میں اپنا نام کی شمولیت کو ضروری نہیں سمجھا۔ چوں کہ اس وقت کے حالات، تقاضے اور کام کرنے کے طریقے مختلف ہوا کرتے تھے اور موجودہ دور میں کاز کے طریقے ہی بدل گئے ہیں۔ اس وقت انٹرنیٹ کی سہولت دستیاب نہیں تھی، نہ ایمیل، نہ جی میل، نہ نیٹ، نہ گوگل، نہ فیسبک، نہ پرنٹر اور نہ ہی کمپیوٹر وغیرہ، اگر آج کا دور ہوتا تو ان سب سہولتوں کی وجہ سے اداریے اور ادارتی ذمہ داری نبھانا بالکل ہی آسان ہوتا۔ جب تک مظفر حنفی کاز کرتے رہے نام شامل ادارت رہا اور جیسے ہی ماہنامہ کے لئے قلمی اور علمی وعملی تعاون نہ دیا، ادارتی فہرست سے اپنے نام کو ہٹالینا مناسب سمجھا۔ اپنے کام کے تئیں ذمہ داری اور دیانت داری ہی ایک اچھے صحافی کی پہچان ہوتی ہے۔ مظفر حنفی میں اس طرح ایک اچھے صحافی کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم ملتی ہیں۔

عناوین

انفرادیت پسندی مظفر حنفی کے یہاں زیادہ ہے وہ جو بھی کام کرتے ہیں اس میں نیا پن، جدت کو تلاش کرتے ہیں تاکہ بھیڑ بھاڑ سے ہٹ کر کچھ الگ کیا جائے۔ انہوں نے رسالہ ''نئے چراغ'' میں شائع ہونے والے مختلف النوع مضامین نظم ونثر کے لئے عمدہ، بہترین اور دلچسپ و برجستہ مستقل عنوانات کے تعین کے علاوہ سلسلہ وار مضامین وعناوین کا تعین کر کے عمومیت سے علیحدہ رہنے کے رجحان کو اپنایا۔ ''نئے چراغ'' کی دیکھا دیکھی اور پیروی کی وجہ سے نئے چراغ

کے بعد بہت سے رسائل نے اس کی نقل کی۔اس معاملے میں بھی اولیت کا شرف مظفر حنفی کو ہی جاتا ہے۔ماہنامہ نئے چراغ کے پہلے شمارے سے آخری شمارے تک ان عنوانات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ''نئے چراغ'' کے ابتدائی شمارے پر ظ۔انصاری کا تبصرہ ماہنامہ 'شاہراہ دہلی' میں نشر ہوا تھا جس میں انہوں نے اس عنوانات پر تبصرہ کرتے ہوئے اس رسالہ کی تعریف کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''کھنڈوا مدھیہ پردیش سے ماہنامہ ''نئے چراغ'' کا اجراء ہوا جناب مظفر حنفی ہسوی اس جریدے کے مدیر ہیں۔ایڈیٹوریل اسٹاف میں حسن بشیر صاحب، جناب قاضی حسن رضا اور قاضی انصار صاحب وغیرہ وغیرہ کے نام نظر آتے ہیں۔ پرچہ صاف ستھرا اور معیاری ہے۔مقالات کے حصے میں جو''شیشہ و تیشہ'' کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔قاضی عبدالودود اور کیلاش ماہر کے نام نظر آتے ہیں۔منظومات ''سنبل وسلاسل'' کے نام سے ترتیب دی گئی ہیں اس حصے میں کئی چیزیں کام کی ہیں۔''سنگ وخشت'' کا عنوان کہانیوں پر مشتمل ہے اور اس میں اوپندر ناتھ، شاہدہ شیریں اور ستیش تبرہ کے نام نظر آتے ہیں۔ہمیں امید ہے کہ ادارہ اسے اور اچھا اور بہتر بنانے کی کوشش کرے گا۔''5

اس طریقے سے ساٹھ کی دہائی میں ڈاکٹر مظفر حنفی نے ماہنامہ نئے چراغ کا کھنڈوہ جیسے دور افتادہ اور اردو کے کے لئے غیر معروف مقام سے اجراء کیا تھا اور جلد ہی یہ رسالہ ادبی افق پر چھا گیا۔ اس جریدہ کی مقبولیت میں مسلسل عناوین کا سلسلہ اور مضامین کی جدت اور مظفر حنفی کی ٹیم کے خلوص و محبت اور ان سب کی محنت ومحبت کا بڑا دخل تھا۔ماہنامہ ہو یا سہ ماہی، ہفتہ واری ہو یا روزانہ یا پھر سالانہ اصل میں میگزین اور رسائل و جرائد اور اخبارات کی جان اس کے قلمکار ہوا کرتے ہیں جس اخبار، رسالہ یا میگزین کا جیسا قلمکار اور فنکار ہوگا اسی حساب سے اس کی شہرت ومقبولیت ہوگی۔ ماہنامہ ''نئے چراغ کے جاری ہونے سے پہلے ہی ڈاکٹر مظفر حنفی بحیثیت شاعر وافسانہ نگار اور مضمون نویس کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں خاصے معروف تھے۔ملک کے بیشتر رسائل وجرائد میں چھپتے

رہتے تھے اور ان رسائل و جرائد کے مدیر سے ان کے دیرینہ اور گہرے تعلقات تھے تو اسی کے ساتھ شاعروں اور ادیبوں سے ان کے قریبی روابط بھی تھے جیسے ہی انہوں نے ''نئے چراغ'' نکالنے کا اعلان کیا اور قلمی تعاون کے لئے شعراء، ادباء، قلمکار، فنکار اور افسانہ نگار کے نام خطوط لکھا تو مختلف مقامات، جگہ اور ہر حلقے سے نہ یہ کہ تعاون کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی بلکہ مظفر حنفی کے نام حوصلہ افزا خطوط آئے جن میں ان کی ادارت کو رسالے کے معیار کی ضمانت کہتے ہوئے اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا۔ یہاں نثار احمد فاروقی اور رشید احمد صدیقی جیسی معروف شخصیات کے ایک ایک اقتباس پیش کئے جاتے ہیں، اسی سے ماہنامہ نئے چراغ کی ضرورت و اہمیت اور جرائد و رسائل کی دنیا میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رسالہ نئے چراغ کے مدیر کی حیثیت سے مظفر حنفی سے مخاطب ہو کر نثار احمد فاروقی تحریر کرتے ہیں:

> ''آپ تجربہ کار انسان ہیں اور فنکار کو اگر اس کے فن سے پہچانا جا سکتا ہے تو آپ کے بارے میں میری رائے بہت اچھی ہے اس تعلق سے یقین کرتا ہوں کہ جس رسالے میں آپ اپنے شب و روز کھپائیں وہ مفید ہی ہوگا''۔

رشید احمد صدیقی معروف ادیب ہیں وہ اس ماہنامہ نئے چراغ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میری خواہش تھی کہ مدھیہ پردیش سے کوئی اچھا ماہنامہ نکلے جس کا میں حسب دل خواہ تعاون کر سکوں بالکل مطمئن رہئے مجھے یقین ہے کہ آپ ناکام نہیں ہوں گے۔''6

کہتے ہیں محنت و محبت اس وقت رنگ لاتی ہے جب خلوص دل سے نیک نیتی کے ساتھ کاز کیا جائے تو یقیناً یہ محنت بھی کامیاب ہوتی۔ اس بات کا عملی ثبوت مظفر حنفی اور ان کے ذریعہ شروع کیا گیا رسالہ ماہنامہ ''نئے چراغ'' تھا۔ انہیں ملک کے تقریباً سبھی اچھے فنکاروں کا قلمی تعاون حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ماہنامہ نئے چراغ میں مظفر حنفی اور ان کے معاصرین مشاہیر ادباء اور قلمکاروں، فنکاروں نیز ناقدین اور محققین کی تحریریں، مضامین، مقالے، افسانے اور

نظمیں چھپنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے نئے چراغ ادبی افق پر چھا گیا۔اس وقت کے مستند و معتبر ادباء کا قلمی تعاون حاصل رہا ان ناموں کی ایک مختصر سی فہرست حاضر ہے جو مجلّہ کا قلمی تعاون کرتے رہے انہیں میں سے نیاز فتحپوری، مجنوں گورکھپوری، جگر مرادآبادی، فراق گورکھپوری، احمد ندیم قاسمی، پروفیسر احتشام حسین، قاضی عبدالودود، شاد عارفی، خلیل الرحمٰن اعظمی، نوح ناروی، ادیب سہارن پوری، رام لعل، نازش پرتاب گڑھی، کوثر چاند پوری، آل احمد سرور، ماہر القادری، نریش کمار شاد، شکیل الرحمٰن، ناطق گلاوٹھی، ذکی انور، روش صدیقی، عمیق حنفی، ناظر کاکوروی، شمیم کرہانی، شکیل بدایونی، راہی معصوم رضا، ش، اختر، بشیر نواز، بشیر بدر، ثاقب کانپوری، شعری بھوپالی، عبدالحمید عدم، غلام ربانی تاباں، موہن یاور، قیسی الفاروقی، احمد جمال پاشا، ابراہیم یوسف، ساغر نظامی، معین احسن جذبی، محوی صدیقی، سلام مچھلی شہری، پریم درار برٹنی، نثار احمد فاروقی، رضا نقوی واہی، اختر انصاری، خلیق انجم، سراج انور، نشور وحدی، مخمور سعیدی، قاضی سلیم، کشمیری لال ذاکر، شہریار، ستیہ پال آنند، پشکر ناتھ، راجہ مہدی علی خاں، ابرار حسنی، عمر عادل مارہروی، قیصر قلندر، حامدی کاشمیری، گوپی ناتھ، حیرت بدایونی، ٹھاکر پونچھی، ہاجرہ مسرور، صالحہ عابد حسین، کرشن چندر، سدرشن ہانی وغیرہم کی تخلیقات و تحریرات، مضامین، افسانے، غزلیں، نظمیں ''نئے چراغ'' میں شامل نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں اس رسالے کے ذریعے ایسے کئی نئے تخلیق کار ادبی دنیا سے متعارف ہوئے جنہوں نے آگے چل کر اردو دنیا میں اچھی خاصی شہرت حاصل کی۔ مثال کے لئے م۔ راجندر، ہر چرن چاولہ، شرون کمار ورما، عطیہ پروین اور زرینہ ثانی جیسے نئے نام شامل تھے۔

مظفر حنفی بحیثیت مدیر

جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں رقم کر چکے ہیں کہ ماہنامہ نئے چراغ کے بانی، روح رواں مظفر حنفی کی ذات ستودہ صفات تھی مگر ان کے ساتھ ادارتی، اشتہاری اور معاونین کی ایک پوری ٹیم موجود تھی۔ مدیر ماہنامہ نئے چراغ مظفر حنفی نے ایک جگہ اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے کہ ان کی

ادارت میں ''نئے چراغ'' کے لگ بھگ اٹھارہ شمارے شائع ہوئے۔ یہ بات انہوں نے بھول چوک سے لکھی تھی، ان کی ادارت میں ''نئے چراغ'' کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۵۹ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ چند مشترکہ شمارے کو ملا کر مارچ ۱۹۶۰ء تک مظفر حنفی کی ادارت میں کل چودہ شمارے ہی شائع ہوئے تھے۔ اس کے بعد ان کے کھنڈوا سے بھوپال منتقل ہو جانے کی وجہ سے آخری تین شمارے حسن بشیر کی زیر ادارت نکلے اور یہ رسالہ ''نئے چراغ'' اگست ۱۹۶۰ء کے آخری شمارے کے ساتھ ہی جو نئے آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا کرتا تھا، آخری سانس لی۔ مظفر حنفی کا روشن کیا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا اور بہت جلد ادبی دنیا میں اپنی پہچان بنانے والا یہ رسالہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ مظفر حنفی نومبر ۱۹۵۹ء میں اپنی شادی کے سلسلے میں کھنڈوا سے ہسوہ چلے گئے تھے۔ جانے سے قبل نومبر ۱۹۵۹ء تا مارچ ۱۹۶۰ء کے شمارے خود سے ترتیب دے چکے تھے۔ اسی لئے ماہ مارچ ۱۹۶۰ء کے شمارے تک میگزین میں مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے ان کا نام ملتا ہے۔ مظفر حنفی کا کھنڈوا سے چلے جانے کے بعد سے ''نئے چراغ'' کی اشاعت تعطل کا شکار ہو گئی اور تعطل کے بعد ہی ہمیشہ کے لئے بند کرنا پڑا۔ ادارتی عملے کے باقی لوگوں پر ان کی خود کی بہترین صلاحیتوں کے باوجود مظفر حنفی کی موجودگی میں ''نئے چراغ'' کے سلسلے میں کاز کی زیادہ ذمہ داریاں نہیں تھیں۔ پہلے پہل تو یوں لگتا تھا کہ پرچہ بند ہو جائے گا۔ لیکن جیسے تیسے ادارتی عملے کے باقی لوگ مظفر حنفی کی غیر موجودگی میں بھی نئے چراغ کے تین شمارے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ اپریل ۱۹۶۰ء کے اپنے مرتبہ شمارے میں بحیثیت چیف ایڈیٹر حسن بشیر نے اداریہ میں رقم کیا تھا:

> ''اس مرتبہ ہمارے ساتھ آپ کو بھی اس خبر سے یقیناً افسوس ہوگا کہ ''نئے چراغ'' اس ماہ سے جناب مظفر حنفی کی خدمات سے محروم ہو چکا ہے۔ امید ہے اپنی تجارتی مصروفیات کے باوجود بھی موصوف اپنی تخلیقات اور مفید کار آمد مشوروں سے ''نئے چراغ'' کو نوازتے رہیں گے۔''[7]

''نئے چراغ'' سے علاحدگی کے بعد رسالے کو جاری رکھنے کے بارے میں اپنے ساتھیوں

کے جوش وولولے کا ذکر کرتے ہوئے مظفر حنفی لکھتے ہیں:

''نئی نئی امنگ تھی، خدمت اردو کا جذبہ امڈا ہوا تھا، سنجیدگی سے سوچنے کی صلاحیتیں سلب ہو چکی تھیں، جذباتیت جوش پر تھی لیکن اب کہ زمانے اور ملک کی بے حسی حوصلے پست کر چکی ہے اور میں ''نئے چراغ'' سے دست بردار ہو کر یہاں سرکاری ملازمت کرنے بیٹھا ہوں اور وہاں یار لوگ ''نئے چراغ'' کو گلے میں پڑنے والی آنتوں کی طرح کھینچ تان کر جلائے رکھنے کی کوشش میں حیران و سر گرداں ہیں''۔8

اس طرح سے مظفر حنفی کے کھنڈوہ سے ہٹتے ہی بڑی محنت ومحبت اور کوششوں سے چند عملہ اور احباب کے ذریعہ شروع کیا ہوا یہ رسالہ آخر اپنے اختتام کو پہنچا۔ اردو ادب کی مختصر مدت میں بیش بہا خدمات انجام دینے والا ماہنامہ ''نئے چراغ'' ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

اداریے

کسی بھی زبان میں اخبارات ورسائل، نیوز پیپر یا جرائد شائع ہوں تو اداریئے ہی اس کی جان اور پہچان ہوا کرتے ہیں۔ کئی کئی اخبارات ورسائل تو صرف اداریہ اور مدیر کی وجہ سے ہی جانے اور پہچانے جاتے ہیں اور ان کے بکنے بننے اور پڑھنے کی اصل وجہ اداریہ ہی ہوا کرتا ہے۔ اداریہ اخبار ومیگزین کی جان ہوا کرتا ہے جس طرح پورے جسم کے تحفظ وبقاء کے لئے قلب ودل کا صحیح وسالم ہونا اور اس کا رہنا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح اخبار کی ترقی، نشر واشاعت اور فروغ کے لئے بہترین، قابل، باصلاحیت اور حالات حاضرہ پر گرفت رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ خوبصورت تحریر کرنے والے مدیر کا ہونا جزو لازم ہے۔ کسی بھی اخبار یا میگزین کے تحفظ وبقا کے لئے مدیر اعلیٰ کا باصلاحیت، مدبر، اچھی جانکاری، مثبت فکر، حالات حاضرہ پر گہری گرفت اور معلومات سے پر ہونا بہت ہی ضروری ہے اور یہی اس کی آن، بان اور شان بھی ہے۔ اداریہ ہی سے کسی بھی اخبار ومیگزین

کی بقاءاوراس کے تحفظ کا ضامن بھی ہے۔اداریہ کسی بھی اخبار کے معیار ومستند ہونے کے لئے کافی ہے۔اداریہ کے تعلق سے پروفیسر خالد محمود نے اپنی کتاب ادب اور صحافتی ادب میں ایک مضمون بنام 'اردو میں اداریہ نگاری-ایک جائزہ' میں بڑی اچھی بات کہی ہے،مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''اداریہ کی تعریف وتوضیح سے قبل مناسب ہوگا کہ اردو لغات میں اس کے معنی پر ایک نظر ڈالی جائے۔فرہنگ عامرہ (محمد عبداللہ خویشگی) میں اداریہ کے معنی ایڈیٹوریل، لیڈنگ آرٹیکل اور اخبار کا ایک خاص مضمون درج ہے۔ فیروز اللغات (مولوی فیروزالدین) میں بھی وہی معنی ہیں جو فرہنگ عامرہ میں دیے گئے ہیں بس اتنا فرق ہے کہ عامرہ میں ایک جگہ ''اخبار کا ایک خاص مضمون'' درج ہے اور فیروز اللغات میں لفظ ایڈیٹر کا اضافہ کرکے ''اخبار کے ایڈیٹر کا ایک مضمون'' کردیا گیا ہے۔یہ ضروری اشارے بھی دیے گئے ہیں کہ یہ لفظ عربی کا ہے اور مذکر ہے۔اردو لغات کے اندراجات نے اداریے کی اصطلاحی تعریف کے دروازے اخباری صحافت کی جانب وا کردیے ہیں۔اب یہاں سے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اداریہ کسی اخبار کی پالیسی کا جامع،بلیغ اور غیر جذباتی اظہاریہ ہوتا ہے اور اس میں فکر انگیز اور بصیرت افروز باتیں مدلل انداز میں کہی جاتی ہیں اس لئے اخبار کا یہ جزوِ قوی ایک ایسے ذمے دار شخص کی جنبشِ قلم کا تقاضا کرتا ہے جو سیاسی،سماجی،تہذیبی اور تاریخی شعور کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ بالغ نظر،بیدار مغز اور وسیع المطالعہ ہو اور حسب ضرورت تاریخ اور عالمی منظر نامے پر بھی نگاہ رکھتا ہو۔یہ خوبیاں چونکہ ایڈیٹر یا مدیر میں فرض کی جاتی ہیں اس لئے ایڈیٹوریل یا اداریہ اسی کے نام سے منسوب ہے۔ اخباری معاملات کا سب سے بڑا ذمے دار اور جواب دہ ہونے کی وجہ سے یہ اسی کا حق بھی ہے''۔9

اداریے کے مقاصد کیا ہوا کرتے ہیں، اداریے کس طرح کے ہوا کرتے ہیں اور کس طرح کے اداریے اخبارات ورسائل میں ہونا چاہئے نیز اداریے کی تحریر اور اس کے مقصد وموضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فاضل مضمون نگار مزید تحریر کرتے ہیں:

''اچھا اداریہ لکھنا غزل کا اچھا شعر کہنے کی طرح مشکل کام ہے۔ اچھے اداریے میں بھی اختصار وجامعیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ شعر میں رمز وکنایہ سے کام چل جاتا ہے اور اداریہ میں نپے تلے الفاظ کی مدد سے اپنا مطمح نظر مدلل انداز میں واضح کرنا ہوتا ہے۔ اداریہ کی زبان نہ ایسی مشکل ہو کہ بقول غالبؔ 'کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی' اور نہ ایسی آسان کہ بقول میرؔ 'پر مجھے گفتگو عوام سے ہے' اداریہ کا مقصد کسی خاص اور اہم موضوع پر اخبار کا نقطۂ نظر واضح کرنا، اپنے قارئین کو سمجھانا، اضافی معلومات فراہم کرنا اور انہیں اپنا ہم خیال بنانا ہوتا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے سنجیدہ، متین اور مدلل گفتگو ہی حصول مقصد کی تکمیل کا وسیلہ ہوتی ہے۔ ایک اچھا ایڈیٹر اسی طریقے پر کاربند ہو کر اپنے اخبار اور اخبار کے توسط سے خود اپنی شہرت اور مقبولیت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اچھا اداریہ کسی کو ڈرانے، دھمکانے یا کسی کا مذاق اڑانے اور مرعوب کرنے کا متحمل نہیں ہوتا اس لئے اس کے زبان وبیان میں تحمل، متانت اور غیر جانب داری لازمی ہے تاکہ اخبار اور ایڈیٹر کے وقار ومعیار پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ اداریہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کا فن ہے''۔10؎

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ جس زمانے میں ''نئے چراغ'' کی ابتداء ہوئی تھی اس وقت مظفر حنفی کا شمار اردو کے معروف قلم کاروں میں ہونے لگا تھا۔ رسالہ ''نئے چراغ'' میں شامل اپنے اداریوں میں انہوں نے اپنی تمام تر ذہنی وفکری علمی اور قلمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس وقت کے پریشان کن حالات اور توجہ طلب عصری مسائل بالخصوص اردو کو درپیش مسائل پر بڑے

خوبصورت اور بے باکانہ انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔ ''نئے چراغ'' کے پہلے شمارے کے اداریے میں لکھتے ہیں:

''معلوم نہیں انہیں اس راہ کی پیچیدگیوں کا علم تھا یا نہیں، بہرطور کھنڈوہ کے کچھ حوصلہ مند نوجوانوں کو خدمت اردو کی دھن سوار ہوئی اور نیشنل لائبریری وجود میں آئی۔ چند ماہ بعد ایک قدم اور بڑھا، انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ کھنڈوہ میں کھولی گئی جس کے الحاق کے سلسلے میں اب تک مرکزی اور ریاستی شاخ نے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حوصلے پست ہوجاتے اور یار لوگ اپنا اپنا کام دیکھتے لیکن اس کے بجائے اس سنگلاخ زمین سے ایک معیاری اور خالص ادبی ماہنامہ نکالنے کا تہیہ کرلیا گیا، ہوش مندوں نے سمجھایا۔ غیروں نے پھبتیاں کسیں، یاران طریقت نہ مانے، میں بے گناہ پکڑا گیا اور ''نئے چراغ'' کی پہلی کرن آپ کے پیش نظر ہے''۔11

ادب وادیب سرحدوں کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ ادب کی دنیا میں لگن ومگن رہتا ہے اور پوری ادبی دنیا کی اپنی ایک الگ ہی دنیا ہے اسی لئے اگر ادبی دنیا میں کہیں بھی ادبی نقصان ہوتا ہے تو ایک ادیب کا قلم ضرور چلتا ہے۔ کسی بھی ادیب کے خلاف ہرزہ سرائی کی جائے ایک ادیب کا دل ضرور دکھتا ہے۔ فیض احمد فیض اور ندیم احمد قاسمی یہ دونوں مشہور ومعروف شاعر ہیں ان دونوں کو پاکستان میں گرفتار کیا گیا تھا۔ مظفر حنفی اسی تعلق سے اپنا احتجاج درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پاکستان میں فیض احمد فیضؔ اور احمد ندیم قاسمیؔ وغیرہ کی گرفتاری پر ہر صاحب نظر، امن دوست انسان کا فرض تھا کہ صدائے احتجاج بلند کرتا لیکن اس واقعہ پر جس طرح آنکھیں بند کرلی گئی ہیں وہ انصاف کے قطعی منافی ہے۔ احمد ندیم قاسمیؔ حال ہی میں رہا کردیے گئے لیکن فیضؔ اب تک قید وبند میں ہیں ہم اس بارے میں حکومت پاکستان سے پرزور احتجاج کرتے ہیں۔''12

مظفر حنفی نہ صرف یہ کہ بیرون ملک کے لوگوں پر برستے ہیں بلکہ وہ اپنے ملک کے لوگوں پر بھی بغیر کسی تردد کے اپنی بات کھل کر کرتے ہیں۔ منافقین اردو کو ان کے ریشہ دوانیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں ایسے وقت میں ان کے قلم کی جنبش اور ان کا تیور ضرور ملاحظہ فرمائیں:

''ادھر چند گنے چنے لوگ شیش محل میں بیٹھ کر رہروان تازہ دم پر سنگ باری کرتے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ ''نئے چراغ'' کے صفحات کو ان کی نازیبا حرکتوں کے ذکر سے داغدار کریں ورنہ پلٹ کر ایک نظر دیکھ لینا کافی ہے شیش محل چھنا نک سے زمین پر آرہے گا۔''13؎

ماہنامہ کی شروعات ہو چکی تھی اور اس کے لئے مظفر حنفی اور ان کے رفقائے کار دن رات محنت کر کے ماہنامہ کی اشاعت کو یقینی بنا رہے تھے۔ میگزین کی اشاعت میں کس طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور کیسی کیسی پریشانیاں آئے دن دیکھنے کو ملتی تھی۔ مظفر حنفی ''نئے چراغ'' کے قارئین سے مخاطب ہو کر ادبی رسائل کی کسمپرسی بیان کرتے وقت کس طرح جذباتی ہو جاتے ہیں اور قارئین سے کس طرح کی توقعات رکھتے ہیں، ان کے اداریہ کے اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اردو سے عشق تھا اور اردو ادب کی نشو ونما، تحفظ و بقاء اور اس کے فروغ کے لئے وہ کسی بھی حد تک جا سکتے تھے:

''آپ جاسوسی اور فلمی رسائل تو ہزاروں کی تعداد میں خریدتے ہیں۔ اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں شکوہ صرف یہ ہے کہ آپ کی بے توجہی ''شاعر''، ''صبا''، ''شاہکار''، ''نئے چراغ'' اور ''خیال'' جیسے خالص ادبی پرچوں کو مار ڈالنے پر تلی ہوئی ہے۔ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ اس زبان میں شائع ہونے والے خالص ادبی پرچے جس کے حامی ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، اس طرح سسک سسک کر سانس لیتے ہیں جیسے یہ ان کی آخری سانس ہو''۔14؎

موجودہ دور میں ہمارے ملک کی کئی ریاستوں میں اردو اکیڈمیوں کا وجود عمل میں آچکا ہے

اوران اکیڈمیوں کے مالی تعاون سے شاعروں اور ادیبوں کی کتابیں بھی تیزی کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں نیز کئی شائع شدہ کتابوں پر انعامی رقم بھی دیجاتی ہے جو کسی ادیب وشاعر کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ ربع صدی پیشتر حالات اس کے برعکس تھے بیشتر باصلاحیت شاعر وادیب اپنی زندگی بھر کی تخلیقی کاوشوں کو کتابی شکل میں دیکھنے کی حسرت لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے تھے۔ مظفر حنفی کے ذہن رسا اور دوررس نگاہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۰ء کے آس پاس ان کے ذہن میں اس اہم مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک قابل عمل منصوبہ پیدا ہوا جس کا اظہار ''نئے چراغ'' کے ایک اداریے میں ''نئے چراغ پبلشنگ اکیڈمی'' کے عنوان کے تحت اس طرح کیا تھا کہ ''فنکاروں کی پریشانیوں کی داستان اتنی بار دہرائی گئی ہے کہ اب اس کے ذکر سے بھی کوفت ہوتی ہے پاکستان میں رائٹرز گلڈ کا قیام اس سلسلے میں بڑا عمدہ اقدام ہے۔ ہندوستانی ادیب اب تک امداد باہمی کے اصولوں پر مبنی کسی انجمن کے قیام کی تجویزوں سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں فیض انصاری مدیر ''خیال'' نے جو تحریک چلائی ہے وہ ابھی بحث ومباحثہ تک ہی محدود ہے جب کبھی فنکاروں کی بہتری کے لئے ملک کے کسی بھی گوشے سے کوئی تحریک اٹھے گی ہم اسے تقویت پہنچانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھیں گے لیکن موجودہ صورت حال میں کسی طویل انتظار کی گنجائش نہیں۔ ابھی ادارہ ''نئے چراغ'' مالی طور پر اتنا مستحکم نہیں ہوسکا کہ فوری طور پر کوئی اتنی جامع اسکیم تیار کر سکے جو فنکاروں کی تمام بنیادی مشکلات کا سدباب کر سکے، فی الحال ہم ان صلاحیت رکھنے والے تمام فنکاروں کے لئے جواب تک ناشرین کی بے توجہی کا شکار رہے ہیں ''نئے چراغ پبلیشنگ اکیڈمی'' کا اعلان کرتے ہیں''۔ انہوں نے مالی مشکلات اور تعاون کرنے کی ایک عمدہ سبیل نکالی تھی جو صرف کاغذ پر ہی جم گئی لیکن ان کی تحریر نے بعد میں آنے والی نسلوں اور اردو ادب کے لئے خدمت کرنے والوں کے لئے حوصلہ کن ثابت ہوئی۔ مظفر حنفی کی عدم موجودگی ناموافق حالات، وسائل کا فقدان اور ارباب اردو کے تغافل کی وجہ سے ''نئے چراغ'' پبلشنگ اکیڈمی'' تو کجا چند ماہ بعد ''نئے چراغ'' ہی کی زندگی کے

لالے پڑ گئے اور آخر کار یہ خالص ادبی رسالہ دو سال کی مختصر مدت بھی خوش وخرم ہو کر نہیں جی سکا اور ہمیشہ کے لئے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ بہر حال ''نئے چراغ'' کے اداریوں سے پیش کردہ مذکورہ اقتباسات سے مظفر حنفی کی ژرف بینی، وسیع القلبی، زود نویسی، شگفتگی، شائستگی، اردو ادب سے بے پناہ محبت وعشق اور اس کے تحفظ و بقا کی کوشش کو دیکھا جا سکتا ہے نیز ان کی بلند حوصلگی اور منفرد مدیرانہ صلاحیتوں کا اندازہ بھی آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

''نئے چراغ'' کی جب شروعات ہوئی تو اس کے قلم کاروں میں ہندو بیرون ہند کے بیشتر مشاہیر اہل قلم نے اپنی اپنی قلمی خدمات پیش کیں۔ ساٹھ کی دہائی کے اردو کے معتبر و مستند ادیب و کبار علماء، تنقید نگار اور محققین و مضمون نگاروں نے اس میں اپنی علمی و ادبی اور قلمی صلاحیت کے جوہر دکھا کر خوش ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ فخر بھی کرتے تھے۔ ان علماء، مفکرین، فنکار اور اردو کے ممتاز و معروف قلم کاروں میں بہتوں نے نئے چراغ کی ترتیب وتہذیب اور معیار و مزاج کو دیکھ کر مظفر حنفی کی مدیرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے، نمونتاً چند اقتباس پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیں:

اس سلسلے میں سب سے پہلے فراق گورکھپوری کا خط ملاحظہ فرمائیں، اردو ادب کی دنیا میں فراق گورکھپوری کا نام کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں ہے، وہ ماہنامہ نئے چراغ کے تعلق سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ''نئے چراغ'' کے شمارے میری نظر سے گزرتے رہے اس رسالے کی خوبیوں کا اندازہ کر کے مجھے خوشی اور حیرت ہوئی کہ دور افتادہ کھنڈوا سے اتنا اچھا رسالہ شائع ہونے لگا۔ اچھے رسالے قوم کی تعلیم کے بااثر حربے ہیں۔ ہمارا ملک خوشحال اور ترقی یافتہ ہوتا تو نئے چراغ ایسے رسالے پچاسوں ہزار کی تعداد میں لوگ خریدتے۔ اور ہماری تہذیب وثقافت کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیتے۔ ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے اور اس امر کی کوشش جاری رکھنا چاہئے کہ ''نئے چراغ'' کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں''۔15

شمیم کرہانی، سے اردو دنیا واقف ہے، ان کے خط میں دیکھتے ہیں کہ ماہنامہ نئے چراغ سے متعلق انہوں نے اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی ستائش بھی کی ہے مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''سخت حیرت ہے کہ کھنڈوا جیسے مقام سے ایسا کامیاب ماہنامہ کیوں کر جاری ہو سکا۔ یہ آپ حضرات سے صاحبان عمل کی سعی وعمل کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہاں رسالہ کو سب نے پسند کیا۔ حال ہی میں احتشام حسین صاحب لکھنؤ سے تشریف لائے تھے۔ وہ بھی آپ کے ماہنامے کے تعلق سے اچھے خیالات اور پسندیدگی کا اظہار کررہے تھے۔ آپ کو شروع ہی میں ملک کے نامور مصنفوں کی معاونت حاصل ہوگئی ہے۔''16؎

شہر یار اردو شاعری کا بڑا نام ہے، ان کی غزلیں فلمی دنیا میں بھی گائی گئی ہیں۔ ہندوستان کے مشہور ومعروف اردو شاعر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق پروفیسر نے مظفر حنفی اور ان کے جاری کردہ رسالہ پر اپنی مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس کی تعریف کی ہے مثلاً ان کا کہنا ہے:

''نئے چراغ' کی روشنی دیکھ کر اردو داں طبقے میں جو اعتماد پیدا ہو چلا ہے وہ فال نیک ہے۔ جس کے لئے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ پانچویں شمارے کی شعاع اولیں آپ کے جرأتمندانہ اقدام کی بہترین مثال ہے جس کے لئے ایک بار پھر مبارکباد قبول کریں۔''17؎

رام لعل کا خط مظفر حنفی اور ان کے رسالہ ''نئے چراغ'' کی چھپائی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پیارے مظفر حنفی، کل شام کی ڈاک سے ''نئے چراغ'' ملا۔ چھٹویں اور ساتویں کرن ایک تنہا کرن سے یقیناً زیادہ جاندار اور دیرپا ہے۔ اس شمارے کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے لئے اتفاق سے آج صبح مجھے بہت سی فرصت مل گئی۔ دو گھنٹے کے مختصر عرصے میں میں نے سارا رسالہ پڑھ لیا۔ کتابی سائز کے ایک سو صفحات پر تم

اس قدر دلچسپ عام فہم میٹر چھاپتے ہو کہ پڑھتے وقت کم سے کم میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی بور نہیں ہوا۔''18؎

''صبح نو'' (پٹنہ) کے کہنہ مشق مدیر وفا ملک پوری بھی اس پرچے کی ادبی اہمیت اور جدت پسندی کا ان لفظوں میں اعتراف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

'نئے چراغ'' کے تینوں شمارے یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ یہ ملک کے چند ادبی ماہناموں کی صف میں رکھے جانے کے لائق جریدہ ہے۔۔۔ یہ امر البتہ موجب مسرت اور کچھ باعث حیرت بھی ہے کہ بہت جلد آپ نے اچھے فنکاروں کا تعاون حاصل کرلیا ہے۔۔۔ ترتیب میں آپ نے جدت پسندی سے کام لیا ہے''۔19؎

رسالہ ''نئے چراغ'' کے متعلق مشاہیر کی آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ماہنامہ ''نئے چراغ'' کی زندگی کے لئے مظفر حنفی کا وجود ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ رسالے کے لئے ہندو پاک کے صف اول کے ادیبوں، قلمکاروں، شاعروں، افسانہ نگاروں اور فنکاروں کا قلمی تعاون مظفر حنفی سے ان لوگوں کے ذاتی تعلقات کی بنا پر اولین شمارے ہی سے حاصل ہوگیا تھا۔ مشہور و معروف شعراء و ادباء، قلمکار، فنکار، نقاد اور محققین کے تاثراتی خطوط سے ''نئے چراغ'' کی بہت کم عرصے میں حیرت انگیز مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رسالے کے منفرد سائز کے ساتھ ساتھ مستقل عنوانات کی ندرت آمیز مطابقت اور ترتیب و تہذیب سے بھی ان کی مدیرانہ اور صحافتی صلاحیتوں کے ثبوت ملتے ہیں۔ مظفر حنفی کے تحریر کردہ اور ترتیب شدہ اداریوں اور رسالوں سے ادبی اور سماجی، معاشی و اقتصادی مسائل پر ان کے خیالات کی گرفت تو تحریر کی پختگی اور مشاقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی زیر ادارت نکلنے والے چودہ شمارں کے مقابلے میں اور بعد کے تین شماروں کے معیارات کا تقابلی مطالعہ کرنے پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ان کے رسائل نکالنے اور بعد والے کے رسائل نکالنے میں واضح فرق

ہے۔مظفرحنفی کی تحریریں اور بعد میں ان کے قلمی معاونین کی تحریروں میں زمین وآسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں آئے دن نت نئے رسائل وجرائد جاری ہوتے رہتے ہیں جن میں سے چند شماروں کے بعد اور کچھ چند برس نکل کر ہمیشہ کے لئے بند ہوجاتے ہیں۔ادبی دنیا میں یاد رکھا جانے والا ماہنامہ، سہ ماہی اور ہفتہ واری رسائل وجرائد کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ان میں بہت کم رسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے نام لوگوں کو کچھ مہینے بھی یاد رہ پاتے ہوں''نئے چراغ''دوسال سے کم مدت میں دودرجن شماروں سے بھی کم ہی شائع ہوکر ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔۱۹۶۰ء کے آس پاس اردو ادب کے میدان میں شائع ہونے والے ہندوستانی رسائل وجرائدکو اکثر شعراء وادباء کے ذہنوں میں''تخلیق''(دہلی)''تلاش''(دہلی)''شب خون''(الہ آباد)''نگار''(لکھنو)''محور''(دہلی)اور''خیال''(کامٹی)کے ساتھ ساتھ آج بھی''نئے چراغ''(کھنڈوہ)مدھیہ پردیش کی یادیں،کاز،اداریےاوراس کے مدیراورارکین ومعتمدین کی یادروشن وتازہ ہےاورمظفرحنفی کی صحافتی خدمات بھی قابل ستائش اورنا قابل فراموش ہیں۔

کسی بھی اخبار، رسالہ کی جان اس کے مدیر ہوتے ہیں اسی طرح اخبار یا میگزین بھی مدیر کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔گزشتہ صفحات میں پیش کردہ حقائق کی روشنی میں یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح''نئے چراغ''کی زندگی، بقاوتحفظ نیز اس کی نشونما اور وقار کے لئے مظفرحنفی کے وجود کی اہمیت مسلم ہے، بعینہٖ وہی اہمیت مظفرحنفی کی ادبی زندگی میں''نئے چراغ''کو حاصل ہے کیونکہ''نئے چراغ''ہی کے واسطے سے ان کی شاد عارفؔی تک رسائی ہوئی، تعلقات استوار ہوئے اور آخر یہ تعلقات استادی وشاگردی کے مستحکم رشتے میں مضبوطی کے ساتھ تبدیل ہوگیااوراسی کا نتیجہ ہے کہ مظفرحنفی نے شاؔد عارفی کی تربیت اور ابتداواتباع میں اپنے تخلیقی سفر کی شروعات کی اور پھر کبھی پیچھے کی جانب منھ مڑکر بھی نہیں دیکھا بلکہ بڑھتے گئے، پڑھتے گئے اور آگے چلتے ہی گئے اور آخری دم تک ان کا قلم رواں اور دواں تھا۔کئی اصناف میں کتابیں قلمبند کر چکے تھے اور ادبی دنیا میں ایک صاحب طرز اور منفرد لب ولہجہ کے شاعر وادیب کی حیثیت سے نمایاں مقام

بنائے ہوئے ہیں۔ ''نئے چراغ'' کے وسیلے سے مظفر حنفی کی شاد عارفی سے وابستگی کی داستان بھی دلچسپ ہے۔ مظفر حنفی نے ''نئے چراغ'' کے پہلے شمارے کے لئے تخلیقات طلب کرنے کی غرض سے ہندو پاک کے صف اول کے فن کاروں کے ساتھ ایک خط شاؔد عارفی کو بھی لکھا، پھر کیا ہوا؟۔ اس کے آگے کی دلچسپ تفصیلات خود مظفر حنفی سے سنئے:

میں نے ۱۹۵۹ء میں کھنڈوا سے ادبی ماہنامہ ''نئے چراغ'' جاری کیا تو شاد عارفی کو بھی لکھنے کی دعوت دی۔ اس اداریے کے لیٹر پیڈ اور خطوط پر نام کی مطابقت سے یہ مصرع چھپا ہوا تھا۔

نئے چراغ جلاؤ کہ روشنی کم ہے

چند دن بعد دفتر پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ حسن رضا اور حسن بشیر (اراکین ادارہ) منہ پھلائے بیٹھے ہیں دریافت حال پر بپھر گئے۔ پھر شاد عارفی کو مغلظات سنائی گئیں اور مجھے ان کا مداح ہونے کے جرم میں مطعون کیا گیا اور بعد ازاں شاد صاحب کا خط میرے منہ پر مار دیا گیا۔ الفاظ میں کفایت اور لفظوں میں بچت کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا:

''محترمی سلام علیکم

فرمائش نامہ ملا۔ تعمیل کے لئے یہ غزل حاضر ہے اگر چھاپ سکیں۔ نہ چھاپیں تب بھی مجھے اطلاع ضرور دیں۔ میں جواب کا منتظر ہوں اور وہی رسمی الفاظ (کہ مزاج بخیر ہوگا) شاد عارفی''۔ ساتھ ہی ایک سان پر چڑھی ہوئی غزل منسلک تھی۔ ذرا چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

گھروں کو آگ لگاؤ کہ روشنی کم ہے
یہیں سے بات بناؤ کہ روشنی کم ہے

بنائے ہوئے ہیں۔ ''نئے چراغ'' کے وسیلے سے مظفر حنفی کی شاد عارفی سے وابستگی کی داستان بھی دلچسپ ہے۔ مظفر حنفی نے ''نئے چراغ'' کے پہلے شمارے کے لئے تخلیقات طلب کرنے کی غرض سے ہندو پاک کے صف اول کے فن کاروں کے ساتھ ایک خط شاؔد عارفی کو بھی لکھا، پھر کیا ہوا؟۔ اس کے آگے کی دلچسپ تفصیلات خود مظفر حنفی سے سنئے:

میں نے ۱۹۵۹ء میں کھنڈوا سے ادبی ماہنامہ ''نئے چراغ'' جاری کیا تو شاد عارفی کو بھی لکھنے کی دعوت دی۔ اس اداریے کے لیٹر پیڈ اور خطوط پر نام کی مطابقت سے یہ مصرع چھپا ہوا تھا۔

نئے چراغ جلاؤ کہ روشنی کم ہے

چند دن بعد دفتر پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ حسن رضا اور حسن بشیر (اراکین ادارہ) منہ پھلائے بیٹھے ہیں دریافت حال پر بپھر گئے۔ پھر شاد عارفی کو مغلظات سنائی گئیں اور مجھے ان کا مداح ہونے کے جرم میں مطعون کیا گیا اور بعد ازاں شاد صاحب کا خط میرے منہ پر مار دیا گیا۔ الفاظ میں کفایت اور لفظوں میں بچت کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا:

''محترمی سلام علیکم

فرمائش نامہ ملا۔ تعمیل کے لئے یہ غزل حاضر ہے اگر چھاپ سکیں۔ نہ چھاپیں تب بھی مجھے اطلاع ضرور دیں۔ میں جواب کا منتظر ہوں اور وہی رسمی الفاظ (کہ مزاج بخیر ہوگا) شاد عارفی''۔ ساتھ ہی ایک سان پر چڑھی ہوئی غزل منسلک تھی۔ ذرا چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔

گھروں کو آگ لگاؤ کہ روشنی کم ہے
یہیں سے بات بناؤ کہ روشنی کم ہے

☆☆☆

کہیں جھپٹ نہ پڑیں دن میں مشعلیں لے کر
عوام کو نہ بجھاؤ کہ روشنی کم ہے

☆☆☆

روا نہیں کہ کسی ڈوبتے ستارے کو
چراغ راہ بناؤ کہ روشنی کم ہے

☆☆☆

ذرا پہنچ کر تو دیکھو سواد منزل تک
تم اس خبر پہ نہ جاؤ کہ روشنی کم ہے

☆☆☆

یہ شاعران غلط ہیں کہیں گے اک دن شاؔد
ہمیں چراغ دکھاؤ کہ روشنی کم ہے

غرض کہ تمام غزل میں ادارہ ''نئے چراغ'' کا موٹو نئے چراغ جلاؤ کہ روشنی کم ہے، ادھیڑ کر رکھ دیا گیا تھا نہ پوچھئے کہ کن مراحل سے گزر کر میں اپنے ساتھیوں کو اس غزل کی اشاعت کے لئے رضا مند کر سکا۔ کھرے پن اور صاف گوئی کی ایک حد ہوتی ہے اور اکثر مصلحتوں سے مصالحت کرنی پڑتی ہے۔ شاد صاحب سے بس یہی نہیں ہوتا تھا۔ اگر شاد صاحب کی بلند قامتی سے واقف نہ ہوتا تو بہ حیثیت مدیر ''نئے چراغ'' ان کے بارے میں قطعی غلط رائے قائم کرتا''۔

مدیران رسائل کے نام خوش آمد اور چاپلوسی آمیز خطوط لکھنے کی روش عام ہے۔ پچھلے صفحات پر پیش کردہ مشاہیر قلم کاروں کے ''نئے چراغ'' کے بارے میں خالصتاً تعریفی خطوط کے مقابلے میں شاد صاحب کے اس

بے باکانہ خط کے علاوہ چند اور خطوط سے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے جن میں انہوں نے ''نئے چراغ'' کی خامیوں پر انگشت نمائی کی ہے۔

(۱) ''حصہ نثر ایک حد تک دلچسپ رہا لیکن حصہ نظم میں ''نئے چراغ'' والی بات کہیں نہیں پائی گئی کئی استادوں کے شعر و قطعات مہمل اور بے ربط ہیں نام لینا ادبی اخلاق کے منافی ہے۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو نشاندہی کرسکوں گا۔ راہی معصوم رضا کی غزل بے بحری کی اچھی مثال ہے''۔

(۲) ''گھاسپورہ سے ''نئے چراغ'' کا اجراء بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی کچھار میں جگنو کا چمکنا''۔

(۳) اس مرتبہ کتابت میں غلطیاں ''آٹے کے نمک'' کی جگہ ''نمک میں آٹے'' کے مانند ہیں۔ بعض اشعار اور نثر کی سطریں کچھ اس طرح بے ربط ہیں جیسے سیلاب نے جگہ جگہ سے ریل کی پٹری اکھیڑ کر رکھ دی ہو''۔

لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ شاد عارفی کی نظر صرف ''نئے چراغ'' کی خامیوں پر ہی گئی ہو، انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں اس کی تعریف بھی کی ہے۔ ''نئے چراغ'' کے منفرد سائز کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''جس لنکا میں سب باون گز کے ہوں وہاں انفرادیت کی دو ہی صورتیں (افراط و تفریط) ممکن ہیں۔ تیسری صورت کے سلسلے میں ہمیں مستقبل سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ مگر بحث حال سے وابستہ ہے۔ اس لئے بحالت موجودہ ''نئے چراغ'' کا سائز ۳۰ گز والی خصوصیت بلکہ انفرادیت کا حامل ہے، تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس کو باون گز والے رسائل مثلاً ''نگار''، ''شاہراہ''، ''پگڈنڈی''، ''راہی'' اور کچھ دوسرے رسائل کا ہم قد بنا کر اس کی انفرادیت کیوں ضائع کی جائے''۔20

مدھیہ پردیش کے ایک ضلع کھنڈوہ سے ماہنامہ ''نئے چراغ'' کو جاری کیا گیا اور اس کے زندگی کی کل مدت دو سال سے کم رہی۔ نئے چراغ کا سب سے بڑا کارنامہ اردو ادب میں جدیدیت

کے رجحان کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔ پاکستان میں عام طور سے جو بات کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جدیدیت کا رجحان ۱۹۵۸ء ہی سے شروع ہوا جبکہ ہندوستان میں ۱۹۶۰ء کے بعد اسے فروغ حاصل ہوا تھا۔ ''نئے چراغ'' نے ۱۹۵۹ء ہی سے جدیدیت کے لئے راہیں ہموار کرنی شروع کردی تھیں۔ موجودہ دور کے ممتاز جدید شاعروں اور ادیبوں میں سے اکثر نے اپنے فن کی ابتدائی منزلیں ''نئے چراغ'' کے وسیلے سے ہی طے کیں تھیں۔ علاوہ ازیں موجودہ دور کے کئی نامور فن کاروں، قلمکاروں اور ادیبوں کو اردو دنیا سے پہلی بار متعارف کرانے کا خوبصورت سہرا بھی ''نئے چراغ'' کے سر ہے جن کے نام کی ایک مختصر سی فہرست پچھلے صفحات پر دی جا چکی ہے۔

کل ملا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''نئے چراغ'' کا اجراء کھنڈوا جیسے دور افتادہ، بنجر زمین اور غیر ادبی مقام سے ہوا تھا۔ یہ رسالہ اپنے منفرد انداز اور سنجیدہ ادبی پالیسی کی وجہ سے یہ نوزائیدہ مجلّہ بہت جلد ادبی دنیا میں مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔ ہندو پاک کے صف اول کے فن کار، ادیب، نقاد اور محققین اس کے قلمی معاونین میں شامل تھے۔ اردو دنیا کے کئی نامور فن کاروں نے اپنی ادبی ساکھ اسی رسالے کے وسیلے سے مستحکم کی تھی۔ ہندوستان میں جدیدیت کے لئے راہ ہموار کرنے میں ''نئے چراغ'' کے اہم رول کے علاوہ آج کے کئی جدید فن کاروں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز اسی رسالے سے کیا تھا اور بعد میں وہی قلمکار ادبی افق پر چھا بھی گئے۔ منی افسانے کی تجدید اسی رسالے کی دین ہے تو عصری مسائل پر چبھتے ہوئے اداریے معیاری مضامین، برجستہ مستقل عنوانات، حالات حاضرہ پر نظمیں اور غزلیں اس رسالے کے معیار و وقار کے ضامن تھے اور ''نئے چراغ'' کی زندگی میں مظفر حنفی کا وجود روح رواں اور کلیدی حیثیت کا حامل تھا۔ یہ باتیں ہم سبھی جانتے ہیں کہ ماہنامہ نئے چراغ کی کل عمر دو سال سے بھی کم ہی تھی مگر ایسے وقت میں رسالہ نکالنا اور ایسی جگہ سے رسالہ نکالنا بڑی بات تھی۔ اسی لئے کچھ کمی و خامی اور کوتاہی کو نظر انداز اور برداشت کرتے ہوئے اور مذکورہ ان تمام حقائق کے پیش نظر مظفر حنفی کو اردو کے معیاری ادبی جریدوں کے باصلاحیت مدیروں میں اور اس کو عمدہ رسالہ شمار کیا جانا چاہئے۔ الغرض ایسے وقت میں اور ایسی سرزمین سے رسالہ نکالنا ہی بڑے

دل اور جگر کا کام ہے اور پھر اردو کے بڑے بڑے ادیبوں اور قلم کاروں کا اجتماع اور ان کی تحریروں کی حصولیابی ہی ماہنامہ نئے چراغ کی کامیابی کی دلیل ہے۔ مظفر حنفی نے مدھیہ پردیش کی سرزمین میں کھنڈوہ ضلع سے اس کی شروعات (۱۹۵۹ء) کی وہ بھی نصف بیسویں صدی میں۔ یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ دور میں بھی وہاں سے اردو کے رسائل وجرائد اور اخبارات نہ نکلتے ہوں اور پھر یہ کہ ساٹھ کی دہائی (۱۹۶۰ء کے زمانے میں) میں ایسی جگہ سے رسالہ کا نکالنا کسی کرامت سے کم نہیں تھا، ہاں اس وقت خط وکتابت اور مواد کو کاتب کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر رقم کیا جاتا تھا ایسے وقت میں صرف نئے چراغ کا جاری ہونا ہی کافی ہے اور اسی سے مظفر حنفی کی اردو سے محنت، محبت، عشق اور جذباتی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے اور بس۔

☆☆☆

حوالے

1۔ پروفیسر خالد محمود، ادب اور صحافتی خدمات، ص، ۲۷۷، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۲

2۔ قاضی حسن رضا کے زیر طبع شعری مجموعہ ''میثاق'' مظفر حنفی

3۔ اداریہ نئے چراغ کھنڈوہ، مارچ 1959 مظفر حنفی

4۔ کھنڈوا میں اردو شعر و ادب کے پچاس سال، ڈاکٹر مظفر حنفی۔ سمینار میں پڑھا گیا مقالہ (غیر مطبوعہ)

5۔ ظ انصاری، ماہنامہ شاہ راہ، 1995ء ص، 62

6۔ رشید احمد صدیقی، نئے چراغ، 1959 ص 59

7۔ حسن بشیر، اداریہ نئے چراغ، اپریل، 1959 ص، 6

8۔ ابرار حسنی، شعلہ و شبنم، دہلی، 1962 ص 64

9۔ پروفیسر خالد محمود، ادب اور صحافتی خدمات، ص، ۲۷۷، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۲

10۔ ایضاً، ص، ۲۷۸

11۔ مظفر حنفی، اداریہ، نئے چراغ، جنوری 1959

12۔ ایضاً، مارچ

13۔ ایضاً، مئی

14۔ ایضاً، ستمبر، اکتوبر

15۔ فراق گورکھپوری، نئے چراغ، اگست 1959 ص 109

16۔ شمیم کرہانی، نئے چراغ، مئی 1959 ص 129

17۔شہریار، نئے چراغ، اگست1959،ص109

18۔رام لعل، نئے چراغ،نومبر1959ص92

19۔وفا ملک پوری، نئے چراغ،مئی1959 ص134

20۔شاد عارفی کا خط، نئے چراغ،کھنڈوا، مدھیہ پردیش،1959

باب پنجم

مظفر حنفی کی ترجمہ نگاری

مظفر حنفی کی ترجمہ نگاری

مظفر حنفی کی ترجمہ نگاری پر کچھ لکھنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ترجمہ کی مختلف تعریفیں پیش کی جائے تا کہ اس کی روشنی میں مظفر حنفی کی ترجمہ نگاری کے طریقۂ کار نیز اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہو سکے۔ ترجمہ ایک فن ہے، ایک آرٹ ہے، جس میں ایک زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ مترجم ترجمہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ مترجم کی تعریف کتاب تعریفات میں اس طرح کی گئی ہے:

''اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک زبان کو دوسری زبان میں تبدیل کر دے''۔1

فیروز اللغات میں درج ہے:

مترجَم: ترجمہ کیا ہوا یعنی مفعول اور ترجمہ کا معنی ہے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا ہوا۔2

ترجمہ کی تعریف جاوید کمال نے اپنی کتاب ''اردو ادب میں ترجمہ نگاری'' میں اس طرح رقم کی ہے:

''ترجمہ کی تعریف مختصر یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی بھی زبان کی تحریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ترجمہ کہلاتا ہے، لیکن ہم اسے اور وضاحت کے ساتھ اس طرح کہہ سکتے ہیں ''کسی بھی زبان کی عبارت کے معنی و مطلب کو دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنا کہ اصل عبارت کی خوبی اور مطلب جوں کا توں باقی رہے''۔3

صرف اصل زبان کے مواد کو محض دوسری زبان میں منتقل کر دینے سے ترجمہ کا حق ادا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ترجمہ نگار مصنف کے خیالات، احساسات وجذبات کو اچھی طرح سمجھے اور بالکل اسی طرح دوسری زبان میں ترجمہ کرے، مثال کے طور پر اگر مصنف اپنی تحریر میں کسی بات پر زور دیتا ہو تو وہ بھی ایسا ہی کرے۔ اگر کہیں طنز، حیرت کا اظہار اور کہیں پر تجسس پایا

جاتا ہے تو ترجمہ نگار بھی اس کا خیال رکھے، ترجمہ کا مطلب صرف معانی ومطالب دوسری زبان میں منتقل کرنا نہیں ہے بلکہ زبان کی ساخت، مزاج اور قواعد نیز اس کے اصول وضوابط کی بھی معلومات اور اس کا پاس ولحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اپنی کتاب ترجمے کا فن میں ترجمہ کی تعریف یوں کی ہے:

''ہمارے نزدیک ترجمے کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو لیا جائے، ان کو اپنی زبان کا لباس پہنایا جائے، ان کو اپنے الفاظ ومحاورات کے سانچے میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو''۔4

مذکورہ بالا تعریف سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ مصنف کی جو اصل زبان ہے جو محاورہ انہوں نے استعمال کیا ہے، جیسا طور طریقہ اور لب ولہجہ اپنایا ہے، بالکل اسی طرح سے ترجمہ نگار کو بھی چاہئے کہ وہ مصنف کے لب ولہجہ، اسلوب اور طرز نگارش کو جوں کا توں رکھے اور اسی کے نہج پر ترجمہ بھی کرے، اور بس۔عبدالقادر سروری، مغربی تصانیف کے اردو تراجم کے مقدمہ میں ترجمہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس طرح دیے سے دیا جلتا ہے اسی طرح علوم سے علوم پیدا ہوتے ہیں، اگر دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کو ٹٹولا جائے تو اس سے پتہ چلے گا کہ ان کی نشو ونما کے مختلف مرحلوں میں دوسری زبانوں کے اثر کو بھی دخل رہا ہے''۔5

ایک زبان پر دوسری زبان کے اثرات ضرور پڑتے ہیں اور علم کی نشو ونما، فروغ و اشاعت اور اس کے بڑھانے، پھیلانے اور وسعت وقبولیت میں ترجمہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے مثال کے طور پر ہم عربی زبان ہی کو لیتے ہیں۔ہم لوگ اردو زبان سے واقفیت رکھتے ہیں اور کما حقہ اسی زبان کا علم بھی رکھتے ہیں جبکہ اسلامی علوم وفنون عربی زبان میں ہے، لہٰذا بغیر ترجمہ کے یہ امر مشکل ہے کہ اسلامی اصول وقوانین اور علمی باتوں کو سمجھ سکیں۔ترجمہ کو بعض لوگ آسان

فن سمجھتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں پر اعتراض جتاتے ہوئے عنایت اللہ دہلوی اپنی کتاب ''بیسویں صدی عیسوی'' میں تحریر کرتے ہیں:

''ترجمے کی نسبت کسی کا قول ہے اور یہ بہت صحیح ہے کہ ترجمہ ایسی محنت ہے جو کسی کے شکریہ کی مستحق دراصل مصنف ہے۔ مترجم کا کام صرف اس کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا ہے اور یہ کوئی بڑا کام نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ جو لوگ ترجمے کو آسان سمجھتے ہیں ان کو یا تو ترجمے کا تجربہ نہیں یا علم کی قدر نہیں۔ مترجم شکریے کا مستحق نہ ہو لیکن اگر دنیا میں مترجم نہ ہوتا تو روئے زمین پر علم کی جھیلیں اور دریا تو بہے ہوتے مگر ان کو ملا کر علم کا بحر نا پیدا کنار بنانے والا کوئی نہ ہوتا''۔6

اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ترجمہ ایک مشکل فن ہوتا ہے اس کے لئے مترجم کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک زبان کے علم کو دوسری زبان میں منتقل کرنے سے علم زبان، ثقافت، کلچر، تہذیب اور علوم میں نہ صرف اضافہ ہوتا ہے بلکہ مترجم کو دوسری زبان کی تہذیب اور ثقافت سے اچھی طرح واقفیت ضروری ہوتی ہے اور مترجم کو مصنف کے خیالات اور جذبات تک اچھی طرح رسائی حاصل ہونا بھی ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مرزا حامد بیگ ترجمہ کو تخلیق کا درجہ دیتے ہیں چنانچہ وہ اس تعلق سے رقم کرتے ہیں:

''میں ترجمہ کو تخلیق سمجھتا ہوں۔ مکھی پر مکھی مارنے کو ترجمہ نہیں سمجھتا۔ میں نے مولانا ظفر علی خاں کے پاس فیلن کی ڈکشنری دیکھی تو ان سے لے لی۔ میں مترجمانہ انداز میں کام نہیں کرتا تھا اور صرف انہی انسانوں کے ترجمے کرتا تھا جو میرے دل سے بات اٹھتی تھی اور جو اپنے دل کی داستانیں محسوس ہوتی تھیں''۔7

یہاں حامد بیگ رائے کا مفہوم یہی ہے کہ وہ لفظی ترجمہ کو پسند نہیں کرتے ہیں بلکہ بامحاورہ ترجمہ کے قائل ہیں اور مترجم کے لئے مصنف کے خیالات وجذبات واحساسات سے اچھی طرح واقفیت کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ ترجمہ صرف نقل نہ ہو کر تخلیقی خوبیوں کا حامل ہو اور ساتھ

مترجم کا مقصد بھی پورا ہو سکے۔ ترجمے میں احتیاط کو ضروری خیال کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''ترجمے کا عمل ایک علمی و ادبی پیکر کو دوسرے پیکر میں دکھانا ہے اور وہ بھی اس احتیاط و خوبی سے کہ اس کا ڈیل ڈول، شکل و شباہت، ناز و انداز اور جزئیات و خیالات پورے طور پر منتقل ہو جائیں''۔ 8

اس تعریف سے یہ علم ہوتا ہے کہ ترجمہ میں احتیاط کی خاص طور پر ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ ایک زبان کی تہذیب، ناز و انداز، جزئیات و خیالات ہو بہو دوسری زبان میں منتقل کرنا آسان کام نہیں ہوتا ذرا سی بے احتیاطی سے نہ صرف مفہوم خراب ہوتا ہے بلکہ عبارت میں وہ لفظ و مزہ باقی نہیں رہتا۔ یہاں ایک تعریف ''ترجمہ کا فن'' نامی کتاب سے پیش کرتے ہیں:

''جہاں تک ترجمے کی تعریف کا تعلق ہے اسے ہم ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ کسی زبان پر کئے گئے ایسے عمل کا نام ہے جس میں کسی اور زبان کے متن کی جگہ دوسری زبان کا متبادل متن پیش کیا جائے۔ اس تعریف میں معانی، مفہوم، مطالب، انداز بیں اور اظہار بیان، اسلوب اور انداز کے تمام پہلو آجاتے ہیں۔ چونکہ بنیادی طور پر یہ فن زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے نظری پہلو کو ہم ترجمے کا لسانیاتی نظریہ قرار دے سکتے ہیں''۔ 9

ڈاکٹر مسرت جہاں ماہنامہ اردو دنیا نئی دہلی کے جلد ۹ شمارہ ا جنوری ۲۰۰۷ء میں ترجمہ کے متعلق رقم کرتی ہیں:

''ٹرانسلیشن کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں ''پار لے جانا'' اس سے قطع نظر کہ کوئی خاص مترجم کسی کو پار اتارتا بھی ہے کہ نہیں یہ مفہوم نقل مکانی سے لے کر نقل معانی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس طرح اردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ عربی زبان سے آیا ہے۔ لغات میں اس کے چار معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک سے دوسری زبان میں نقل کلام، تفسیر و تعبیر،

دیباچہ اور کسی شخص کے احوال کا بیان اور یہ سب معانی باہم مربوط ہیں۔ یعنی ترجمہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ کسی تصنیف کو اس کی جملہ خصوصیات کے ساتھ اصل زبان سے کسی دوسری زبان میں کچھ اس طرح سے منتقل کیا جائے جس کے باوصف ترجمے کی زبان میں اصل تصنیف دوبارہ اپنی شکل میں زندۂ جاوید ہو جائے''۔10

مذکورہ بالا تعریف میں ٹرانسلیشن سے لے کر ترجمہ تک کی وضاحت کی وضاحت توضیح کے ساتھ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ایک سرسری اور لغوی معنی بتا کر اپنے آپ کو چھٹکارہ پانے کی حتی الامکان سعی بھی۔ جیسا کہ اوپر کی تعریف سے ظاہر ہے، مگر اسی کے ساتھ اصل زبان کو ترجمہ کی زبان میں منتقل کرنے پر زور بھی دیا گیا ہے اور یہ سبھی کی متفقہ تعریف میں شامل ہے اور بس!

فن ترجمہ سے متعلق مشہور ناقدین، علماء و دانشوران اور علمائے ادب کی آراء جو کہ ترجمے کا فن صفحہ ۵ پر تحریر کردہ ہے وہ معلومات سے پر اور لائق کار آمد ہیں۔

(۱) مترجم کا کام لفظ کی جگہ لفظ رکھنا نہیں بلکہ مصنف کے اسلوب اور زبان کی طاقت کو اپنی زبان میں محفوظ کرنا ہے۔ (میرو ۵۶ قبل مسیح)

(۲) شاعری ترجمہ ہو ہی نہیں سکتی۔ (ڈاکٹر سیموئل جانسن ۱۸ ویں صدی عیسوی)

(۳) نثر میں ترجمہ ناقابل فہم اور ناممکن ہے۔ (وکٹر ہیگو ۱۹ ویں صدی عیسوی)

(۴) ترجمے کی زبان قابل التفات دکھائی نہیں دیتی۔ (جے ایچ، فربڈ۔ ۱۸۲۰ء)

(۵) زندہ کتا مردہ شیر سے بہتر ہے۔ (ایڈورڈ فٹز جیرالڈ ۱۹/صدی عیسوی)

(۶) ترجمہ اور تصنیف کے تجربہ کار جانتے ہیں کہ ان کی عبارت میں کسی زبان کا اصل لفظ جو اپنا مطلب بتا جاتا ہے۔ سطر سطر بھر عبارت میں ترجمہ کریں تو بھی وہ بات حاصل نہیں ہوتی جو مجموعہ خیالات اور اس کے صفات و لوازمات کا اس ایک لفظ کے سننے والے کے سامنے آئینہ ہو جاتا ہے۔ (محمد حسین آزاد، ۱۸۸۱ء)

(۷) ترجمہ کرنا ایک گناہ ہے۔ (گراونٹ شادرمین کرسپلی، ۱۹۱۶ء)

(۸) ترجمہ نام ہے ایک سعیٔ نامشکور کا جس کے صلے میں صرف حقارت ملتی ہے۔

(پروفیسر ایبرٹ گیرارڈ، ۱۹۶۰ء)

(۹) ترجمہ ناممکن کو ممکن بنانے کی سعی ہے۔ (رابرٹ فراسٹ ۱۹۵۵ء۔)[11]

ذکر کردہ مختلف تعریفات کے بارے میں اب ہم ان علماء و دانشوروں کی رائے پر ایک ایک جملے میں اپنی بات کو کہہ کر مختلف کتابوں سے لیے گئے تعریفات کے اختتامیہ کی طرف چلتے ہیں اور مذکورہ تعریفات کی روشنی میں مظفر حنفی کے ترجمہ کے کاز کو تو ان کو بحیثیت ترجمہ نگار کے دیکھنے کی سعی کرتے ہیں۔

(۱) واقعی اچھی بات ہے مگر اسی کے ساتھ مزید شرط کی بھی ضرورت ہے۔

(۲) یعنی ترجمہ شاعری نہیں اور شاعری ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ کے لئے نثر کے ساتھ لفظ و جملے کی نشست و برخواست، نشیب و فراز بھی ضروری ہے، یہ موصوف کی بے تکی باتیں ہیں جو نا قابل توجہ ہیں۔

(۳) یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے اور نا قابل قبول بھی۔

(۴) ترجمے کی زبان اگر واقعی بہتر استعمال کی گئی ہے تو ان کی رائے سے سو فیصد اختلاف کرتا ہوں، اور اسی کا مشورہ بھی دوں گا۔

(۵) زندہ واقعی مردہ سے بہتر ہے یہ بات صحیح و درست ہے مگر کس تعلق سے کہی گئی ہے اور سیاق وسباق ندارد ہے لہٰذا اس کی توضیح نامکمل ہی ہوسکتی ہے۔

(۶) انہوں نے تجربہ کار مترجم و مصنف کے تعلق سے بات کی ہے اور مجموعۂ خیالات کو مرکزی خیال سے پیش کیا ہے اور اسی کو نقطۂ عروج گردانا ہے نہ کہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کا۔ الغرض اپنی بات کو گھما پھرا کر کہتے ہیں اور یہ بوسیدہ و قدیم خیال ہے۔

(۷) مذکورہ باتیں انتہائی جذبات میں آکر کہی گئی ہیں اور بغیر کسی حوالے اور سیاق وسباق کے۔ ایک

دل جلے اور ستائے ہوئے آدمی کی طرح! جو کہ ایک ناپسندیدہ امر ہے۔

(۸) پروفیسر صاحب احساس کمتری کے شکار ہیں اور کچھ نہیں۔

(۹) انہوں نے ترجمہ کی تعریف وتوصیف میں اپنے دماغ، ذہن اور قلم کا آخری حد تک استعمال کیا ہے اور یہ ان کی ترجمہ سے وابستگی، دلی محبت اور وارفتگی پر دال ہے اور بس!

مذکورہ بالا تمام تعریفات میں کمی وبیشی نظر آئی مگر حاصل تعریفات میں ایک بات نکھر کر سامنے آئی کہ ترجمہ کرتے وقت مناسب اور معقول ترین متبادل الفاظ مترجم اس طرح استعمال کرے کہ مصنف کے اصل تخیلات واحساسات اور جذبات ترجمہ میں واضح طور پر موجود ہوں۔ مضمون نگار کا مرکز خیال، مصنف کا لب ولہجہ اور مرکزی خیال ترجمہ نگار کے پیش نظر ہمہ وقت ہونا چاہئے، تاکہ مضمون کے مفہوم ومطالب یا شعور میں کوئی فرق پیدا نہ ہوسکے۔ ترجمہ کرتے وقت یہ پیش نظر ہو کہ ہر ہر لفظ کا ترجمہ ہوجائے، لیکن اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ جملہ بے ربط اور بے جوڑ نہ ہو۔ بلکہ اس میں دلکشی، شگفتگی، چاشنی اور دل پذیری بھی پائی جائے۔ ماہر مترجم ترجمہ کرتے وقت اپنے جملوں میں ایسی شائستگی اور خوبصورتی پیدا کرلیتے ہیں کہ بعض اوقات ان کی کاملیت، کلیت اور جامعیت اصل تحریر سے دو چند ہوجاتی ہے۔ بہرحال ترجمہ میں جس قدر مصنف کے جذبات و احساسات کی ترجمانی ہوگی ترجمہ اتنا ہی کامیاب ہوگا۔ ترجمہ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس زبان سے ترجمہ کررہا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کررہا ہے اس کے قواعد واصول، ساخت وپرداخت، لسانیات ومحاورات اور ضرب الامثال اور اس کی بنیادی باتوں پر گہری نظر ہو تبھی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کا حق مکمل طور پر ادا کرسکے گا۔ مترجم کے لئے سب سے پہلے مضمون کی گیرائی وگہرائی، بلندی وپستی، نشیب وفراز اور جملے کی نشست و برخاست، ساخت و پرداخت میں اتر کر اسے خوب اچھی طرح سمجھنا ہوگا اور مصنف کے جملہ خیال واحساس پر نظر جمانا

ہوگا تا کہ ترجمہ ہر پہلو سے معقول، مکمل اور منضبط ومؤثر ہو سکے۔ ظاہر سی بات ہے کہ اگر مترجم کسی مضمون یا کتاب کو صحیح سے نہ سمجھ سکا تو اس کے ترجمہ میں یقیناً نقص وعیب ہوگا۔ اس لئے اصل تحریر کی روح سے متعارف اور اس کے مقاصد ومطالب پر باریکی نظر ترجمہ کرنے والے کے لئے ناگزیر ہے۔ ورنہ بہت سی دقتیں، دشواریاں اور کھٹنائی و پریشانی منہ کھولے مترجم کی منتظر ہوں گی جن کا سامنا انہیں کرنا پڑ سکتا ہے۔ ذکر کردہ تمام تر تعریفات میں ہمیں جو تعریف، تعریف کے اصول ومزاج پر کھری اترتی دکھائی دی وہ بھی بغیر کسی ڈیل ڈول کے ذکر کردہ تعریفوں میں سے دوسری تعریف ہے۔ !لہٰذا ہم اسے ترجمہ کی مکمل اور جامع ومانع تعریف قرار دے سکتے ہیں۔

پروفیسر مظفر حنفی نے ترجمہ جیسے مشکل فن اور سنگلاخ وادی میں بھی اپنی فنی مہارت کے نقوش چھوڑے ہیں۔ انہوں نے ترجمہ نگاری کی ابتداء اپنی ضروریات کے پیش نظر کیا تھا۔ انہوں نے اپنی ضرورتوں کو خود سے پورا کرنے کے لئے بچوں کی کہانیوں، افسانوں اور ناولوں، سوانحی تحریروں اور مضامین کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ ابتداء میں وہ دیگر ناموں سے لکھتے رہے۔ ان کا مطالعہ وسیع تھا اور انہیں اردو کے ساتھ ساتھ ہندی اور انگریزی زبان پر بھی مہارت تھی اس لئے وہ ترجمہ کے فنی لوازمات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ترجمہ نگاری کو بحسن وخوبی انجام تک پہنچا سکے۔ چونکہ وہ خود شاعر اور تخلیق کار تھے اسی لئے تخلیقی زبان اور ترجمہ کے صنف اور تقاضوں سے بھرپور واقفیت رکھتے ہوئے اس کے اصول وضوابط اور نظریات کو دھیان میں رکھتے ہوئے بہترین ترجمہ نگاری کی ہے۔ ان کے ترجمہ کردہ کارنامے اس بات کے لئے بین ثبوت ہیں کہ انہیں ترجمہ نگاری میں غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔

پروفیسر خالد محمود کی کتاب ادب اور صحافتی ادب ہے۔ اصل میں یہ ان کے مضامین کا مجموعہ ہے اس کتاب کو مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں ان کا ایک مضمون بعنوان ''اردو میں ترجمہ نگاری کی روایت اور ترجمہ کا فن'' ہے جو کہ صفحات ۳۱۳ سے شروع ہو کر ۳۲۰ تک محیط ہے۔ اس مضمون میں ترجمہ کی تعریف اور اس کے فنی لوازمات پر عمدہ بحث کی گئی ہے اور ترجمہ

کے اصول وضوابط کو مختصراً یوں بیان کیا ہے، جو ترجمہ کرنے والوں کے لئے بے حد مفید ہے:

(۱) مترجم کے لئے لازمی ہے کہ جب وہ علمی اور خصوصاً نصابی کتاب کا ترجمہ کرے تو ہر لفظ کے لئے ہر جگہ ایک ہی لفظ استعمال کرے تا کہ یکسانیت قائم رہے اور کسی بھی قسم کا اشکال پیدا نہ ہو۔ مثلاً انگریزی لفظ ڈیفینس کے لئے اگر اس کا ترجمہ دفاع کیا گیا ہو تو ہر جگہ یہی لفظ استعمال کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ کہیں دفاع کہیں تحفظ اور کہیں حفاظت استعمال کرنے لگے۔

(۲) علمی کتاب کے ترجمے میں اصطلاحات پر خصوصی توجہ اور صحیح تلفظ کی تحقیق وتلاش میں دقت نظر سے کام لینا چاہئے۔

(۳) لفظوں کے متبادل اور مترادفات تلاش کرنے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ایسا لفظ منتخب کیا جائے کہ اس سے مشتقات بھی وضع کئے جاسکیں، مثلاً ایڈمنسٹریشن کا ترجمہ انتظام ہوسکتا ہے اور اس سے تنظیم، منظّم، انتظامی، انتظامیہ اور منتظم جیسے الفاظ بھی مشتق کئے جاسکتے ہیں۔

(۴) کسی اصطلاح کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ لحاظ رکھا جائے کہ اردو میں بھی وہ لفظ اصطلاح کی حیثیت رکھتا ہو، تشریح کی نہیں۔

(۵) اگر اردو میں کسی انگریزی لفظ کے لئے پہلے سے کوئی لفظ موجود ومستعمل ہے تو نیا لفظ بنانے کی جگہ اسی کو رائج کرنا مناسب ہوگا۔ ''بل آف ایکس چینج'' کے لئے پہلے سے ایک لفظ ''ہنڈی'' موجود ہے۔

(۶) بہت سے انگریزی الفاظ اردو کا جزو بن چکے ہیں، انہیں جوں کا توں رہنے دیا جائے مثلاً رجسٹری، ڈاک ٹکٹ، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اسٹیشن، کمپیوٹر وغیرہ سینکڑوں الفاظ ہیں جن کے ترجمے کی چنداں ضرورت نہیں۔

(۷) اگر کوئی انگریزی اصطلاح اردو میں بھی اس معنی ومفہوم میں رواج پذیر ہے جس

میں بزبان انگریزی بولی اور سمجھی جاتی ہے تو اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مناسب ہوگا کہ اس کو استعمال کریں۔ مثال کے طور پر کمیٹی کی اصطلاح جسے اردو میں ''مجلس'' کہتے ہیں جوں کی توں استعمال کی جاسکتی ہے۔ اسے مجلس سے بدلنا ضروری نہیں۔

(۸) ترجمے میں ایسے مقامی الفاظ کو بھی جگہ دی جائے جو موزوں اور مقبول عام ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو اضافت اور ''حروف جار'' سے پرہیز کیا جائے۔ مثلاً ٹائم کلاک کا ترجمہ ''ریت گھڑی'' ہو ''ریت کی گھڑی'' نہ ہو۔

(۹) مختصرات یعنی شارٹ فارم کا ترجمہ شارٹ فارم کی جگہ فل فارم میں کیا جائے۔12

یہ چند اہم اور بنیادی باتیں تھیں جسے پروفیسر خالد محمود نے اپنے اس مضمون بنام ''اردو میں ترجمہ نگاری کی روایت اور ترجمہ کا فن'' میں ترجمہ نگاروں کی اصلاح کی خاطر تحریر کی تھیں، جس کا خلاصہ اور نچوڑ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اب ہم ذکر کردہ ترجمہ کے اصول وضوابط کی روشنی میں مظفر حنفی کی ترجمہ نگاری کو دیکھیں گے، مگر اس سے پہلے پروفیسر مظفر حنفی نے ترجمے سے متعلق کیا کہا ہے اسے ہی دیکھتے ہیں:

''میں نے 'سخاروف' کے علاوہ انگریزی سے روسی مصنف سولنستین کے 'گلاگ آرچی پیلاگو' کے تین دفتر، گجراتی کے یک بابی ڈرامے، اوڑیا افسانے، بنگالی ناول اور ہندی سے کئی کتابیں اردو میں منتقل کی ہیں لیکن یہ سب معاشی ضرورتوں کے پیش نظر کیا تھا۔ افسانہ نگاری میں البتہ چیخوف اور او۔ ہنری سے تاثر قبول کیا''۔ 13

مظفر حنفی کا کام اردو ادب کے دیگر اصناف کی طرح ترجمہ کے میدان میں بھی اچھا خاصا وسیع و وقیع اور سینکڑوں صفحات پر پھیلا ہوا جس کی اہمیت وافادیت مسلم ہے۔ ان کی ترجمہ کردہ کتابیں، مضامین، افسانے اور ناولوں کے مطالعہ سے اس بات کو مزید تقویت ملے گی کہ انہوں نے ترجمہ کے

تئیں ان کا خلوص، ریاضت اور مہارت قابلیت وصلاحیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ۶۰ء کی دہائی سے ان کے انتقال سے قبل تک مختلف رسائل وجرائد اور اخبارات میں بکھرے ہوئے مختلف زبانوں سے ترجمہ کردہ ان کے بہت سارے مضامین ملتے ہیں اور بہت سی دیگر زبانوں کی کہانیوں کو انہوں نے اردو کا جامہ بھی پہنایا ہے۔ ان کی ترجمہ کردہ کتابیں، مضامین ترجمہ نگاری کے فن میں اضافہ کرتے ہیں۔ ان کا سب سے پہلا ترجمہ شدہ کتاب 'چوروں کا قاتل' ہے۔ ترجمہ نگار کی حیثیت سے مظفر حنفی کا سب سے پہلا کارنامہ ایک انگریزی جاسوسی ناول کا اردو میں ترجمہ کرنا ہے اسی وجہ سے ان کی شہرت ترجمہ نگار کی حیثیت سے بھی ہوئی۔ 'چوروں کا قاتل' یہ جاسوسی ناول مانسرور پبلشنگ اکیڈمی الہ آباد سے شائع ہوئی تھی۔ ملک ہندوستان کی علاقائی زبانوں کے علاوہ بین الاقوامی زبانوں کے تیرہ مشہور مصنفین کی کتابوں کو اردو زبان میں ترجمہ کر کے مظفر حنفی نے اردو ادب کے سرمائے میں ایک اہم اور قابل قدر اضافہ بھی کیا ہے۔ ان کے ترجمہ کردہ ناولیں اور کہانیاں بہت سے شائع ہوئے تو کئی ایک شائع ہونے سے بھی رہ گئے ہیں۔ مظفر حنفی نے اوائل عمری سے ہی ترجمہ نگاری کی دنیا میں قدم رکھا اور یہ ضرورت کے تحت تھا جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ دراصل مانسرور ایک میگزین تھی جو کہ 'جاسوسی دنیا' کے مقابلے میں شائع ہوا کرتا تھا۔ مظفر حنفی کی ترجمہ نگاری اور ان کے ترجمہ کردہ ناولوں کے تعلق سے محبوب راہی نے یوں نقشہ کھینچا ہے:

> ''جاسوسی دنیا الہ آباد کے مستقل کالم نگار ابن صفی تھے۔ جنہیں اردو کے جاسوسی ناول نگار کی حیثیت سے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابتدائی زمانہ میں ماہنامہ، نکہت، الہ آباد میں ان کی کہانیاں طفرل فرغان کے قلمی نام سے مظفر حنفی کے دوش بدوش شائع ہوتی تھیں۔ نکہت 'الہ آباد کو جب ایک مستقل جاسوسی ماہنامے کی شکل دے دی گئی اور ابن صفی کی قلمی خدمات 'نکہت' اور 'جاسوسی دنیا' کے لئے وقف

ہوگئیں تو اس کے طرز پر 'مانسرور' کا اجراء عمل میں آیا جس کے چیف ایڈیٹر گوری شنکر اختر اور ایڈیٹر دیپک بی اے تھے۔ اس زمانے میں مظفر حنفی کا نام اپنے افسانوں کی وجہ سے جاسوسی ادب میں خاصا جانا پہچانا تھا۔ لہٰذا مانسرور والوں نے ان کا ترجمہ کردہ ناول، چوروں کا قاتل، شائع کیا جو خاصا مقبول اور ادارہ کی ساکھ بنانے میں مددگار ثابت ہوا''۔ 14

اس طریقے سے مظفر حنفی نے بچوں کے لئے کہانیاں لکھنے سے لے کر افسانوی دنیا اور غزل کے راستے سے ہو کر ترجمہ کے میدان میں ضرورتاً ہی سہی کود ے اور اس میں بھی اچھا خاصا کام کیا اور خوب نام بھی کمایا، ان کا ترجمہ نگاری سے اصل مقصد تو روپے پیسے کمانا ہی تھا، مگر اسی کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں اضافہ کا سبب بنا تو وہیں یہ مترجم کے لئے نام کرنے اور شہرت دلانے کا بھی ذریعہ بنا، اسی تعلق سے مظفر حنفی نے خود ہی کہا ہے:

''مجھے اعتراف کرنے دیجیے کہ ترجمے میں نے دراصل ضرورتاً کئے ہیں۔ مثلاً کہیں سے معاوضہ ملا اور یہ دیکھا کہ وہ تخلیق یا وہ کارنامہ یا وہ شہ پارہ جس کا ترجمہ کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے وہ اتنی گری پڑی چیز تو نہیں ہے کہ اس کا کوئی بھی ادبی فائدہ حاصل نہ ہو۔ لیکن زیادہ تر مقصد اس کام کا معاوضہ ہوتا تھا، وہ ترجمے مختلف طرح کے تھے۔ گلاگ مجمع الجزائر کے تین دفتروں کا میں نے ترجمہ کیا۔ ساہتیہ اکادمی سے تین چار کتابیں ملیں۔ ان کا ترجمہ کیا۔ چار پانچ کتابیں نیشنل بک ٹرسٹ کے لئے Translate کیں۔ اور اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ جاسوسی ناولوں کے ترجمے بھی اس وقت کئے جب ہندوستان میں اردو کی کوئی کتاب چھپتی ہی نہیں تھی اور گیارہویں کلاس کا ایک اسٹوڈینٹ ترجمہ کر کے ناول بھیجتا تھا تو اس کا تین سو روپیہ معاوضہ ملتا تھا ۵۲ء۔۵۳ء میں''۔ 15

جاسوسی ناول

یہ تقریباً ساٹھ کی دہائی کا وقت ہے، اس وقت لوگوں کے پاس کافی وقت ہوا کرتا تھا۔ ٹیلی ویژن، موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، انٹرنیٹ، ایمیل، جی میل، گوگل، فیسبک، واٹسپ، یوٹیوب، انسٹا گرام نہیں ہوا کرتا تھا۔ اس وقت ارسال وترسیل کے لئے خط اور تار کا سہارا لیا جاتا تھا۔ اسی لئے لوگ جاسوسی ناولوں کے رسیا ہوا کرتے تھے اور دن رات ان ناولوں کو پڑھنے میں اپنا وقت صرف کرتے تھے اور خوب خوب محظوظ بھی ہوتے تھے۔ مظفر حنفی نے لوگوں اور عوام وقارئین کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمہ کرانے والے کی مانگ پر کھرا اترتے ہوئے پہلے پہل انہی جاسوسی ناولوں کو اردو کا لباس عطا کیا۔ اس وقت اسرار احمد المعروف بہ ابن صفی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اسی کے چرچے تھے اور لوگ ان کے ناولوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے اسی لئے ٹیسٹ بدلنے اور ذائقہ کی تبدیلی کے لئے میگزین اور مکتبہ والوں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور یہ بھی ان کے معیار پر کھرے اترے، اب ذرا ان جاسوسی ناولوں کی فہرست قلمبند کی جاتی ہے جس کا ترجمہ انہوں نے کیا ہے۔

مظفر حنفی جب ترجمہ نگاری کے میدان میں کودے تو سب سے پہلے جاسوسی ناول چوروں کا قاتل کے نام سے ایک ناول کو اردو کا لباس پہنایا، ان میں سب سے پہلے ہم ''چوروں کا قاتل''، ''شرلاک ہومز ہندوستان میں''، ''تار عنکبوت''، ''دوہری سازش''، ''پیلی کوٹھی''، ''پراسرار قتل''، ''بین الاقوامی لٹیرا'' ان کے ترجمہ کردہ ان جاسوسی ناولوں میں سے کچھ تو منظر عام پر آئے تو کچھ طبع ہونے سے رہ گئے ہیں۔ تار عنکبوت ماہنامہ 'شعلہ وشبنم' دہلی میں قسط وار شائع ہوتا رہا باقی ان میں سے دو ابتک غیر مطبوعہ ہیں۔ ان سات جاسوسی ناولوں کے علاوہ جن کتابوں کو مظفر حنفی نے اردو کا جامہ پہنایا ہے، ان کے نام کو ہم یوں شمار کرا سکتے ہیں۔ (۱) سخاروف نے کہا (۲) گلاگ مجمع الجزائر دفتر اول (۳) گلاگ مجمع الجزائر دفتر دوم (۴) گلاگ مجمع الجزائر دفتر سوم (۵) گجراتی کے یکیابی ڈرامے (۶) اڑیا افسانے (۷) بیداری (۸) طوفان (۹) بھارتیندو ہریش چندر (۱۰) رنگیلے نواب (نامکمل)

(۱۱)بنکم چند چٹرجی ان سب کے علاوہ پروفیسر مظفر حنفی نے تین افسانے بھی ہندی اور انگریزی سے ترجمہ کئے ہیں۔ان میں کنواں، ہندی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا تھا اور یہ،نکہت، الہ آباد سے شائع بھی ہوا تھا۔ جراثیم کی چوری، ایچ جی ویلس کی انگریزی کہانی سے اور،اضطراب، انیش چیخوف کی روسی سے انگریزی میں ترجمہ کردہ کہانی سے اردو میں منتقل کی گئی ہیں جو کہ بالترتیب،نکہت، الہ آباد اور پگڈنڈی، امرتسر پنجاب سے شائع ہوئیں تھیں۔ان کی مذکورہ بالا ترجمہ کردہ کتابوں سے متعلق تھوڑی تفصیلات کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں تا کہ اس سے ہم ان کے ترجمہ کے انداز اور پھر اس ترجمہ شدہ کتاب کے بارے میں اختصار کے ساتھ معلومات حاصل کر سکیں:

(۱) چوروں کا قاتل: ڈاکٹر مظفر حنفی کی سب پہلی ترجمہ کردہ انگریزی کی سیکشن بلیک سیریز سے ترجمہ کیا گیا ناول ہے اسے ہندوستانی ماحول میں پیش کیا گیا ہے جسے مانسرور پبلیشنگ اکیڈمی الہ آباد نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا تھا۔ مانسرور کے چیف ایڈیٹر گوری شنکر اختر اور ایڈیٹر دیپک بی اے تھے۔اس ناول کے کل ۱۲۰ر صفحات ہیں۔

(۲) شرلاک ہومز ہندوستان میں: اس ناول کا مرکزی خیال کارٹر ڈکسن کے انگریزی جاسوسی ناول دی ریڈر از وارنڈ Reader is Warned سے اخذ کردہ ہے۔انہوں نے اس ناول کا انتساب اپنے چچیرے بھائی سیٹھ مظہر الدین، مظہر کھنڈوی کے نام معنون کیا ہے، اور انہیں کے مکان میں رہ کر مظفر حنفی نے ابتدائی پڑھائی اور شروعاتی زمانہ گزارا تھا۔ ۳۴۸ صفحات کی ضخامت پر مبنی یہ ناول نسیم بک ڈپو لکھنؤ اتر پردیش نے ۱۹۵۶ء میں شائع کیا تھا اور اب مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے۔

(۳) دوہری سازش: یہ ترجمہ کردہ ناول بھی نسیم بک ڈپو لکھنو ہی کے زیر اہتمام ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی ہے۔انہوں نے اس میں اگاتھا کرسٹی کے انگریزی ناول، این اوور ڈوز آف ڈیتھ، An Over-Dose of Death کو ہندوستانی حالات کے ساتھ اردو میں ترجمہ کیا ہے اور یہ ناول ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴) پراسرار قتل: ۲۸۲صفحات کا احاطہ کرتا ہوا یہ جاسوسی ناول ارل اسٹانلے گارڈنر کی دلچسپ تخلیق اور سنسنی خیز ناول The Case of the rolling bones دی کیس آف دی رولنگ بونس کا اردو ترجمہ ہے۔ مظفر حنفی نے اسے بھی ہندوستانی ماحول کو ذہن وخیال میں رکھ کر پیش کیا ہے اس کی اشاعت ۱۹۵۵ء عمل میں آئی تھی اور اسے نسیم بکڈپو لکھنؤ اتر پردیش نے ہی شائع کیا تھا۔ ان چار مطبوعہ جاسوسی ناولوں کے علاوہ انہوں نے سیکشن بلیک سیریز Saxton blacke series کے تین اور جاسوسی ناولوں کو ہندوستانی روپ کا لباس عطا کیا تھا۔ ان میں ایک ناول تار عنکبوت، ماہنامہ شعلہ وشبنم، دہلی میں ۱۹۵۶ء میں قسط وار شائع بھی ہوا۔ باقی دو ناول، بین الاقوامی لٹیرے اور پیلی کوٹھی ہے، تا حال غیر مطبوعہ ہیں اس طرح، تار عنکبوت کو ملا کر ان کی ترجمہ کردہ جاسوسی ناولوں کی تعداد سات ہوگئی ہے۔ ان ناولوں میں مظفر حنفی نے اپنے نام کے ساتھ ہنسوی لکھا ہے۔ وہ اس لئے کہ یہ ہسوہ علاقے کے رہنے والے تھے اور یہ فتحپور ضلع (اتر پردیش) کا ایک قصبہ ہے۔ اور علاقائی نسبت کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ ہسوی لکھا کرتے تھے۔ ابتدا میں مظفر حنفی اپنے نام کے ساتھ لاحقہ اور تخلص کے طور پر ہنسوی ہی لگاتے تھے۔ ذکر کردہ ناولوں میں شیر لاک ہومز ہندوستان میں، کے تعلق سے ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس پر لطف اور مزہ دار داستان کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس کے ابواب کتاب اول، کتاب دوم، کتاب سوم، کتاب چہارم کے تحت تقسیم کیا گیا ہے ،ذیلی عنوانات بالترتیب اس طرح سے ہیں:

(۱) دھندلکا (۲) ہوائی قتل (۳) خوف وہراس (۴) طلوع صبح وغیرھم، پروفیسر مظفر حنفی کی یہ سب ترجمہ کردہ کتابیں خال خال ہی نظر آتی ہیں اور شاید کبھی کبھار یا کسی لائبریری میں آپ کو نظر آجائے ضرورت اس بات کی ہے ان سب ترجمہ شدہ کتابوں کو نئے سیٹپ اور گیٹپ کے ساتھ شائع کیا جائے تا کہ ترجمہ میں ان کی خدمات کو آنے والی نسلیں بھی جان سکیں۔

جاسوسی ادب

اردو ادب میں جاسوسی ناول کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے اول اول انگریزی جاسوسی ناولوں کے تراجم اور ماخوذ لکھے گئے۔ان میں فیروز دین مراد اور ظفر عمر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اس کے بعد منشی تیرتھ رام فیروز پوری اور محبوب طرزی کے ساتھ پروفیسر مظفر حنفی کا نام لیا جاسکتا ہے۔اردو ادب میں طبع زاد جاسوسی ناول کا سہرا ابن صفی کے سر ہے جنہوں نے کم وبیش ڈھائی سو ناول لکھ کر جاسوسی ادب کو مالا مال کیا۔جاسوسی ادب اور سری ادب میں زیادہ فرق نہیں ہے کم وبیش ایک ہی بات ہے۔ سریت یعنی کسی راز یا بھید کو کہہ سکتے ہیں۔جاسوسی ادب میں سریت ہونا لازمی ہے یعنی جس ادب میں کوئی راز یا اسرار ہوگا اور کوئی شخص اس معاملے کی تہہ تک جانے لے لئے کھوج بین کرے نیز حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دے وہ جاسوسی ادب کہلائے گا۔مظفر حنفی نے بھی تراجم کے ذریعے جاسوسی ادب کی خدمات انجام دی ہیں۔

(۱) گلاگ مجمع الجزائر (ایک نوبل انعام یافتہ کی آپ بیتی ہے) اس کتاب کو نیشنل بک ٹرسٹ دہلی نے ترجمہ کے لئے مظفر حنفی کے حوالے کیا تھا۔ان میں پہلی جلد ''گلاگ مجمع الجزائر'' (اول) ۱۹۷۵ء میں شاندار اہتمام کے ساتھ شائع کی گئی تھیں۔اس کے کل ۵۸۰ صفحات ہیں،اس جلد کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔حصہ اول کا عنوان،صنعت زنداں،اور حصہ دوم کا پیہم روانی ہے حصہ اول بارہ ابواب اور دوم چھ ابواب پر مشتمل ہے جو اس طرح ہیں: گرفتاری۔گندے پانی کی نکاسی کی نالیاں:۔تفتیش،نیلی ٹوپی والے،پہلی کوٹھری پہلا پیار،موسم بہار،انجن روم میں،قانون کا عہد طفلی،قانون دور شباب میں،قانون پختگی کے عہد میں،اعلیٰ کارروائی،اور حصہ دوم،میں مجمع الجزائر کے جہاز،مجمع الجزائر کی بندرگاہیں۔غلاموں کے کارواں جزیرے سے جزیرے تک۔اور پھر مترجم کے نوٹ اور حواشی بھی شامل کتاب ہے۔گلاگ مجمع الجزائر (دوم) ضخامت ۶۲۴ صفحات سنہ اشاعت ۱۹۷۸ء یہ جلد اول اور سوم دونوں کے مقابلے میں زیادہ ضخیم ہے،جلد دوم کے بھی دو

حصے ہیں اور یہ جلد اول کے حصوں سے مربوط ہیں یعنی حصہ سوم اور چہارم، حصہ سوم میں ۲۲ ابواب اور چہارم میں چار ابواب ہیں جو اس طرح ہیں: حصہ سوم:۔ غارت گر مشقی کیمپ، ابواب، آردرا کی انگلیاں، سمندر سے مجمع الجزائر کا طلوع، مجمع الجزائر کی توسیع، مجمع الجزائر میں سختی آتی ہے۔ مجمع الجزائر کی اساس، وہ فاشسٹوں کو لے آئے۔ مجمع الجزائر کے باشندگان، طرز زندگی اور رسم و رواج، کیمپ میں خواتین، معتمد قیدی، سیاسی قیدیوں کے مقام پر وفادار قیدی، کھٹ کھٹ اپنی دوسری کھال بھی ہمارے حوالے کردو۔ قسمت کی تبدیلی، سزائیں، سماجی اعتبار سے دوست عناصر مجرم بچے، گلاگ مجمع الجزائر کی فنون لطیفہ کی دیویاں، قیدیوں کی قوم، کان کنوں کی خدمت، کیمپوں کے قرب و جوار میں اور ہم مصروف تعمیر ہیں۔ حصہ چہارم:۔ عنوان، روح اور کانٹے دار تار۔ ابواب:۔ چڑھائی یا گراوٹ، ہماری پابہ زنجیر آزادی، الگ الگ کہانیاں۔ اس میں بھی مظفر حنفی کے نوٹ اور فرہنگ وحواشی موجود ہیں۔ گلاگ مجمع الجزائر (دفتر سوم):۔ ۵۲۰ صفحات کا احاطہ کرتی ہے اس جلد کو ۱۹۸۱ء میں منظر عام پر لایا گیا تھا۔ اس کتاب کے لئے پروفیسر مظفر حنفی کو بہار اردو اکیڈمی نے دوسرے انعام سے نوازا تھا۔ اس جلد کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو اول اور دوم کے حصوں سے مربوط ہیں۔ حصہ پنجم، حصہ ششم اور حصہ ہفتم میں بالترتیب ۱۲، ۷ اور ۳، ابواب ہیں جو اس طرح سے ہیں۔ حصہ پنجم، عنوان کٹورگا۔ ابواب:۔ نصیبوں جلے۔ انقلاب کی اولیں سانس، سلاسل سلاسل، ہم اس صف میں کیوں شامل ہوئے، شعر در گور، صداقت تہہ سنگ۔ پختہ عزم مفرور، سفید بلونگڑے، کیمپ سے فرار، جرأت اور طریقۂ کار، ٹامی گن والے لڑکے، تاروں کے پیچھے زمین جل رہی ہے، سعی سلاسل شکنی، کنگیر کے چالیس دن۔ حصہ ششم، عنوان، جلاوطنی۔ ابواب:۔ آزادی کے ابتدائی برسوں میں جلاوطنی، کسانوں کا طاعون، جلاوطنوں کی تعداد بڑھی، جلاوطن نسلیں سزا کا اختتام جلاوطنی کی پرلطف زندگی۔ حصہ ہفتم، عنوان: اسٹالن نہیں رہا۔ ابواب:۔ گزشتہ واقعات پر ایک طائرانہ نظر، حکمراں بدلتے ہیں، مجمع الجزائر برقرار رہتا ہے۔ قانون کی موجودہ صورت حال اور اس کتاب میں بھی فرہنگ اور اشاریے شامل ہیں۔

اس طرح سے مشکل کتاب کا مظفر حنفی نے بہترین ترجمہ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا اصل میں اس وقت جاسوسی ناولوں کی دھوم مچی ہوئی تھی اور ہر طرف اسرار المعروف بہ ابن صفی الہ آبادی کا بول بالا تھا ایسے وقت میں ایک نیا نیا نوجوان ہمت کر کے کچھ نیا کرنے کی سعیٔ پیہم کرتا ہے اور اس کی سعی نئے افراد ہی کی نہیں بلکہ ادیب اور عوام وخواص قاری کو بھی پسند آجاتی ہے اسی لئے پبلشر نے تواتر کے ساتھ مترجم سے رابطہ کئے رکھا اور نئی نئی کتابیں منظر عام پر آتی رہیں اور پھر کبھی نام سے اور کبھی حالات اور وقت، تقاضے کو مدنظر رکھتے ہوئے دیگر ناموں سے ترجمہ شدہ کتابیں سلسلہ وار منظر عام پر آتی رہیں اور یہ نوجوان کوئی اور نہیں بلکہ مظفر ہسوی تھے جسے بعد میں خود انہوں نے مظفر حنفی کر لیا تھا۔ گلاگ مجمع الجزائر کے دفتر اول پر ترجمہ کرنے والے کا نام مظفر حنفی کی جگہ پریم گوپال متل درج ہے۔ جلد دوم اور سوم پر مظفر حنفی کا نام ہے جبکہ یہ تینوں جلدیں مظفر حنفی ہی کے ترجمہ کردہ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان میں ایمرجنسی نافذ تھی اور حالات بہت خراب تھے اسی لئے پروفیسر مظفر حنفی کی جگہ گوپال متل کا نام رقم کیا گیا تھا، باوجود انتہائی باریک لکھائی اور چھپائی کے یہ تینوں جلدیں ایک ہزار سات سو اٹھائیس صفحات کا احاطہ کرتی ہیں۔ گلاگ مجمع الجزائر تین جلدوں پر مشتمل ہے، ونود راج ڈھینگڑہ نے ۱۹۸۲ء میں ماہنامہ کتاب نما، دہلی میں اس تعلق سے تبصرہ کیا تھا، جسے ''مظفر حنفی ایک مطالعہ'' نامی کتاب کی ترتیب وتدوین فیروز مظفر نے کی ہے، سے اخذ کر کے پیش کیا جا رہا ہے:

> ''یہ کتاب عالمی شہرت اور نوبل انعام یافتہ ادیب الیگزینڈر سولنسٹین کی یاد داشتوں کا مجموعہ ہے۔ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے جس میں کل سات ابواب ہیں۔ سوویت روس میں ناپسندیدہ اور غیر متعلقہ افراد کی جلا وطنی کے لئے ایک جزیرہ نما کیمپوں کی تشکیل دی گئی ہے۔ جس کا نام گلاگ مجمع الجزائر ہے۔ اس کتاب میں یہیں کے آلام ومصائب کی روداد اور سوویت حکمرانوں کے سنگ دلانہ رویئے کا بیان ہوا ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے ایسے ایسے واقعات کا ذکر آتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سولینسٹین نے کتاب میں ان تمام واقعات

اور ظالمانہ رویوں کا ذکر پوری جزئیات کے ساتھ کیا ہے۔ جو خود ان کو درپیش آئے ہیں۔ یا جن کا ذکر ان سے قابل بھروسہ اور معتمد شخصیتوں نے حلفیہ طور پر کیا ہے۔ الیگزینڈر نے اپنی عمر کے بیس پچیس سال جیلوں میں کاٹے ہیں اور اپنی سچائی کی وجہ سے یہ داستان عبرتناک اور دل کو دہلا دیتی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ کیا انسان کے لئے مارکسزم سے عذاب دنیا میں ہوسکتا ہے۔ کتاب بہت صاف ستھری اور سلیقے سے شائع ہوئی ہے۔ اور قیمت بہت واجبی ہے۔ مظفر حنفی نے ترجمہ با محاورہ بہت سلیس زبان میں کیا ہے اور کہیں بھی ترجمے کا احساس نہیں ہوتا ایسا لگتا ہے کہ کتاب اسی زبان میں قلمبند ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ترجمے کی بہت بڑی خوبی کہی جاسکتی ہے''۔16

(۲) سخاروف نے کہا: مشہور و معروف نوبل انعام یافتہ روسی سائنسداں، آندری ڈی سخاروف کے پندرہ معروف و مشہور بیانات اور ان کی تحریروں پر مشتمل انگریزی کتاب Sakharov speaks کا سلیس، سادہ اور با محاورہ اردو ترجمہ ہے اسے نیشنل اکاڈمی دلی نے اس کا ترجمہ کرایا تھا اور اسے اگست ۱۹۷۶ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اس وقت ہمارے ملک ہندوستان میں ایمرجنسی نافذ تھی۔ ناشر نے خلوص اور محبت کے جذبے کے تحت ترجمہ کرنے والے کا نام ڈاکٹر مظفر حنفی کی جگہ ستیہ پرکاش لکھ دیا تھا۔ ہو بہو ایسا ہی معاملہ، گلاگ مجمع الجزائر (جلد اول) کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ باوجود اس کے اس کتاب کے دوم اور سوم جلدوں پر مترجم کی جگہ پروفیسر مظفر حنفی کا نام لکھا گیا تھا۔

اڑیا کے افسانے

پروفیسر مظفر حنفی نے نہ صرف انگریزی اور ہندی کے ناولوں اور افسانوں کو اردو میں منتقل کیا ہے بلکہ ہندستان کی دیگر علاقائی زبانوں کے معتبر و مستند اور مشہور و معروف افسانے اور ناولوں کو بھی اردو زبان میں پیش کرنے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔ انہی علاقائی زبانوں میں سے ایک ریاست

اڑیسہ(اب اڈیشہ) کی اڑیا زبان کے مشہورومعروف ادیبوں کے رشحات قلم سے نکلے ہوئے افسانے اور ناولوں کواردو زبان کا لباس پہنایا ہے۔اڑیا زبان کے نمائندہ اور مشاہیر افسانہ نگاروں کے اکیس شاہکاراور مشہورومعروف افسانے منتخب کرکے پٹھانی پٹنائک نے مرتب کیا تھا اور کتابی شکل میں منظر عام پر لایا تھا۔پروفیسر مظفر حنفی نے اڑیا افسانوں کے اس نمائندہ اور شہرت یافتہ مجموعے کواردو کا لباس عطا کیا ہے۔ان ترجمہ شدہ مجموعوں کو نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، دہلی نے اپنے زیر اہتمام اس کتاب کو۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ مذکورہ کتاب میں جن اڑیا افسانہ نگاروں کی تخلیقات شامل ہیں وہ اس طرح سے ہیں۔۱۔رجنی ،فقیر موہن سیناپتی۔۲۔نیل ماسٹرنی، گوداوریش مہاپترا ۔ ۳۔گوشت کا لوہا،کالندی چرن پانی گراہی۔۴۔ اندھروا ،سچدا نند راوت راؤ۔۵۔ گوپی ساہو کی دوکان،اننت پرساد پنڈا۔۶۔کالا پہاڑ،راج کشور رائے۔۷۔اندھیرے کا آسیب، پران بندھوکر۔ ۸۔بے موسم بادل ،نیتیہ نند مہاترا۔۹۔ٹھگ ،راج کشور پٹنا یک ۔۱۰۔ٹڈیا، گوپی ناتھ مہانتی ۔۱۱۔ کاٹھ کا گھوڑا،سریندر ناتھ مہانتی ۔۱۲۔حلقہ ایماں ،باما چرن متر۔۱۳۔ٹوٹے کھلونے ،کشوری چرن داس۔۱۴۔ چاند کی بددعا ،اکھل موہن پٹنا یک ۔۱۵۔سمترا کی ہنسی ،مہاپاترنیل منی ساہو۔۱۶۔عام دعوت ،بسنت کماری پٹنا یک ۔۱۷۔جنگل میں ،منوج داس۔۱۸۔ چندر ہار، بھوتی بھوشن ترپاٹھی ۔ ۱۹۔جنگل اور باغیچہ ،رشن پرساد مصر۔۲۰۔ضرب کاری،شانتنو کمار اچاریہ۔۲۱۔ساحل کی تشنگی، وینا پاٹی مہانتی ۔ذکر کردہ اڑیا کے مشہورومعروف افسانوں کواردو زبان میں پیش کیا گیا ہے اور اس بات کی بھی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ کتاب کے آخری صفحات میں اڑیا کے ان افسانہ نگاروں کے تعارف کے ساتھ ان کے کارنامے کوانہوں نے مختصراً بیان کرنے کی خوبصورت کوشش کی ہے۔

اسی طرح سے گجراتی کے یک بابی ڈرامے کا بھی مظفر حنفی نے ترجمہ کیا ہے۔نا یہ کہ انہوں نے صرف علاقائی اور صوبائی زبانوں میں بنگالی اور اڑیا کے ادبی شاہکار کواردو میں منتقل کیا تھا بلکہ سرزمین گجرات سے گجراتی زبان میں لکھے گئے ڈراموں کو بھی اردو زبان میں ڈھالا ہے۔انہوں نے یہ کام ضرورتاً اور بکڈ پو کی فرمائش وفہمائش پر ضرور انجام دیے تھے مگر اس سے اردو ادب میں توسیع ہی

ہوااور دیگر ہندوستانی زبانوں میں کس طرح کے اور کس معیار و منہج کی تحریریں معرض وجود میں آرہی ہیں اردو داں اور اردو خواں کے ساتھ ادر دوزبان وادب کے ادیب، شاعر، افسانہ نویس، ناول نگار اور تنقید نگار تو محققین اور عام اردو قارئین بھی اس ترجمہ شدہ کتابوں سے کما حقہ مستفید و مستنیر ہو سکے اور ایک طرح سے یہ بھی ایک اہم کام اور بڑا احسان ہے ان کا اہل اردو پر جسے رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ 'گلاگ مجمع الجزائر' کی مذکورہ بالا تین جلدوں کی طباعت کے دوران ہی یعنی ۱۹۷۷ء میں نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا (دہلی) مظفر حنفی کی ایک ترجمہ کردہ کتاب، گجراتی کے یکبابی ڈرامے، شائع کر چکا تھا۔ گجراتی زبان کے ڈراموں کی اس کتاب کے مرتب ایم ایم راول ہیں جنھوں نے گجراتی کے معروف ڈرامہ نگاروں کے تیرہ شاہکار یک بابی ڈرامے یکجا کر دئے تھے اسی کتاب کا مظفر حنفی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ کتاب کے آخری صفحات پر ڈرامہ نگاروں کا مختصر ترین تعارف بھی شامل ہے۔ گجراتی کے وہ ڈرامے جن کا مظفر حنفی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے ان ڈراموں اور ان کے مصنفین کے نام اس طرح سے ہیں۔(۱) مینا گوجری (رسک لال چھوٹالال پاریکھ) (۲) سون (چندرودن مہتا) (۳) اوس کے موتی (ریشونت پنڈیا) (۴) ہنسا (بٹو بھائی امروادیا) (۵) گونج (راماشنکر جوشی) (۶) پرانا جوڑا (درگیش شکل) (۷) گٹو کی ماں (۲ چنی لال مڑیا) مائیکے کا پڑوسی (پشکر چندرواکر) (۹) ایسے نہیں تو ویسے (پنالال پٹیل) (۱۰) سوئی کی نوک (جینتہ دلال) (۱۱) جھلملاتی روشنی (کرشن لال شری دھرانی) (۱۲) تاریخ کا ایک صفحہ (گلاب داس بروکر) (۱۳) گل آزادی (شیوکمار جوشی) ہندوستانی مصنفین کے علاوہ شہرۂ آفاق روسی مصنف میکسم گورکی کے ناول ''دی آرٹ مونوف'' (The Art Monov) کا مظفر حنفی نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے جس کا مسودہ نسیم بک ڈپو لکھنو نے اشاعت کے لئے منظور کر کے اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے۔ لیکن طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی اسے شائع نہیں کر سکے۔ ان کے ترجمہ کردہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہیں ترجمہ نگاری کے فن پر عبور حاصل تھا اور ان کی ترجمہ شدہ کتابیں، کہانیاں اور ناول ترجمہ کے بعد بھی ان کی خود کی تخلیق کردہ معلوم ہوتی ہیں اور پڑھنے میں کہیں بھی جھول نہیں معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا لگتا ہے کہ یہ ترجمہ کردہ ہیں۔

مظفر حنفی نے اس وقت علاقائی زبانوں میں سے بنگالی زبان کے کچھ افسانے اور ناول کو بھی اردو کا جامہ پہنایا تھا انہیں میں سے بنگالی زبان کے مشہور و معروف ناول نگار ستی ناتھ بھادوڑی کا ناول، جاگری' کو مظفر حنفی نے اردو کا لباس عطا کیا ہے۔ اس ناول کو نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا دہلی نے اڑیا افسانے کے ساتھ ہی ۱۹۸۰ء میں شائع کیا تھا۔ ۲۱۴ صفحات پر محیط اس کتاب کو مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے پہلے انعام سے بھی نوازا تھا۔

مظفر حنفی نے نہ صرف انگریزی اور ہندوستان کے دیگر علاقائی زبانوں کے اہم ادبی کارنامے کو اردو میں تبدیل کیا تھا بلکہ ہندی کے معتبر و مستند اور اس وقت کے مشہور و معروف اہل قلم کے معیاری ادب کو بھی ہندی سے اردو کا لباس پہنایا تھا۔ مدن گوپال ہندی ادیب کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں اور انہوں نے ہندی زبان میں بھارتیندو ہریش چندر ہندی زبان وادب کی مشہور و معروف شخصیت کی سوانح حیات رقم کی تھی اسے مظفر حنفی نے سلیس اردو میں ترجمہ کیا تھا اور اس ترجمہ شدہ کتاب کو ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی نے اپنے ادارہ سے خوبصورتی اور عمدہ کاغذ کے ساتھ ۱۹۸۴ء میں شائع بھی کیا تھا۔ سات جاسوسی ناولوں پر ڈاکٹر مظفر حنفی کا نام ترجمہ کرنے والوں کی حیثیت سے لکھا گیا ہے مگر یہ ناول لفظی یا ہو بہو اور بعینہ ترجمہ نہیں بلکہ ماخوذ شدہ ہیں۔ ان ناولوں میں اصل کہانیوں سے صرف مرکزی خیال لے کر انہیں ہندوستانی ماحول، اثرات، واقعات اور معاشرت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان ناولوں میں انہوں نے صرف واقعات ہو بہو رکھے ہیں اور الفاظ جملہ اور مفاہیم ان کے اپنے ہیں۔ مظفر حنفی نے ان ناولوں پر اپنا نام مترجم کی حیثیت سے ہی پیش کیا ہے جبکہ چاہتے تو مصنف، مرتب یا مؤلف بھی کر سکتے تھے۔ بالعموم ایک زبان کے مواد کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ترجمہ کہلاتا ہے اور اس عمل سے گزرنے والے کو مترجم کہا جاتا ہے۔ علماء ادب نے ترجمہ کے کچھ اصول وضوابط بھی مقرر کئے ہیں۔ ان کی پابندی ترجمہ کرنے والوں کے لئے لازمی ہوتی ہے۔ ترجمے کی الگ الگ تعریفیں کی گئی ہیں جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ علماء ادب نے ایک زبان کے متنی مواد کو دوسری زبان کے متبادل متنی مواد میں تبدیل کرنے کو ترجمہ کا نام دیا ہے تو اسی کے ساتھ محققین

نے مواد کے مطالب و مفاہیم کو مکمل طور پر اور دیانتداری کے ساتھ ایک زبان سے دسری زبان میں ڈھال دینے کے عمل کو اور کسی نے ایک دوسرے کے مضمون، مقالہ، تحریر، تقریر کو بغیر موضوع یا مفہوم کی تبدیلی کے دوسری زبان میں کرنے کے عمل کو ترجمہ کہا ہے۔ آل احمد سرور لکھتے ہیں:

''لفظی ترجمہ میں لسانیات کی رو سے ایک متنی اظہار کو دوسرے متبادل متنی اظہار میں منتقل کرنا ہوتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ترجمہ صرف لسانیاتی عمل نہیں نشریاتی عمل بھی ہے اس لئے ظاہر کہ مطابق ترجیح ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہر زبان کی صرفی ونحوی خصوصیت علاحدہ ہوتی ہے''۔17؎

مشہور و معروف جاسوسی ناولوں کے علاوشہرہ آفاق غیر ملکی ادیبوں کے شاہکار اور نمائندہ ادب پاروں کا ترجمہ کرتے ہوئے مظفر حنفی نے اس بات کا بطور خاص خیال رکھا ہے کہ جس زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے اس کے مزاج، معانی اور مفاہیم کو اردو میں منتقل کرنے کے بعد بھی اصل عبارت کی خوبی میں کوئی کمی وبیشی نہ آنے پائے۔ اس قسم کا ترجمہ جو ترجمہ کی بجائے خاص اس زبان کی تخلیق، اس زبان کی تحریر اور اسی زبان کی تقریر محسوس ہو۔ اس کے لئے مترجم سے بڑی فنکاری، محنت ومحبت اور جد وجہد کے ساتھ جانفشانی کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ بے حد دقت طلب اور مشکل وکٹھن فن بھی ہے۔ بقول شہباز حسین:

''یہ نگینہ جڑنے کا فن ہے جو بڑی مہارت اور ریاضت چاہتا ہے۔ ایک زبان کے معنی اور مطالب کو دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنے کے لئے کہ اصل عبارت کی خوبی اور مطلب جوں کا توں برقرار رہے، دونوں زبانوں پر یکساں قدرت ضروری ہے، جو عام طور پر کمیاب ہوتی ہے''۔18؎

یہ بات درست ہے کہ ترجمہ کرنے میں کافی دشواری ہوتی ہے، اصطلاحات، ضرب الامثال، کہاوتیں، محاورے (Proverb) اور خاص طور سے اشعار اور ایک زبان کا دوسری زبان میں قواعد اور الفاظ و جملے کی نشست و برخاست کے ساتھ ترجمہ کرنا کتنا کٹھن ہوگا یہ تو وہی جانتا ہوگا جو اس مشکل

کاز سے گزر چکا ہوگا۔ چونکہ مظفر حنفی اس میدان سے گزر چکے ہیں تو انہیں اس بات کا بخوبی اعتراف ہے۔اس لئے انہوں نے ترجمہ کی دقتوں، مشکلات اور پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ترجمہ کی اپنی کچھ دقتیں بھی ہیں۔ مترجم کو دونوں زبانوں پر عبور ہونا چاہئے۔ ورنہ اصل زبان کی خوبیاں ترجمے میں زائل ہوجائیں گی۔ بیشتر کم استعداد رکھنے والے مترجم ترجمہ کی جگہ ماخوذ لکھ کر کام چلا لیتے ہیں۔تن آسانی کا یہ رجحان ختم ہونا چاہئے''۔ 19؎

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مظفر حنفی ترجمہ کی دشواریوں سے اچھی طرح واقف تھے اور اس فن پر انہیں عبور حاصل تھا اس لئے ان کے تراجم تخلیقی خوبیوں سے لیس ہیں۔

مظفر حنفی نے انگریزی، ہندی، اڑیا، بنگالی اور گجراتی ناول، افسانے، مضامین اور کہانیوں کے ساتھ ہی ساتھ روسی ادب کا بھی ترجمہ کیا ہے مگر انہوں نے ان مختلف زبانوں کا انگریزی زبان سے ہی اردو میں ترجمہ کیا ہے۔اس بات کا اعتراف انہوں نے اپنے ایک انٹرویو کے دوران کہا تھا۔ مشہور و معروف روسی ادیب انیٹسن چیخوف کے ناول کا یہ نامکمل ترجمہ ہے۔ان کے ترجمہ شدہ ناول، طوفان کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے بیزار ہوکر انہوں نے اس کام کو ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا، اس طرح سے یہ ترجمہ ادھورا ہی رہا۔اردو کے مختلف ادیب و ناقد نے ترجمہ کے متعلق مختلف آراء کا ذکر کیا ہے اور اپنی اپنی تجرباتی، ترجماتی زندگی اور عملی کاز اور اس کے حالات کو بیان بھی کیا ہے۔ ظ، انصاری بھی اردو ادب کے معروف ادیب گزرے ہیں انہوں نے ترجمہ کو تو ایک قدم بڑھاتے ہوئے ایک فن ہی قرار دے دیا ہے۔ترجمہ کو ظ، انصاری نے ایک مستقل فن سے تعبیر کیا ہے، فرماتے ہیں ''ترجمہ بجائے خود ایک مستقل فن ہے اور اس علم یا فن میں اضافہ بھی ہے جس کی تصنیف کا ترجمہ کیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ ترجمے کی بدولت اور اس کی خاطر اکثر اضافے کئے گئے ہیں، ہر زبان میں ترجموں کے ذریعہ نئے الفاظ و اصطلاحات، محاوروں اور کہاوتوں کا اضافہ کرنا پڑتا ہے، جو اول اول اکھڑے اکھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ زبان پر رواں ہونے لگتے

ہیں''۔ ترجمہ کی ابتدائی خصوصیات ، مقاصد، اہمیت وافادیت اور مترجم کی مہارت و صلاحیت اورمترجم کی ذمہ داریوں کے بارے میں پیش کردہ عبارت کی روشنی میں اگر مظفرحنفی کے تراجم پر نگاہ دوڑائیں تو یہ اندازہ ضرور ہوگا کہ ان کے ترجمے ان تمام خوبیوں سے متصف ہیں جو بہترین ترجموں کے لئے ناقدین ومحققین اور علماء ترجمہ نے ضروری قرار دیا ہے۔اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ ترجمہ کے بارے میں ان تمام خصوصیات اور ترجمہ کی لطافتوں،نزاکتوں اوران کی باریکیوں سے مظفر حنفی اپنے ترجمہ نگاری کے ابتدائی زمانے ہی سے واقف تھے،جس کا اندازہ ۱۹۵۵ء میں شائع شدہ ان کے دوسرے جاسوسی ناول پراسرارقتل میں ان کے پیش لفظ کے مندرجہ ذیل اقتباس سے آسانی کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے:

> ''یہ چیز منشی تیرتھ رام مرحوم کے تراجم سے علاحدہ ہے۔ میں نے ناول کو خالص ہندوستانی روپ میں ڈھالا ہے۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات نظر آئے گی لیکن اس کی دشواریاں کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے بذات خود اس قسم کی کوشش کی ہے۔ناول کی روح وہی ہے لیکن قالب بدل دیا گیا ہے۔حتی الامکان یہ امر بھی مدنظر رہا ہے کہ اصل مصنف کی خصوصیت زائل نہ ہونے پائیں۔''19

جب تک ہم خود مترجم کی ترجمہ شدہ کتابوں سے اوران کے ترجمہ کردہ افسانوں سے کچھ سطریں نہیں پیش کریں گے ہمیں سمجھ میں ہی نہیں آئے گا کہ ان کے ترجمہ کرنے کا رنگ وڈھنگ کیسا ہے۔وہ ترجمہ کرتے وقت کن کن باتوں کا پاس ولحاظ رکھتے تھے۔وہ ترجمہ کردہ کتابوں میں کس طرح کے جملے کا انتخاب کرتے تھے،محاورہ اورضرب الامثال کوانہوں نے کیسے پیش کیا ہے۔ان کے ترجمہ شدہ افسانے اورناولوں میں کس طرح کی خوبیاں موجود ہیں اور یہ کہ وہ کس طرح کے احتیاط برتنے میں کامیاب ہیں۔مثال کے طور پر پروفیسر مظفرحنفی کے ترجمہ کردہ جاسوسی ناولوں سے چند اقتباسات اوران کے ترجمہ کردہ افسانوں،کہانیوں کے چند سطور ملاحظہ کرتے ہیں تا کہ ہم سب اس کے ترجمہ کرنے کے انداز اور طریقے کو دیکھ سکیں:

''اس دن ناشتے پر ڈاکٹر ممتاز کے دماغ کا پارہ کچھ چڑھا ہوا تھا۔ پہلے اس نے تلے ہوئے انڈوں میں نمک کی زیادتی کا شکوہ کیا، پھر حیرت ظاہر کی کہ آخر چائے اتنی ٹھنڈی کیوں ہے کہ معلوم ہوتا ہے پانی میں کیچڑ گھول کر رکھ دیا گیا ہو''۔

(دہری سازش)

''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' دوسرے کمرے میں ناہید کی ماں قرآن کی تلاوت کر رہی تھی اور اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا مظہر خطیب اس کا ترجمہ کر رہا ہے اے اللہ میں شیطان سے تیری پناہ چاہتا ہوں اس وقت شیطان سے مراد اویس خاں سے تھی۔ادھر ناہید کی ماں پڑھ رہی تھی ''اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین۔اور ادھر خطیب نے سچے دل سے دعا مانگی، اے خدا مجھے سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق دے''۔ (دہری سازش)

''شکریہ قبول کیجئے، چائے کی پیالی واپس سرکاتے ہوئے پروفیسر نے کہا، میں چائے کا عادی نہیں ہوں یہ بات نہیں کہ میں اسے کوئی بری چیز سمجھتا ہوں لیکن اکثر اس کے استعمال سے میرا ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے''۔

(شرلاک ہومز ہندوستان، کتاب دوم ہوائی قتل)

''زرینہ جمال نے واضح طور پر اپنے جسم میں جوانی کے خدوخال نمایاں کرنے کی کوشش کی تھی حالانکہ وہ چالیس اور پچاس کی درمیانی منزلوں میں تھی۔ چہرے پر تو خیر کسی حد تک میک اپ کے ذریعے قدرت حاصل کر لی تھی لیکن اس کا جسم زیادہ ضدی ثابت ہوا تھا اور بوڑھی گھوڑی لال لگام کا مکمل سائن بورڈ معلوم ہوتا ہے''۔(پراسرار قتل)

مذکورہ اقتباسات، جملے اور ان چند سطور میں کردار، زبان، الفاظ، جملے، محاورے، ضرب الامثال اور کہاوتیں اردو یا ہندی کی ہی ہیں۔، ناہید، مظہر، خطیب، ڈاکٹر ممتاز جیسے کردار، قرآن کی

آیتیں، دماغ کا پارہ چڑھا ہونا، بوڑھی گھوڑی لال لگام، زرینہ جمال ذکر کردہ چیزیں نہ انگریزی زبان کی ہیں اور نہ اس سے ترجمہ کردہ ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ سوائے مرکزی خیالات کے سب کچھ اردو اور مترجم کا ہی ہے۔ترجمہ کی یہی وہ اہم خوبیاں ہیں جو ترجمہ کو تخلیق کے اعلیٰ درجہ پر فائز کرتی ہیں۔ان کے ترجمہ کردہ نالوں، افسانوں اور مضامین میں بحسن وخوبی ترجمہ کی اہم خوبیاں پائی جاتی ہیں اور ان کا ترجمہ ترجمہ کے معیار واعتبار پر کھرا اترتا ہے۔ ہر زبان نہ صرف یہ کہ لفظیات ہی کے اعتبار سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے بلکہ اس کا مزاج، الفاظ، قواعد، گرامر، نحو وصرف اور جملے کی نشست وبرخاست اور ماحول بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتا ہے۔اس لئے کسی بھی ایک زبان کے کسی اعلیٰ تخلیقی شہ پارے، مضامین، شاعری کو دوسری زبان میں منتقل کرنا کہ ان کے کردار مزاج اور ماحول ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جائیں اور مقام اور جگہ اجنبی ہونے کے باوجود ترجمہ کردہ ہو بہو اسی زبان کی تخلیق لگے جس میں وہ ترجمہ کی گئی ہو، بڑا جوکھم اور مشکل بھرا کام ہے۔ڈاکٹر مظفر حنفی نے الیگزینڈر رسولنسٹن نے، گلاگ مجمع الجزائر کے بارے میں جو نوٹ لکھا ہے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے جو کہ اس طرح سے ہے:

> ''شدید خواہش کے باوجود برسوں سے تیار شدہ اس کتاب کی اشاعت کو میں اب تک ٹالتا رہا۔مرجانے والوں کے مقابلے میں زندہ افراد کے تئیں میری جو ذمہ داریاں ہیں انہیں محسوس کرتے ہوئے میں نے اس کتاب کی اشاعت کو روکے رکھا لیکن اب چونکہ ریاستی دفاعی تنظیم نے اس کے مسودے کو ضبط کرلیا ہے لہٰذا میرے سامنے اس کی فوری اشاعت کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔اس کتاب میں کوئی کردار یا واقعہ فرضی نہیں ہے۔مقامات اور افراد کے نام تک صحیح دیئے گئے ہیں، اگر کہیں پورے ناموں کے بجائے ان کے ابتدائی حروف دئے گئے ہیں تو ایسا صرف ذاتی وجوہ کی بنا پر ہوا ہے۔اور اگر کہیں کچھ ناموں کا ذکر نہیں ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسانی یادداشت انہیں محفوظ رکھنے میں ناکام رہی

لیکن اس کتاب میں واقعات کا جس طرح بیان ہوا ہے، وہ ٹھیک اسی طرح وقوع پذیر ہوئے ہیں''۔20؎

مظفر حنفی چوں کہ وہ خود ایک اچھے اور معتبر و مستند شاعر اور نثر نگار تھے۔ اس لئے بھی ان کے ترجمے میں تخلیقی اور صاف وشستہ زبان پڑھنے کو ملے گا۔ ان کے ترجمے میں زبان و بیان، حسن و لطافت، انداز تحریر اور جملے کی نشست و برخواست اور با محاورہ اور سلیس وسادہ ترجمے کی خوبیاں ملاحظہ کر سکتے ہیں:

''میں شریک غالب ہوں، اس لئے پہلے مجھے ہی جانا چاہئے میرے پیٹ پر چاقو کھونسا ہوا ہے اور تار کانٹے کا آلہ میرے ہاتھوں میں ہے، میں سرحدی تار سے نکل جاؤں تو میرے پاس آجانا.....میں پیٹ کے بل رینگتا ہوں اور اپنے جسم کو زمین کے ساتھ چسپاں رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، مجھے سامنے پہرے دار کی طرف نگاہ اٹھانی چاہئے یا نہیں؟ سامنے دیکھنے کی صورت میں معلوم ہو جائے گا کہ مجھے کون کون سے خطرے درپیش ہیں اور شاید اس کی توجہ بھی اپنی طرف مرکوز کرلوں گا۔ نگاہ اٹھانے کی کیسی شدید خواہش میرے اندر ہوتی ہے۔ لیکن میں اوپر نہیں دیکھوں گا''۔21؎

میرا پیارا ملک ہندوستان الگ الگ مذاہب، عقائد، تہذیبوں، فرقوں، ثقافتوں، قبیلوں، رسوم ورواج اور زبانوں کا گلدستہ ہے۔ ملک ہندوستان میں گنگا جمنی تہذیب کو فروغ دینے کے لئے ایک دوسرے کے قریب آنا ہوگا۔ ہمارے ملک میں قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے کوششیں کرنی ہوں گی اور ایک دوسرے سے اخوت ومحبت اور بھائی چارگی کو فروغ دینا ہوگا۔ اسی طرح سے ایک خواب کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے مختلف علاقائی زبانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہوگا اور ان کے لٹریچر اور شہ پاروں اور ادبی شاہکاروں کو ایک دوسرے میں ترجمہ کرنا اور قارئین تک پہنچانا موجودہ دور کی اولین ضرورت ہے تاکہ ہم سب ایک دوسرے سے گھل مل کر رہ سکیں اور ملک

عزیز ترقی کی جانب رواں دواں رہے۔گنگا جمنی تہذیب، ملک وقوم کی سلامتی اور ترقی ایک دوسرے کے ادب کو پروان چڑھانے اور قومی یک جہتی کے جذبوں کو فروغ و پروان دینے میں ترجمہ ہی اہم کردار ادا کرے گا۔مظفر حنفی کہتے ہیں:

> ''یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قومی یک جہتی کے لئے ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں میں باہمی رابطے کی ضرورت ہے۔ رابطے سے مراد صرف چند الفاظ کا لین دین نہیں بلکہ ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا ہونا اور ادبی رجحانات کو سمجھنا ہے۔ دور جدید میں مغرب کے شعری اور ادبی تجربات کا ہندوستان کی تقریباً سبھی علاقائی زبانوں نے خیر مقدم کیا ہے اور ان تجربات کی روشنی میں اپنی روایات کو آگے بڑھایا ہے لیکن ہندوستان کی علاقائی زبانیں اپنے طور پر ایک دوسرے کو جتنا کچھ دے اور لے سکتی ہیں اس حد تک آپس میں مستفیض و مستفید نہیں ہوئیں ہیں، جس سے انسانی تہذیب نے آنکھ کھولی ہے، مختلف بڑی زبانوں میں تاثر و تاخذ کا سلسلہ جاری ہے، یونانی زبان نے عربی میں فلسفہ و اخلاق اور مذہب و حکمت کی روح دوڑائی، جہاں سے دوسری مغربی زبانوں نے اسے محفوظ کرلیا۔اسپینیوں کی اصلیت و علمیت پورے یوروپ کے نشاۃ ثانیہ کا سبب بنی۔عربی اور فارسی نے اردو زبان کو رنگ ڈھنگ عطا کئے اور پھر یہ سلسلہ انگریزوں کے آنے کے بعد انگریزی سے جاملا۔ زبانیں اسی طرح ایک دوسرے سے لین دین کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں''۔22

ہندوستان کے مختلف علاقائی زبانوں کا ترجمہ اردو میں بھی کیا جانا چاہیے اور اسی طرح مختلف علاقائی زبانوں میں اردو کے ادب پارے اور شہ پارے کا ترجمہ ہونا چاہیے تاکہ یہ لین دین اور ایک دوسرے کے ادب کے اکتساب کو مضبوطی بخشا جاسکے۔اس کے لئے علاقائی زبان کی کمیٹیاں کسی حد

تک اہم رول ادا کرسکتی ہیں۔لیکن موجودہ دور میں اس کی اہمیت وضروت اور بھی بڑھ گئی ہے اور آسان بھی ہوچکی ہے۔نیٹ، گوگل اور یوٹیوب نے اس معاملے کو کسی حد تک آسان بنادیا ہے۔اس لئے موجودہ دور میں علاقائی زبانوں کا ایک دوسری زبانوں میں ترجمہ والا معاملہ اتنا مضبوط نہیں ہے جتنا کہ ہونا چاہیے لیکن یہ بھی کسی حد تک اطمینان بخش ہے۔قومی یک جہتی، ملک وملت کے تحفظ و سلامتی اور ترقی کے لئے علاقائی زبانوں کے باہمی روابط اور اس کے تراجم بہترین رول ادا کرسکتے ہیں،اس تعلق سے ڈاکٹر مظفر حنفی کہتے ہیں:

> ''میرا خیال ہے کہ علاقائی زبان سے ادبی ترجمے کے رجحان کو فروغ دینا مناسب اقدام ہے مرکز کی جانب سے ایک ایسے ادارے کا قیام نہایت ضروری ہے جو ہر علاقائی زبان کے بہترین ادب کو دوسری تمام علاقائی زبانوں میں منتقل کرنے کا انتظام کرتا رہے''۔23

علاقائی زبانوں کی ترقی، بحالی اور فروغ واستحکام کے لئے ایک خوشترین کوشش نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا دہلی نے کیا ہے اور اس تنظیم نے ہمارے ملک انڈیا کی الگ الگ علاقائی زبانوں جیسے تیلگو، کنڑا، پنجابی، بنگالی، گجراتی، اڑیا، تامل، ملیالم، ہندی اور مراٹھی زبانوں کی چند مشہور ومعروف کتابوں کا ترجمہ کرکے اردو میں شائع بھی کیا ہے۔ان مختلف علاقائی زبانوں کے ادبیات کو اردو کا جامہ پہنانے کی وجہ سے اردو بولنے، لکھنے اور پڑھنے والوں کو ان الگ الگ علاقائی زبانوں کے بولنے والوں کی تہذیبوں، ثقافتوں، کلچروں اور معاشرتوں اور ان کے قصے وکہانیوں سے اردو والے بھی شناسا ہوسکیں گے۔جیسے ایلی، این بورا کے ناول، گنگا چیل کے پنکھ کتاب کی اشاعت کی وجہ سے کے آسام کے بدلتے ہوئے حالات اور تغیر پذیر معاشرے کی جانکاری ملی تو وہیں وینکٹیشن کیتکر کے ناول، برہمن لڑکی اور وی ماؤلکر، کی وجہ سے تعلیم نسواں کے موضوعات اور مہاراشٹر کی دیہی زندگی کی دلچسپیوں اور ان کی شدتوں اور ان کے رہن سہن اور زندگی گزارنے کے طریقوں سے اردو قارئین متعارف ہوئے۔واسودیو کے ناول، چار دیواروں میں، سے کیرالا کے مٹتے ہوئے معاشرے کی جگہ

تیزی سے بدلتے ہوئے جدید حالات کا علم ہوا۔ ایسے ہی آندھرا پردیش کی معاشرتی، سماجی زندگی کی معلومات کے لئے ننگلا یکما کا ناول، تاش کے محل۔ پنجاب کی تہذیب وتمدن، ثقافت وکلچر کی ترجمانی کے لئے نازک سنگھ کا ناول، سفید خون تو وہیں بنگالی زندگی، حالات اور احوال کی عکاسی کے لئے بندو پادھیائے کا ناول، شاعر اور گجرات کے روزمرہ زندگی کی معلومات کے حصول کے لئے پنالال پٹیل کا ناول، زندگی ایک ناٹک، اردو زبان وادب والوں کے لئے مددگار اور کارگر ثابت ہوئیں۔ ذکر کردہ کتابوں کے علاوہ بھی نیشنل بک ٹرسٹ دہلی نے کچھ اور دیگر علاقائی زبانوں کے اہم افسانوی مجموعے، کہانیاں، ناول، شاعری اور مضامین کے مجموعوں کا بھی اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے اور اسی نیشنل بک ٹرسٹ دہلی کی ایک شاخ نامپلی حیدرآباد میں بھی واقع ہے اور یہاں پر بھی اردو کی کتابیں سہل قیمت پر دستیاب ہیں۔ ڈاکٹر مظفر حنفی کی ترجمہ کردہ کئی کتابیں ہیں ان کی کتابوں میں سے تین کتاب بیداری، گجراتی کے یکبابی ڈرامے اور اڑیا افسانے کو بھی نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی نے چھاپا ہے۔ علاقائی اردو اکیڈمیاں اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی بھی علاقائی زبانوں کے ادبیات، افسانے، مضامین، شاعری اور ناول کو اردو کا لباس پہنانے کا کام بحسن وخوبی انجام دے رہی ہے۔ اسی علاقائی ترجمے کا ایک اہم کام ساہتیہ اکیڈمی دہلی بھی کر رہی ہے اور مظفر حنفی کے ترجمہ کردہ تین کتابوں کو ساہتیہ اکیڈمی دہلی نے شائع کیا تھا۔ مظفر حنفی نے ستی ناتھ بھادوڑی کے ناول، جاگرتی، کو اردو زبان میں، بیداری، کا لباس پہنا کر بنگالیوں کے طرز معاشرت، طرز زیبائش و رہائش اور ان کے ذہنی وقلبی رجحانات سے اردو قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اڑیا افسانے کو بھی اردو میں ڈھالا ہے اور یہ اڑیا افسانے اڑیسہ کی شہری اور دیہاتی زندگی کو بتاتے ہیں تو وہیں ان کے رہن، سہن، کھان پان اور طور طریقہ کو بھی جان سکتے ہیں اسی طرح مظفر حنفی نے گجراتی کے ڈرامے کو بھی اردو زبان میں ملبوس کیا ہے۔ گجراتی کے یکبابی ڈرامے کے ذریعے گجراتیوں کے رہن سہن، طور طریقہ، طرز بود وباش اور کھان پان اور پکوان اور ان کی زندگی گزارنے کے اسباب وعلل کو بتایا گیا ہے۔ ان کے مختلف علاقائی زبانوں کی کتابوں کا اردو ترجمہ اتنا

اچھا ہے کہ وہ ان کی اردو کی تخلیق ہونے میں کسی بھی شک وشبہ کی گنجائش کا کوئی محل نہیں۔مظفر حنفی کے چند علاقائی زبانوں سے کیے گئے تراجم کے نمونے کو دیکھتے ہیں اور اسی سے ان کے ترجمہ کی مضبوط پکڑ کو بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں:

''بچے کا جھنجھٹ واقعی ایک بڑا جھمیلا ہے'' رتنا نے کہا اسے یاد آ گیا کہ سمنت نے کتنی، بیش قیمت ساریوں کو پیشاب اور قے سے خراب کیا ہے اور کتنی راتوں کی نیند حرام کی ہے''دیکھو یہ ہمارا پہلا بچہ ہے۔آئندہ دس سال تک ہمیں دوسرا بچہ پیدا نہیں کرنا ہے۔تمہاری صحت، خوبصورتی، ذہنی سکون اور میری مصروفیات ہر لحاظ سے ہم کو ابھی بچہ نہیں چاہئے۔لیکن پلیز! اس ایک کو جھنجٹ سمجھ کر نہیں اپنی بیش قیمت چیز کے طور پر پرورش کرو''۔ (اڑیا افسانے)

''دھاگہ پھر ٹوٹ گیا، اس طرح تو سوت نہیں کاتا جا سکے گا۔شاید روئی بہت پرانی ہے۔لیکن اس سے پہلے بھی تو اس پونی سے کاتا تھا، اس وقت تو یہ نہیں ٹوٹتا تھا۔شاید میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔روئی ٹھیک طرح سے پکڑی اور کھینچی جا رہی ہے۔آنکھوں کی پتلیاں ناچنے لگی ہیں۔سوت دھندلا دھندلا نظر آنے لگا ہے۔شاید بینائی جواب دینے لگی ہے آخر عمر کا تقاضہ ہے کتنے دن اعضاء ساتھ دیں گے۔نہیں، میں اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہوں۔اس وقت میری جیسی ذہنی حالت ہے، اس میں چرخہ کا تنا قطعی ناممکن ہے۔رستم سہراب کی کہانی میں کوئی تاریخی سچائی نہیں ہے۔اسے تو لوگوں نے گڑھ رکھا ہے۔باپ بیٹے میں بھلا ایسے کبھی ہوسکتا ہے اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ حکومت کے لئے باپ بیٹے کی لڑائیاں ہوئی ہیں''۔(بیداری)

''مکان کا ایک گوشہ، کونے میں اینٹیں رکھ کر چولھا بنایا گیا ہے، چولھے کے سامنے والے حصے میں ادھ جلے کنڈروں کی راکھ کا ڈھیر اور ڈھیر پر کوڑے کرکٹ کی چھوٹے ڈھکن والی ٹوکری، پاس ہی چاول پکانے کے برتن اور ٹوٹی ہوئی کڑاہی کے بکھرے ہوئے ٹکڑے، چولھے پر دیگچی چڑھی ہوئی ہے۔ چولھے کے سامنے کنڈے سلگ رہے ہیں۔ روپا کا داخلہ۔۔۔ عمر بیس اور پچیس کے درمیان چہرہ نہ گول نہ لمبا، گیہواں، آنکھوں میں جوانی کی چمک، سر اور پیٹھ پر اوڑھنی، پلو کا ایک سرا آگے کھونسا ہوا اور دوسرا سر پر۔ راجستھان چھاپ گھاگرا، سورج کی کرنوں سے گھاگرے کی ابرک اس طرح چمک رہی ہے جیسے اندھیری رات میں تارے چمکتے ہیں، پوری آستین کی چولی پہنے ہوئے ہے، ایک ہاتھ میں کیک کی چوڑی دوسرا ہاتھ خالی ہے پاؤں میں کڑے نہیں ہیں۔ چولھے کے سامنے والے حصے کے پاس جھک کر روپا کرچھی اٹھاتی ہے۔ اور چاولوں کو دیکھتی ہے''۔

(گجراتی کے یکبابی ڈرامے)

پروفیسر مظفر حنفی نے اپنے تراجم میں ان باتوں کا خاص خیال رکھا ہے کہ وہ لغوی معنوں پر اصرار نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے صحیح الفاظ، موزوں و مناسب ترین مترادفات اور جملوں میں مفہوم کی ادائیگی کے ذریعہ تاثر خیال کو مناسب ترین الفاظ اور موضوع و مواد آسانی سے سمجھ میں آجانے والی تحریر سے ہی ترجمہ کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ ان کے ترجمہ کئے ہوئے افسانوں جیسے جراثیم کی چوری، کنواں اور اضطراب کے بارے میں بھی یہاں بات چیت ضروری ہے۔ انہوں نے کنواں افسانہ کو ہندی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے یہ تینوں ترجمہ کیے ہوئے افسانوں میں یہ سب سے لمبی اور بہترین کہانی کے ساتھ سنسنی خیز بھی ہے۔ اس افسانہ کو اردو کا ماہنامہ نکہت الہ

آباد نے ستمبر ۱۹۵۴ء میں شائع کیا تھا۔ ایچ جی ویلس کی انگریزی کہانی جراثیم کی چوری کو اردو کا جامہ پہنایا گیا تھا اور اسے ماہنامہ پگڈنڈی نے امرتسر، پنجاب سے شائع کیا تھا۔ روسی کہانی کا اردو ترجمہ اضطراب ہے اور اسے روسی زبان میں چیخوف نے تحریر کیا تھا۔ ان کے ترجمہ میں وہ تمام اوصاف موجود ہیں جو اچھے ترجموں کے لئے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ صاف ستھری زبان، سادہ زبان اور سہل زبان کے علاوہ روانی اور سلاست کا یہ عالم ہے کہ کہیں سے بھی دوسری زبان سے ترجمہ ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ ذکر کردہ ان کے تینوں افسانے مظفر حنفی کے ترجمہ کردہ کسی بھی مجموعے میں نہیں ملتے ہیں۔ ان کے اکثر و بیشتر ترجمے اس بات کی گواہی دیں گے کہ وہ مصنف کے لہجے، طرز ادا اور ان کے جملے کے تیور اور شگفتگی کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ جس شدت اور جس لہجے میں مصنف نے اپنی بات پیش کی یہ کوشش کرتے ہیں کہ ترجمہ میں بھی انہی جذبات و خیالات اور احساسات کو برقرار رکھا جائے۔ اس کے لئے مناسب و موزوں ترین الفاظ، محاورے اور تشبیہ و استعارے کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

ڈاکٹر راشد عزیز نے مظفر حنفی سے ماہنامہ ایوان اردو، دہلی کے لئے انٹرویو لیا تھا۔ دوران انٹرویو ایک خوبصورت سوال بھی پوچھا تھا۔ وہ پوچھتے ہیں کہ 'آپ نے گجراتی، اڑیا، ہندی اور انگریزی سے ادبی کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے۔ آپ کی بصیرت میں اردو کا ادب ان زبانوں کے مقابلے میں کیا امتیازات رکھتا ہے''؟۔ مظفر حنفی کہتے ہیں:

> ''اتنا بڑا سوال ہے اس پر تو دس بیس کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ ہر ادب کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ بنگلہ ڈراما مجھے مرغوب رہا، اردو میں تو ڈراما بہت ہی کم لکھا گیا ہے۔ مراٹھی کا سٹائر (Stire) بہت اچھا لگا۔ تو ہر زبان کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں اور بہت سرسری انداز میں اس پر اظہار خیال نہیں کیا جاسکتا۔ ایک واقعہ بتاؤں بی بی سی کے انٹرویو میں رضا علی عابدی نے مجھ سے سوال کیا کہ بقول ستیہ پال آنند اردو غزل عالمی زبانوں کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر باتیں نہیں کرسکتی۔تو میں نے کہا کہ اگر ہندوستان میں تاج محل جیسی خوبصورت عمارت ہے اور دوسرے ممالک کے پاس تاج محل کا جواب نہیں ہے تو ہمیں شرمندہ نہیں ہونا چاہئے۔انھیں شرمندہ ہونا چاہئے جن کے پاس غزل نہیں ہے۔بجائے اس کے کہ وہ ہمیں شرمندہ کرنا چاہیں اور جہاں تک ستیہ پال آنند کا تعلق ہے ان کا تو عجیب ہی سلسلہ ہے، وہ تو کہتے ہیں کہ نظم ہی ہے جو بین الاقوامی زبانوں سے آنکھیں چار کرسکتی ہے اور بقول ان کے اردو میں اچھی نظمیں صرف ستیہ پال نے ہی کہی ہیں''۔24؎

مظفر حنفی ابتدائی عمر سے ہی ترجمہ نگاری کے میدان میں کود پڑے تھے اور ان کے ایک انٹرویو سے اس بات کی بھی جانکاری ہوئی تھی کہ ترجمہ کا میدان انہوں نے تیمناً اور تحسیناً نہیں بلکہ ضرورتاً چنا تھا اور وقت ضرورت انہیں ترجمہ کر کے سکون میسر ہوتا تھا اور وہ سکون قلبی، علمی اور جوفی بھی تھا۔میرے لئے اس بات کو واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ نیلا ہیرا، میں شامل ان کی بچوں کی تخلیقات میں آخری کہانی ۱۹۵۰ء کے آس پاس کی ترجمہ کی ہوئی ہے جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سولہ سترہ برس کی عمر میں ہی انہیں ترجمہ میں خاص مہارت حاصل ہوگئی تھی۔اسی کے ساتھ ہی مظفر حنفی کے کچھ مضامین اور شاعری کا ترجمہ بھی دیگر زبانوں میں ہوا ہے، ذرا اسے بھی انہی کی زبانی سنتے ہیں:

''پاکستان میں خواجہ طارق محمود نے میری تقریباً سوا سو غزلوں کو غزل کی ہیئت کے ساتھ انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔حسرت موہانی اور محمد حسین آزاد پر میری کتابیں انگریزی اور ہندی کے علاوہ چند دیگر علاقائی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں۔بہت سی نظمیں اور غزلیں انگریزی، ہندی، گجراتی، مراٹھی، بنگلہ، پنجابی وغیرہ میں منتقل کی جا چکی ہیں۔ایک آدھ مضمون اور غزل جرمن اور ترکی زبان میں بھی ترجمہ کی گئی ہے''۔25؎

اسی طرح سے مظفر حنفی کی کچھ کتابیں اور ان کے کچھ اہم مضامین کا ترجمہ بھی دیگر زبانوں میں ہو چکا ہے۔لیکن ایک خاص بات یہ ہے کہ کیا اڑیا اور گجراتی زبان سے آپ نے بالراست ترجمہ کیا ہے اور ان دونوں زبانوں پر بھی آپ کو عبور حاصل ہے تو ایسا نہیں ہے بلکہ اڑیا یا گجراتی کے ساتھ ہی ساتھ ان کو انگریزی اور ہندی زبان میں ترجمہ شدہ مواد ملتا تھا پھر ان سب سے افادہ و استفادہ کر کے اسے اردو زبان میں ڈھالتے تھے۔چوں کہ مجھے بھی اس کی کھوج بین (کھودد بید) اور تتبع و تلاش تھی اور میں بھی تذبذب کا شکار تھا کہ مظفر حنفی کو علاقائی زبانوں میں کیا اڑیا، گجراتی اور بنگالی بھی آتی ہے۔یہ سوالات بھی میرے ذہن میں بار بار آ رہے تھے حسن اتفاق کہ ڈاکٹر راشد عزیز نے مظفر حنفی سے یہ سوال پوچھ ہی لیا، اور اس کا تشفی بخش جواب بھی ملا جو کہ میرے ذہنی سکون کا باعث بنا۔آیئے اسی کے متعلق دیکھتے ہیں:

> ''بڑا خطرناک سوال کر رہے ہیں آپ۔میں نے روسی زبان سے بھی ترجمہ کیا اور انگریزی سے بھی ترجمے کئے۔یہ تراجم میں نے نیشنل بک ٹرسٹ کے لئے کیا۔ این بی ٹی والے کرتے یہ ہیں کہ جس کتاب کا ترجمہ کرانا ہوتا ہے تو ایک نسخہ اس زبان کا جس میں وہ لکھی گئی، ایک انگریزی کا اور ایک ہندی کا اسی طرح تین نسخے بھیجتے ہیں۔اب مترجم کی ذمہ داری پر ہے کہ وہ کس زبان سے ترجمہ کرے۔ظاہر ہے مذکورہ روسی، گجراتی، اڑیا اور بنگلہ سے مجھے واقفیت نہیں ہے۔میں یہ کام انگریزی ہی کے وسیلے سے کرتا رہا لیکن جہاں کہیں ایسا محسوس ہوا کہ ہندی اور انگریزی کی مدد سے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوا تو پھر میں نے کسی صاحب زبان سے استفادہ کیا''۔ 26

پروفیسر مظفر حنفی کی ترجمہ کردہ کتابوں میں سے کچھ اہم 'پراسرار قتل'، چوروں کا قاتل، دوہری سازش، گلاگ مجمع الجزائر، بیداری، گجراتی کے یک بابی ڈرامے، اڑیا افسانے، بھارتیندو ہریش چندر، بنکم چندر چٹرجی اور سخاروف نے کہا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ہندوستان میں بے شمار اردو مترجم

گزرے ہیں۔ترجمہ نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے ان پر جب ہم گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں سے زیادہ تر تو صرف اور صرف پروفیشنل مترجم ہی نظر آتے ہیں مگر ایسے مترجم بہت ہی کم گزرے ہیں جس نے اردو ادب کے اکثر و بیشتر اصناف اور اس کے ذیلی گوشوں وشوشوں پر قلم چلایا ہو۔ہم بات کر رہے ہیں پروفیسر مظفر حنفی کی انہوں نے ترجمہ نگاری کے علاوہ بھی دیگر اردو اصناف میں اپنی علمی وفکری صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔انہوں نے اردو ادب کی تقریباً تمام اصناف، مثلاً نظم ،غزل ، افسانہ،تنقید، ترتیب، تدوین، تحقیق ،صحافت کے ساتھ ہی ساتھ ترجمہ نگاری کے میدان میں بھی قدم رکھا اور جس فن میں بھی وہ وارد ہوئے اس میں اپنی علمی اور قلمی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اپنی محنت شاقہ سے خوب نام بھی کمایا۔ان سب سے ہو کر انہوں نے ضرورتاً ہی سہی ترجمہ جیسی مشکل ڈگر کو بخوبی پار کیا۔کل ملا کر اس طرح سے پروفیسر مظفر حنفی نے ترجمہ جیسی سنگلاخ زمین اور خشک وادی میں قدم رکھا اور ان کا یہ قدم بھی اردو زبان وادب کے لئے نیک شگون ہی ثابت ہوا۔ انہوں نے ترجمہ کی خاص وجہ خود ہی بتائی ہے اور اس کے بتانے میں وہ پس وپیش بھی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی جھجھکتے اور شرماتے ہیں، یعنی کہ ترجمہ کرنے کی اصل وجہ روپے پیسے کمانا تھا۔ بہر حال ان وجوہات کے بعد بھی انہوں نے دیگر کئی زبانوں کے افسانوں اور ناولوں کو اردو کا جامہ پہنایا اور اسے سلسلہ وار قارئین کی دنیا میں پبلشر کی فرمائش پر پیش بھی کیا۔ذکر کردہ ان حقائق کی روشنی میں مظفر حنفی اردو ادب کے چند نایاب اور کامیاب مترجم کی حیثیت سے بھی جانے پہچانے گئے۔اپنے ترجمے کے ذریعے بھی انفرادی شان رکھتے ہیں تو اس کے توسط سے بھی ادبی شان پیدا کرنے والے مترجمین کی صفوں میں اپنی شناخت بنائے نظر آتے ہیں۔حاصل کلام یہ ہے کہ مظفر حنفی نے مختلف زبانوں کی کتابوں کو اپنی ترجمہ نگاری اور علمی صلاحیت وقابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے اردو زبان کا جامہ پہنایا ہندی، انگریزی، گجراتی ،اڑیا اور بنگالی زبانوں کے افسانے اور ناولوں کو اردو زبان میں منتقل کیا۔ان کی ترجمہ کردہ کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشّمس کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے

کہ انہیں ترجمہ نگاری میں کمال حاصل تھا اور ان کے ترجمہ شدہ کتاب اور مضامین تخلیقی معلوم ہوتے ہیں۔ واقعی ترجمہ نگاری ایک اہم اور مشکل ترین کام ہے اس کا اندازہ اسے ہی ہوگا جو کہ اس میدان سے گزر چکا ہو۔ ترجمہ نگاری میں مترجم ترجمہ نگاری کے فنی لوازمات اور اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ اگر ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو واقعی وہ ایک بڑا مترجم ہے اور وہ اس میدان کا شہسوار بھی۔ جو اس میدان اور ترجمہ کی منزل کا سفر کرتے رہتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس راہ سے گزر کر منزل تک پہنچنا ممکن تو ہے پر آسان نہیں۔ غرض ان کی ترجمہ نگاری کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مظفر حنفی کی شخصیت کہ جس نے ادبی جہات کو ہر طرح سے سنوارنے، نکھارنے اور خوب سے خوبتر اور خوش سے خوشتر کرنے کی سعی کی اور ترجمہ جیسی کٹھن اور مشکل وادی، پرخطر راہ میں بھی اپنی الگ راہ نکالی ہے۔

☆☆☆

حوالے

1۔ مفتی منظور احمد، تعریفات، ص، 114، مکتبہ جامعہ نعیمیہ نئی دہلی
2۔ مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات ادبی دنیا دہلی
3۔ اردو ادب ترجمہ نگاری، جاوید کمال، صفحہ اول، دکن ٹریڈرس، حیدر آباد
4۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ترجمے کا فن، ص 62، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی
5۔ ایضاً، ص 68
6۔ ایضاً، ص 74/75
7۔ ایضاً، ص 96،
8۔ رائٹرز کانفرنس، اکادمی ادبیات، پاکستان 1983ء، ص، 96
9۔ اخبار اردو، اسلام آباد جنوری 1985ء، ترجمہ کا فن، ص 96
10۔ پروفیسر قمر رئیس، مضمون بنام شاعری کا ترجمہ چند مسائل: ترجمہ کا فن اور روایت، ص 153
11۔ ڈاکٹر مسرت جہاں، اردو دنیا نئی دہلی، جلد 9، شمارہ ا، جنوری 2007ء
12۔ ترجمے کا فن ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ص 5/6
13۔ پروفیسر خالد محمود، ادب اور صحافتی ادب،، ص، 320، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
14۔ مظفر حنفی، گفتگو: دو بدو، ص 22، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی، 2013ء
15۔ مظفر حنفی حیات، شخصیت اور کارنامے، ص 477، موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی 1987
16۔ سوالوں کے حصار میں، مظفر حنفی، ص 26، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی، 2007
17۔ فیروز مظفر، مظفر حنفی ایک مطالعہ، ص 206، ماڈن دریا گنج نئی دہلی 1999ء
18۔ ترجمہ اور اصلاح سازی کے مسائل، آل احمد سرور، ترجمہ کا فن اور روایت: قمر رئیس، ص 54
19۔ قمر رئیس، ترجمہ کا فن اور روایت، ص 187
20۔ مظفر حنفی، (علاقائی زبانوں سے ادبی ترجمے اور قومی یکجہتی) نقد ریزے، ص، 120
21۔ ایضاً، ص، 118
22۔ ایضاً، ص 118
23۔ ایضاً، ص 120
24۔ گفتگو: دو بدو۔ مظفر حنفی۔ ص 64۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔ 2013ء
25۔ ایضاً، ص، 23
26۔ ایضاً، ص 65

باب ششم

بچوں کا ادب

بچوں کا ادب

پروفیسر مظفر حنفی نے غزل، نظم، رباعی، افسانہ، تحقیق وتنقید، ترتیب وتدوین، ترجمہ اور سفرنامہ کے ساتھ ادب اطفال میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ وہ درجنوں کتابوں کے مصنف ومئولف مرتب ومترجم ہیں۔ وہ کثیر التصانیف مصنف کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ مگر ان کی ادبی زندگی کا آغاز بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی اور ہلکی پھلکی کہانیاں لکھنے سے ہوا۔ انہوں نے بچوں کے ادب سے متعلق دو کتابیں ''کھیل کھیل میں'' اور ''حلوہ چور'' تحریر کی ہیں۔ وہ نثر ونظم میں یکساں مقبول ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر کے ابتدائی سالوں میں بچوں کے لئے کہانیاں، شاعری اور ڈرامے رقم کیے ہیں۔ ان کے شروعاتی دور کی تحریر کردہ کہانیوں، نظموں اور ڈراموں میں بھی کسی قسم کا جھول یا سقم یا بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔ چوں کہ مظفر حنفی اسی زمیں اور اسی ماحول کی پیداوار ہیں اس لئے ان کی کہانیوں، نظموں اور ڈراموں کے کردار بھی ہمارے معاشرے و سماج ہی سے لیے گئے ہیں۔ ان کے مضامین، غزلیں اور نظمیں ان کے انتقال سے کچھ ماہ قبل تک اخبارات ورسائل کی زینت بنتے رہے ہیں اور سوشل سائٹ فیسبک پر بھی اکٹیو تھے اور آج کا شعر کے بینر تلے ان کے اشعار برابر دیکھنے اور پڑھنے کو ملتے تھے۔ انہوں نے لکھنے کی ابتداء زندگی کے بارہویں سال یعنی کہ 1948ء سے کی۔ شروع میں انہوں نے بچوں کے لیے کہانیاں اور ڈرامے کے ساتھ نظمیں بھی تحریر کی تھیں۔ ان کی تحریر کردہ نظمیں، ڈرامے، کہانیاں اور مضامین بھی اس وقت کے رسائل وجرائد میں برابر شائع ہوتے رہے، اس کے بعد انہوں نے افسانوی دنیا کی طرف قدم بڑھایا اور اس میں بھی نام کمایا اور ان کے تین افسانوی مجموعے بھی شائع ہوئے۔ جسے اب اکٹھا کر کے ایک مجموعہ بنام 'بھولی بسری کہانیاں' ۲۰۱۲ء میں منظر عام پر لایا گیا ہے۔ واضح ہو کہ پہلے مجموعہ کا پیش لفظ کرشن چندر نے تو دوسرے مجموعے کا پیش لفظ فراق گورکھپوری جیسے معروف ہستیوں

نے تحریر کیا تھا تو وہیں آخری مجموعہ پر کنہیالعل کپور نے قلم چلاتے ہوئے زینت بخشی ہے۔مظفر حنفی ایک انٹرویو میں اپنے ادبی سفر کے تعلق سے بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری ادبی زندگی کی ابتداء بچوں کے ادب پر لکھنے سے ہوئی ہے،اسی تعلق سے وہ خود گویا ہیں:

''کہانیاں اور داستانیں پڑھنے کا شوق لڑکپن سے ہی جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں عین امتحان کے زمانے میں والد مرحوم نے طلسم ہوشربا پڑھتے ہوئے پکڑ لیا۔خاصی سرزنش کی اور یہ بھی کہا کہ ایسا ہی شوق ہے تو پڑھ لکھ کر اس لائق بنو کہ تم لکھو اور دوسرے پڑھیں چنانچہ اسی وقت سے چل میرے خامہ بسم اللہ .....دہلی سے بچوں کا رسالہ 'کھلونا' نیا نیا جاری ہوا تھا، بچوں کے لئے میرے تحریر کردہ لطیفے، کہانیاں، نظمیں اوّلاً اسی پرچے میں چھپیں پھر، پھلواری، (دہلی) 'ٹافی' (مالیگاؤں) 'کلیاں' (لکھنؤ) 'دوست' (کراچی) اور ہندو پاک کے دوسرے بچوں کے رسالوں کے لئے خوب خوب لکھا۔لڑکپن میں ہی معروف ہوجانے کی وجہ سے جب ۱۹۵۳ء کے آس پاس بڑوں کے لئے افسانے ،غزلیں وغیرہ لکھنے کی ابتداء کی تو معیاری رسالوں میں کسی دشواری کے بغیر شائع ہونے لگا۔نقاد تو ادب اطفال کو آج بھی اہمیت نہیں دیتے لیکن مقام شکر ہے کہ حکومت ہند کی مطبوعہ درسی کتب سے لے کر دیگر کئی ریاستوں کی درسی کتابوں میں میری تخلیقات شامل ہیں۔ادب اطفال پر میرے متعدد تنقیدی اور تحقیقی مضامین کو حوالہ جاتی اہمیت حاصل ہے۔جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بچوں کے ادب پر ایک ضخیم تحقیقی مقالہ ڈاکٹر خوشحال زیدی میری نگرانی میں قلمبند کر کے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور میں اب بھی بچوں کے لئے نظمیں وغیرہ لکھتا رہتا ہوں''۔[1]

مظفر حنفی کا ابتدائی زندگی میں جو قلم چلا وہ رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے بلکہ اسی طرح اور اس بھی بڑھ کر چل ہی رہا تھا اور ان کے انتقال سے چند ماہ قبل تک ہندو پاک کے مختلف رسائل وجرائد میں بچوں پر بھی مضامین اور غزلیں شائع ہوتی رہیں۔اسی طرح انہوں نے بچوں کے لیے بھی چھوٹی چھوٹی نظمیں اور کہانیاں تحریر کی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان کی ادبی زندگی کا آغاز بچوں پر لکھنے سے ہی ہوا۔ابتداء میں بچوں کے لئے مختصر کہانیاں لکھا کرتے تھے پھر ان کے لئے نظمیں بھی لکھنا شروع کیں۔ قصے ،کہانیاں کہنا،لکھنا ، پڑھنا ،سننا سنانا قدیم عمل ہے۔عربی، فارسی ، سنسکرت، ہندی اور اردو زبان میں بھی قدیم زمانے سے کہانی کے لکھنے کا رواج ملتا ہے،خود کلام مقدس میں بھی کئی واقعات ملتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام،حضرت یوسف علیہ السلام،حضرت نوح علیہ السلام،حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات قرآن مجید میں موجود ہیں۔عربی ، فارسی اردو، ہندی اور سنسکرت زبان وادب میں قصے، کہانیاں، حکایات کا چلن عام ہوااور سبق آموز، پسندیدہ واقعات، عجیب وغریب سانحات وحادثات اور دلچسپ قصے کو نہ یہ کہ صرف سنانے کا عمل شروع ہوا بلکہ اس کو باضابطہ لکھنے اور ترجمہ کر کے مختلف زبانوں میں پیش کرنے اور ٹیلی ویژن اور یوٹیوب کے ذریعے عوام وخواص تک پہنچانے کا سلسلہ ورواج بھی چل نکلا جیسے الف لیلہ،کلیلہ ودمنہ،گلستاں وبوستاں کی حکایات،طلسم ہوش ربا، یوسف وزلیخا،قصہ چہار درویش، باغ و بہار وغیرہ کتابوں میں کہانیاں اور قصے ہیں تو مختلف سیریل، ڈرامے اور موجودہ دور میں ارطغرل غازی نے یوٹیوب کے ذریعے دھوم مچائی ہوئی ہے۔پروفیسر مظفر حنفی نے بچوں کے ادب پر نثر ونظم میں بھی کتابیں لکھی ہیں ایک بچوں کی چھوٹی چھوٹی کہانیوں پر مشتمل ''حلوہ چور'' ہے تو دوسری بچوں کے لئے نظم وشاعری سے متعلق ''کھیل کھیل میں'' ہے۔''حلوہ چور'' بچوں کے ادب پر ان کی پہلی کتاب ہے جو کہ رحمانی پبلیکیشنز مالیگاؤں مہاراشٹر سے شائع ہوئی ہے۔اس کتاب میں ۱۵ کہانیاں شامل ہیں اور اس کہانی میں بھی بچوں کے لئے اشعار پر مشتمل نظمیں ملتی ہیں۔انہوں نے ان کہانیوں اور نظموں کے ذریعے بھی بچوں کو سمجھانے بجھانے ، پڑھنے لکھنے، بڑوں کا ادب، اساتذہ

کی عزت تو ملک سے وفاداری کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔پہلی کہانی کا عنوان ہے ''دوستی جاگتی ہے''اور آخری کہانی ''سائیکل ریس'' کے عنوان کے تحت ہے۔واضح ہو کہ ان پندرہ کہانیوں کی فہرست میں دو ڈرامہ بھی ہے ایک کا نام ہے''تاج کی درگت''اور دوسرے ڈرامہ کا عنوان ہے''مچھلی کا شکار''۔مچھلی کا شکار صرف ایک ورق پر مشتمل ہے۔ذکر کردہ تمام کہانیوں میں سب سے لمبی کہانی بندروں کا مشاعرہ ہے اور یہ ۳۲ صفحہ سے شروع ہو کر ۴۵ صفحہ پر ختم ہوتی ہے۔ان کہانیوں کی شروعات سے قبل ڈاکٹر مظفر حنفی نے بچوں سے باتیں کی ہیں اور بچوں سے بات چیت میں انہوں نے آسان زبان اور سادہ لب و لہجہ میں انہیں بہت کچھ لکھنے، سیکھنے اور آگے بڑھنے میں مدد ملے اس کے لئے کوشاں رہے ہیں۔انہوں نے کچھ یوں تحریر کیا ہے:

> ''یہ کہانی ہم نے ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۵ء کی درمیان لکھی تھی۔ ہمارا سال پیدائش ۱۹۳۶ء ہے۔حساب لگائیے تو پتہ چلے گا کہ ہم اس وقت آپ کی عمروں کے آس پاس ہی تھے۔ان کہانیوں میں زیادہ ردوبدل اس خیال سے نہیں کیا گیا کہ اس طرح بناوٹ آجاتی۔موجودہ صورت میں یہ کہانیاں آپ کے ہی جذبات و احساسات کا آئینہ ہیں۔ان کہانیوں کے نٹ کھٹ اور چنچل کردار بھی آپ ہی کی طرح ذہین و شوخ ہیں، نیک ہیں اور باہمت ہیں۔یقین ہے یہ آپ کے لئے اجنبی نہ ہوں گے۔خدا کرے ان کارناموں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کام کی نئی باتیں اور زندگی سنوارنے کا تازہ حوصلہ بھی حاصل کریں''۔2

مظفر حنفی نے جو اشعار بچوں کے لئے کہے ہیں وہ عمدہ ہیں۔سادہ و سہل الفاظ اور آسان لب ولہجہ میں شاعری کی ہے اور وہ بھی بالکل چھوٹے چھوٹے بحر کی ہے تاکہ بچے اسے آسانی سے یاد کرسکیں۔ہر نظم اور کہانی کی طرح اس مشاعرہ کی کہانی بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کہانی کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھا گیا ہے اور الفاظ و محاورات کے ساتھ ہی ساتھ اشعار کا بھی بہترین استعمال

کیا گیا ہے۔اس کتاب کی تمام کہانیاں بڑی خوبصورت ہیں اور ہر ایک کہانی کی اپنی خصوصیات ہیں اور وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔انہوں نے بچوں کی ذہنی اور دماغی نفسیات کا مطالعہ ومشاہدہ بڑی گہرائیوں سے کیا ہے۔بہت ہی باریک بینی سے بچوں کے حرکات وسکنات،کھیل کود اور ان کے درمیان ہونے والی بات چیت کا عمیق مشاہدہ کرنے کے بعد ہی بچوں کے لئے نظمیں اور کہانیاں تحریر کی ہیں۔بچوں کے ذہن ودماغ اور ان کی سمجھ کا خیال رکھتے ہوئے انہوں نے ان سب کہانیوں میں سادہ،سہل اور آسان جملے اور الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ان کے ذوق وشوق کا بھرپور خیال بھی رکھا ہے۔ذکر کردہ تمام کہانیوں میں سب سے لمبی کہانی بندروں کا مشاعرہ ہے جو کہ ۳۲ ویں صفحہ سے شروع ہوکر ۴۵ ویں صفحہ پر ختم ہوتی ہے۔انہوں نے بندروں کے مشاعرہ میں شریک ہونے والے بندر شاعروں کے نام وتخلص کو یوں بیان کیا ہے:

> ''آج ہونے والے مشاعرہ میں آپ کو انقلابی شاعر جناب کٹ کھنے صاحب،
> جناب کن توڑ فہمائشی صاحب،جناب کھوسٹ صاحب جامن پسند،محترمہ نوچ
> کھسوٹ،حضرت بنٹوش بندرابنوی،علامہ مخچو مٹرو اور جناب تونڈو پیٹ پرست
> اپنا اپنا کلام آپ کو سنائیں گے''۔3

مظفر حنفی نے جو اشعار بچوں کے لئے کہے ہیں۔وہ بہت ہی آسان ہیں۔وہ اپنے اشعار میں سادہ وسہل اور آسان لفظوں کا استعمال کرتے ہیں اور وہ بھی بالکل چھوٹی بحر میں تحریر کیا ہے۔وہیں وہ اس بات کا بھی خیال کرتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے طلباء وطالبات اس آسان لب ولہجہ کی شاعری کو آسانی سے یاد کرسکیں۔انہوں نے بچوں کے انداز اور ان کی ذہنی تفہیم کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی نظمیں تحریر کی ہیں۔ان کی نظموں میں چلبلا پن،شوخی اور معصومیت ہے جس کی وجہ سے بچے ان کی نظموں میں جلد ہی کھو جاتے ہیں اور اپنے مطلب ومفہوم کی باتیں آسانی سے ان کو مل جاتی ہیں۔ان کی تحریر کردہ ہر نظم اور کہانی کی طرح بندروں کے مشاعرہ کی کہانی بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔اس کہانی کو خوبصورتی کے ساتھ رقم کیا گیا ہے اور الفاظ ومحاورات کے ساتھ ساتھ اشعار کا بھی بہترین

استعمال کیا ہے، مثال کے لئے چند شعر ملاحظہ کریں۔ ذرا بندر کے مشاعرہ کے لئے جو اعلان کیا جا رہا ہے اس کی کیفیت اشعار کی زبانی دیکھئے:

سنو بندریو اور بندرو
کام دوسرے ذرا بند کرو
اس جنگل کے نیارے شاعر
ہم لوگوں کے پیارے شاعر
جن کے شعر سبھی نے رٹے
جی ہاں وہی میاں دم کٹے
جان چھڑا کے بھاگ آئے ہیں
رسی تڑا کے بھاگ آئے ہیں
شام کو باغ میں امرودوں کے
مرد، عورت، بوڑھے اور بچے
آئیں سبھی مشاعرہ ہوگا
عالی شان مظاہرہ ہوگا
ڈھم ڈھم ڈھمک ڈھمک ڈھوں
خوں خوں خوں بھئی خوں خوں خوں

4

''حلوہ چور'' ان کی کتاب کا عنوان ہے اور اسی عنوان سے ایک کہانی بھی ہے۔ کہانی یہ ہے کہ اظہر کا بھائی اجمیر سے گھر واپس ہوتا ہے تو گھر کے ساز و سامان کے ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ قسم کا بسکٹ اور نفیس قسم کا چاکلیٹ بھی وہ اپنے ساتھ لاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ سوہن کا حلوہ بھی۔ یہ سارے ساز و سامان حسب موقع و حالت بچوں میں تقسیم بھی کیے گئے تھے۔ کچھ بچے چاکلیٹ کے تو کچھ بچے بسکٹ

کے حمایتی نکلے اور پھر جب بات آگے بڑھی تو اشفاق نے چیخ کر کہا اب ذرا حلوہ کو بھی تو چکھا جائے الغرض حلوہ کھانے کے بعد سارے بچے یک زبان ہو گئے کہ حلوہ سے بہتر نہ بسکٹ ہے اور نہ ہی چاکلیٹ۔ الغرض بچوں نے اس طرح کا حلوہ کبھی نہیں کھایا تھا سبھی یک زبان ہو کر بولے کہ ہمیں حق سے کم ہی ملا ہے اس معاملہ پر سبھی سنجیدہ ہو گئے اور پھر اسے چرانے کی ترکیب عمل میں لائی گئی اور قرعہ اندازی کے بعد برادر اصغر اظہر کا نام آیا اور پھر دیر رات کو خاموشی کے ساتھ وہ اظہر بھائی کے کمرے میں داخل ہوتا ہے اس وقت رات کے تین بج رہے تھے خاموشی سے ہلکے ہلکے قدموں کے ساتھ وہ سوہن حلوہ کے قریب پہنچتا ہے اور ٹوکری اٹھاتا ہے۔ ٹوکری اٹھانے سے پہلے ہی اس کے منھ میں پانی آجاتا ہے اور وہ ہاتھ بڑھا کر کھانا ہی چاہتا تھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو کھینچ لیتا ہے کیوں کہ اسے اپنا حلف یاد آجاتا ہے کہ خبردار سب ایک ہی ساتھ حلوہ کھائیں گے۔ پھر خاموشی سے وہ آہستہ آہستہ قدموں کے ساتھ ٹوکری کو لے کر باہر نکلتا ہے۔ برگد کے پیڑ کے نیچے سبھی دوست انتظار کر ہی رہے تھے کہ اظہر ٹوکری کے ساتھ حاضر ہوتا ہے پھر کیا تھا سارے دوستوں کے درمیان ایمانداری سے حصہ تقسیم کیا جاتا ہے اور سبھی ایک ساتھ منھ میں ڈالے ہی تھے کہ آخ تھو، آخ تھو کی صدا بلند ہوتی ہے اور کڑوی و کسیلی چیز نے سبھی کے دماغ درست کر دیئے تھے۔ آواز کی وجہ سے برگد کے پرندے بھی جاگ اٹھے اور صبح کو بھائی نے صندوق کھولا تو پتہ چلا کہ وہ ٹوکرا غائب ہے جس میں نوکروں کے واسطے صابن رکھے گئے تھے، اس طرح یہ کہانی خوبصورت ڈرامائی موڑ پر ختم ہوتی ہے۔

مظفر حنفی کی ان کہانیوں کو پڑھنے، مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانا بالکل آسان ہے کہ ان کو بچوں سے کافی لگاؤ تھا۔ انہوں نے جتنی بھی کہانیاں اور شاعری بچوں کے لئے تخلیق کی ہیں ان میں بچوں کی دلچسپیوں کو ابتداء ہی سے نہ صرف برقرار رکھا ہے بلکہ حتی الامکان سادہ و سہل اور آسان الفاظ و جملوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ ان کے کہانی لکھنے کا انداز یہ ہے کہ قاری اسی میں محو ہو جاتا ہے جیسے وہ کہانی پڑھ یا سن نہیں رہے ہیں بلکہ وہ بھی اس کہانی کا حصہ ہیں اور وہ تخلیق کار کے ساتھ تخیل کی دنیا میں پرواز ہو کر کہانی سے خوب حظ اندوزی کرتا ہے۔ مظفر حنفی نے مکالماتی انداز کو

بھی شامل کیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شروعات ہی سے بچوں کی توجہ کو اپنی کہانیوں میں شامل کر لیتے ہیں۔

مظفر حنفی نے ''حلوہ چور'' نامی اس کتاب میں آسان زبان کے ساتھ ساتھ علاقائی الفاظ کا بھی خوب استعمال کیا ہے۔ جیسے چھل، اودی چڑیا، جھینپنے، جھنجھنا، پچکارنے، پتلی، چمرخ، لڑھکنیاں، ڈھم ڈھم، الّم غلّم، نگوڑی، دھم، سہلائے، جھجکا، وغیرہ۔ لب لباب یوں کہ اس کتاب کی کہانیاں صفحہ ۵ سے شروع ہوکر ۶۴ صفحات تک پھیلی ہوئیں ہیں جو کہ اس طرح ہیں دوستی جاگتی ہے، بدلہ، تاج کی درگت، نیلا ہیرا، جھنجھنا، پر اسرار قیدی، خزانے کا بھوت، بہادر کون، بندروں کا مشاعرہ، چنچل جل پری، نرالا گڈا، مچھلی کا شکار، حلوہ چور، جنگ نہ ہونے پائے اور سائیکل ریس، اس کتاب کی ہر کہانیاں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور بچے تو بچے بڑے بھی پڑھ کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ''حلوہ چور'' نامی کتاب میں کہانی کے ساتھ ہی ساتھ اشعار ہیں تو بچوں کے ادب سے متعلق ان کی دوسری کتاب ''کھیل کھیل میں'' ہے، اس کتاب میں صرف اشعار ہی ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے شاعری خصوصاً بچوں کے لئے اشعار کہے ہیں۔ اشعار نظم کی شکل میں ہیں تو غزل کے روپ میں، قطعہ ہے تو مخمس و مثلث نظمیں بھی۔ مذکورہ کتاب میں اشعار سے قبل مظفر حنفی نے بچوں سے باتیں کی ہیں، وہ یوں ہے:

> ''بچو! جب ہم چھوٹے تھے اس وقت بھی کہانیاں اور نظمیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا لیکن ایسی چیزیں ہمیں زہر لگتی تھیں جن میں کوٹ کوٹ کر نصیحتیں بھر دی گئی ہوں ہر جگہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی، گھر میں آنکھ کھلتے ہی ہر چھوٹا بڑا ہمارے لئے نصیحتوں کا پلندہ لے کر کھڑا ہے، مولوی صاحب عربی پڑھائیں تو اس میں ڈھیر بھر نصیحتیں ملا دیں، اسکول میں استاد نصیحتوں سے شرابور کر دیں اور اسکولی کتابوں میں بھی بور کرنے والی نصیحتوں کا سیلاب۔ ان سب کو جھیلنے کے بعد طبیعت کو بشاش کرنے کے لئے، سمجھ میں آنے والی زبان میں کسی کہانی یا نظم

کے سہارے ہم دلچسپ اور مزے دار واقعات پڑھنا چاہتے تھے اور وہاں بھی نصیحت کا سامنا ہوتو جھلاّ اٹھتے تھے۔اسی لئے تو ہم نے اس کتاب میں تمہاری دلچسپی کا سامان زیادہ رکھا ہے اور نصیحتیں بہت کم۔کھیل کھیل میں البتہ تمہارے اور اپنے فائدے کی کچھ باتیں بھی کہہ دی ہیں۔زبان و بیان بھی آسان ہے سچ مانو یہ اسی طرح کی نظمیں ہیں جیسی ہمیں بچپن میں پسند تھیں۔''5

اردو زبان وادب میں بچوں کے لئے نظموں اور شاعری کے لکھنے کا سلسلہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے،اسی روایت کو انہوں نے مزید مستحکم کیا ہے۔ڈاکٹر رضیہ حامد، بھوپال اپنے ایک مضمون ''مظفر حنفی اور بچوں کا ادب'' میں ان کے بچوں کے ادب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اردو میں بچوں کے لئے نظمیں لکھنے کا سلسلہ دور قدیم سے جاری ہے۔ان شاعروں میں اسمٰعیل میرٹھی ،قلق میرٹھی، شفیع الدین نیر،شوکت پردیسی اور حامد اللہ افسر کے نام نمایاں ہیں۔آج کے دور میں بھی ان کی نظمیں وقت کی مطابقت کے ساتھ بچوں کی دلچسپی کا باعث ہیں۔مظفر حنفی بچوں کے ادب نظم ونثر میں مزید اضافہ کیا ہے۔انہوں نے اپنی عمر کے ابتدائی ماہ وسال یعنی چودہ سے انیس سال کے درمیانی عرصہ میں بچوں کے لئے کہانیاں اور ڈرامے لکھے۔ابتداء میں لکھی کہانیوں میں کسی قسم کا سقم نہیں پایا جاتا۔ان کہانیوں کے کردار اپنے سماج میں آس پاس گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کہانیوں کی زبان صاف سادہ اور آسان ہے۔جس میں بچوں کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔مظفر حنفی نے ایک بندر کے انسانی قید کے آزاد ہونے پر بندروں کی طرف سے ایک استقبالیہ تقریب اور مشاعروں کی روداد 'بندروں کا مشاعرہ' میں بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔ان کہانیوں کا انداز بیان پر لطف ،بچپن کی شوخیوں اور معصوم حرکتوں سے بھرا ہوا ہے''۔6

پروفیسر مظفر حنفی کی کتاب ''کھیل کھیل میں'' بچوں کی نظموں پر مبنی کتاب ہے جس میں دو (۲) سے لے کر نواسی (۸۹) مضامین کو عنوان دے کر اشعار کہے ہیں۔اس کتاب میں صرف اشعار کے ذریعے انہوں نے بچوں سے باتیں کی ہیں، بچوں سے اشعار کے ذریعے ان کے قریب آنے کی کوشش کی ہے۔اس کتاب میں رقم شدہ ہر نظم و شعر پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔اس میں طنز بھی ہے مزاح بھی، نصیحت بھی ہے دعا بھی، ہنسی بھی ہے اور مذاق بھی، کہانی بھی ہے اور تعلیم بھی، گرمی کے لئے اشعار کہے ہیں تو ٹھنڈی سے بچاؤ کا طریقہ بھی، عیدی لینے کا طریقہ بتایا گیا ہے تو اشعار کے ذریعے ہی گنتی بھی سکھانے کی عمدہ کوشش کی گئی ہے اور اپنے وطن ہندوستان کی تعریف سے پر نظمیں بھی ہیں تو ملک عزیز سے محبت و الفت کی داستان بھی۔کتاب ''کھیل کھیل میں''، ملک بکڈپو تر کمان گیٹ، دہلی سے 2006ء میں شائع ہوئی ہے، ترتیب و انتخاب فیروز مظفر کا ہے اور کل صفحات ۱۲۸ ہیں، اس کتاب کو ثمرہ، عدنان، مدیحہ اور حمراء کے نام سے اس شعر کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔

یہ دنیا اینڈی بینڈی ہے
بچو تم سیدھی کر لینا

''کھیل کھیل میں'' واقعی ان کی بچوں کے ادب پر عمدہ کتاب ہے۔اچھے اشعار سے کتاب کو زینت بخشی گئی ہے۔اس مختصر صفحات کی کتاب کو اگر ایک بار پڑھنا شروع کریں گے تو اتنی پسند آئے گی کہ ہم پوری کتاب پڑھ کر ہی دم لیں گے۔موجودہ دور میں تعلیم کی اہمیت و افادیت کو لوگ سمجھ رہے ہیں اور ہر گھر میں، ہر خاندان میں اور ہر جگہ، ہر مقام پر صرف تعلیم کی بات کی جارہی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ تعلیم ہی میں ترقی کا راز مضمر ہے۔انہوں نے اپنی کتاب ''کھیل کھیل میں'' کے اشعار کے ذریعے تعلیم، علم اور ہنر کی طرف کچھ زیادہ ہی توجہ صرف کی ہے اور سیکھنے سکھانے پر زیادہ دھیان دیا گیا ہے۔کھیل کھیل میں تعلیم و ہنر اور پڑھائی لکھائی پر موجودہ دور میں بہت زور دیا جاتا ہے اور خاص طور پر کھیل کھیل میں گنتی سکھانے کا رواج بھی آج کے انگلش میڈیم اسکولوں میں خوب پروان چڑھنے لگا ہے۔مظفر حنفی نے ایک نظم ''آؤ گنتی سیکھیں'' لکھی ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بچو! بن کر نیک، گنتی یاد کرو

بلی آئی ایک

کتّے دوڑے دو

کیوں ہے تو غمگین، دیکھ تماشا یار

کیلے پھینکے تین

کوّے جھپٹے چار

نیلا نیلا کانچ، اچھا لگتا ہے

کیسے بگلے پانچ

مچھلی لائے چھے

اچھی ہے یہ بات، یاد کریں گے پاٹھ

حلوائی ہیں سات

رس گلے کل آٹھ

مٹّی کے مادھو، آجائے گی بس

لال فراکیں نو

نیلی وردی دس7

اس طرح سے آسان زبان میں ایک سے لے کر دس تک کی گنتی سکھانے کی عمدہ کوشش کی گئی ہے اور وہ بھی بالکل چھوٹی بحر میں تا کہ یہ نظم بچوں کو آسانی سے یاد ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عمر میں بھاری بھر کم اور دقیق و مشکل الفاظ اور لمبی بحر کے اشعار کو یاد کرنا اور اس کو پھر ذہن میں محفوظ رکھنا تھوڑا مشکل ہوتا ہے۔ مظفر حنفی نے عام بول چال کی زبان اور محاورہ کو بھی اشعار میں پرویا ہے تو کئی نظموں میں کہاوتوں اور ضرب الامثال کو عنوان بھی باندھا ہے۔ ایک طویل نظم ہے اس میں انہوں نے بچوں کو عمدہ نصیحت کی ہے۔ بچوں کو انسانیت کا درس دیا ہے اچھے اخلاق کی تربیت کی گئی ہے اور

اونچ نیچ کا فرق مٹانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بھی کام چھوٹا اور ہلکا نہیں ہوتا اور انسان بحیثیت انسان ہر ایک کی تکریم و تعظیم کرنا ضروری ہے۔ نظم کا عنوان ہے ''ہر انسان برابر'' ہے۔ یہ نظم مسدس کی شکل میں اور چھوٹی بحر میں ہے۔ نظم ملاحظہ کریں:

چینی ہو جاپانی ہو
روسی ہو ایرانی ہو
باشندہ ہو لنکا کا
یا وہ ہندوستانی ہو
سب کا مان برابر ہے
ہر انسان برابر ہے

انور ہو اربندو ہو
مریم ہو یا اندو ہو
مسلم ہو یا عیسائی
وہ سکھ ہو یا ہندو ہو
سب کا مان برابر ہے
ہر انسا ن برابر ہے

سیٹھ بھکاری ایک سمان
مل مالک ہو یا دربان
جس کی کٹیا چھوٹی سی
جس کا بنگلہ عالی شان
سب کا مان برابر ہے
ہر انسان برابر ہے

فوجی ہو یا پٹواری
میراثی یا بھنڈاری
کھیتی کرنے وا لا ہو
یا کرتا ہو سرداری
سب کا مان برابر ہے
ہر انسان برابر ہے

چپرا سی ہو یا افسر
موچی ہو یا سودا گر
کھینچ رہا ہے جو رکشہ
جو بیٹھا ہے رکشہ پر
سب کا مان برابر ہے
ہر انسان برابر ہے

پنجابی ہو یا سندھی
اردو بولے یا ہندی
دھوتی پہنے یا شلوار
پھول سجائے یا بندی
سب کا مان برابر ہے
ہر انسان برابر ہے

کام ضروری کرتا ہو
یا مزدوری کرتا ہو
جو بھی ہو وہ جیسا بھی
محنت پوری کرتا ہو

سب کا مان برابر ہے
ہر انسان برابر ہے 8

مذکورہ نظم میں مظفر حنفی نے انسان کی تعریف وتوصیف کی ہے اور انسان کو بحیثیت انسان دکھایا ہے۔اس میں بچوں کے لئے یہ درس دیا گیا ہے کہ کسی بھی کام کے کرنے میں شرمانا نہیں چاہیے اور نہ ہی کوئی کام چھوٹا یا بڑا ہوتا ہے۔جو بھی کام اچھا لگے اور جس میں بھی سکون محسوس کریں اور اس سے روزی روٹی چلے اسے بغیر شرم وجھجھک کے ضرور کرنا چاہیے۔عزت کی بات ہی یہی ہے کہ ہم سب انسان ہیں چاہے جو بھی کام کریں۔اس میں علاقہ،گاؤں ملک اور قوم مذہب سے مطلب نہیں انسان کی عزت وعظمت،حرمت اور شوکت وحشمت کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم سب انسان ہیں۔ انسان ہونے کی وجہ سے ہم سب اشرف واعلیٰ ہیں اور ہماری صرف اس لئے عزت ہونی چاہئے کہ ہم انسان ہیں۔مذکورہ نظم سے یہ اندازہ لگانا بالکل آسان ہوگیا ہوگا کہ مظفر حنفی نے بچوں کے ذہن و مزاج کا خیال رکھتے ہوئے سادہ وسہل اور آسان لب ولہجہ کا استعمال کیا ہے۔انہیں بچوں کی نفسیات پر بھرپور دسترس حاصل ہے انہوں نے بڑی مہارت وخوبی کے ساتھ بچوں کے مزاج وعمر کا خیال رکھ کر نظمیں لکھی ہیں۔اس خوبصورت نظم کو اتنے عمدہ طریقے اور آسان زبان میں لکھا گیا ہے کہ بچے اسے آسانی سے ذہن نشین کرلیں۔مظفر حنفی کی تحریر کردہ ایک مختصر نظم جس کا عنوان ہے ''اپنے چاروں جانب دیکھو''،جس میں انہوں نے ایک غریب بچے کی غربت کی عکاسی کی ہے اور بچوں کو اس نظم کے ذریعے یہ نصیحت کی ہے کہ اپنے اطراف واکناف میں اگر ایسے بچوں کو دیکھو تو ان کی مدد کرو تا کہ غربت کا خاتمہ ہو اور اس بچے کو بھی خوشی میسر ہو۔مثلاً وہ کہتے ہیں۔نظم ملاحظہ فرمائیں:

اپنے چاروں جانب دیکھو
اپی وہ دن کب آئیں گے
جب گھر میں چاول پکیں گے

سوندھی سوندھی دال بنے گی
ہم سب جی بھر کے کھائیں گے

اپی کب تک پہنوں گا میں
یہ پیوند لگا پاجاما
منگل کے بازار سے مجھ کو
نیکر جرسی دلوادو نا

میرے ساتھی پڑھتے ہیں
میں اسکول نہ جاؤں گا کیا
وہ سب راجا بن جائیں گے
میں ان پڑھ کہلاؤں گا کیا

اپی بیچاری کیا بولے
اس کے ابو روٹھ گئے ہیں
ماں کی بیماری کے ہاتھوں
سندر سپنے ٹوٹ گئے ہیں

اے میرے دل والو بچو
اپنے چاروں جانب دیکھو
ایسے کنبے مل جائیں تو
ان کو بھی جینے کا حق دو

اس جذباتی نظم کے ذریعے مظفر حنفی بچوں کو یہ نصیحت کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ وقت ضرورت لوگوں کی مدد کے لئے آگے آنا چاہیے۔ کہیں بھی ہمیں غریب، ضرورت منداور محتاج نظر آئے توان کی ضرور مدد کرنا چاہیے تا کہ وہ بھی ہماری طرح خوشی خوشی زندگی بسر کرسکیں۔ ہرایک کی

خواہش ہوتی ہے کہ میری اولاد چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی اور اولاد کی اولاد چاہے پوتا ہو یا پوتی، نواسہ ہو یا نواسی اچھی تعلیم وتربیت حاصل کرے اور اعلی سے اعلی عہدوں تک رسائی بھی۔ اسی طرح سے شاعر مظفر حنفی نے بھی اپنی اکلوتی بیٹی (جو کہ اب ڈاکٹر اور صاحب اولاد بھی ہیں) کے لئے بھی بطور والد دعا دی تھی اور نیک خواہشات کا اظہار بھی کیا تھا، اللہ کے کرم سے وہ دعا قبول ہوئی اور صبا ڈاکٹر بھی بنیں اور مظفر حنفی نے اپنی زندگی میں اپنی اکلوتی بیٹی کو ڈاکٹر بنتے دیکھا اور ان کے سبھی بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوئے۔ اسی طرح سے نظم نگار نے اپنی اولاد کی اولاد یعنی پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کے لئے بھی دعائیں کی تھیں۔ یہ نظم انہوں نے اپنی بیٹی کے بچپن میں لکھا تھا۔ نظم ملاحظہ کیجیے۔

مری صبا ڈاکٹر بنے گی
دلوں کو آئینہ سا بنا کر
دماغوں سے نفرتیں مٹا کر
درست کردے گی جاہلوں کو
مٹائے گی جڑ سے واہموں کو

مری صبا ڈاکٹر بنے گی
اگر وہ جی جان سے پڑھے گی
تو آگے اور آگے ہی بڑھے گی

ثمر تو انجینئر بنے گا
زمن کہیں چانسلر بنے گا
اگر ثنا ہوسٹس بنے گی
جہاز اڑائے گی اپنی عرشی
ضلع کلکٹر بنے گا ٹیٹو

تو چیف جسٹس بنے گا فیضی
وزیر اعلی بنے گا ایمن
زمن کہیں چانسلر بنے گا
اگر پڑھائی پہ دھیان دے گا
سدا بلند اس کا سر رہے گا
بنے گی ثمرہ پولیس کمشنر
نبیلہ سکریٹری لگے گی
تو زیبا ڈی آئی جی بنے گی
حنا کہیں لکچرر رہے گی
اور عائشہ آرمی کی افسر
بنے گی ثمرہ پولیس کمشنر
چلے گی تعلیم کی ڈگر پر
رہے گی تقدیر کی سکندر
وصی تو بیرسٹری کرے گا
ظفر چیئر مین اکادمی کا
مدیحہ بی بی بنے گی کرنل
رضی بنے گا ضرور جنرل
اریب سائنسداں بنے گا
وصی تو بیرسٹری کرے گا
جو جی لگا کر اگر پڑھے گا
خدا اسے سر خرو رکھے گا

وزیر اعظم بنے گا عدنان
بنے گا فرحان مل کا مالک
یہاں وہی بے بدل بنے گا
پڑھے گا جو با عمل بنے گا
وہ صدر جمہوریہ ہے کل کا
وزیر اعظم وہ کل بنے گا

مظفر حنفی نے مذکورہ نظم میں بڑے بڑے عہدوں، مرتبوں کا ذکر کیا ہے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے تو خوب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دعائیں دی ہیں۔ اس نظم میں اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے نیک خواہشات اظہار کیا ہے اور دل سے دعائیں پیش کی ہیں۔ اس نظم میں کسی کو ڈاکٹر بنایا تو کسی کے لئے انجینئر تو کسی کو پروفیسر تو کسی کو وکیل، کسی کو سائنسداں تو کسی کے لئے وزیر اعظم کی دعا کی گئی ہے الغرض بڑے بڑے عہدوں کے لئے دعائیں کی گئیں ہیں اور وہ بھی بالکل سادہ لب ولہجہ میں۔ اس خوبصورت نظم میں اپنے خاندان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ناموں کا بہترین استعمال کرتے ہوئے انہوں نے بچوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ بچے اس نظم کو پڑھ کر تعلیمی میدان میں آگے بڑھیں اور اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ انہوں نے بچوں کو سماجی خرابیوں سے واقف کراتے ہوئے مزاحیہ انداز بھی اختیار کیا ہے اور ہنسی مذاق کے پیرائے میں دنیا کی صورتحال سے بھی واقف کروایا ہے ان کی ایک مختصر نظم ''باپ رے باپ'' اسی سلسلے کی ایک نظم ہے اس میں بڑے عمدہ طریقے سے انہوں نے بچوں کو درس دیا ہے :

نقلی لنگڑا بن کر جمن مانگ رہا تھا بھیک
کتے نے پنڈلی پر کاٹا ٹانگ ہوگئی ٹھیک
ارے باپ رے باپ

آسمان میں چھید نہ کردے یہ پاگل شاہین
میم کی گردن ٹیڑھی میڑھی شین پہ نقطے تین

ارے باپ رے باپ

تیرہ پار اترنے والے، کشتی میں سوراخ
موج نے کچھوے کو پھٹکارا چپ رہ او گستاخ

ارے باپ رے باپ

پھل کھانے میں حرج نہیں ہے، ڈال توڑنا پاپ
کاٹ رہے ہیں پیڑ آم کا کیا کرتے ہیں آپ

ارے باپ رے باپ

الغرض مظفر حنفی کی ان نظموں اور کہانیوں کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کھیل کھیل میں بچوں کو نصیحتیں کرتے اور درس دیتے نظر آتے ہیں۔جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے ان کی دو کتابیں ''حلوہ چور'' اور ''کھیل کھیل میں'' ہیں۔پہلی کتاب میں بچوں کی کہانیوں کے ذریعے بچوں کو خوشخبری، مذاق، مزاح اور بالکل سادہ وسہل انداز میں انہیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع بھی فراہم کیا ہے۔ اسی طرح سے دوسری تصنیف ''کھیل کھیل میں'' نظم وشاعری کے ذریعے بچوں کے قریب آنے کی کوشش کی ہے اور انہیں ملک سے محبت، تعلیم کی طرف رغبت، گنتی کے طریقے نیز پڑھنے اور لکھنے میں دلچسپی پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔بچوں کو پڑھنے، سیکھنے سکھانے، پھولنے پھلنے اور نیک انسان، بہترین آدمی بننے کے لئے حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور ان کے شاندار مستقبل کے لئے دعائیں بھی کی گئی ہیں۔انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعے کھیل کھیل میں بچوں کو سکھانے کی عمدہ کوشش کی ہے اور وہ بھی آسان زبان میں وعظ ونصیحت کرتے ہوئے ملک سے محبت اور تعلیم سے لگاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ان میں آگے بڑھنے مستقبل میں نام کمانے اور ماں باپ کی خدمت کرنے کا جذبہ بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ساتھ ہی استاد کا ادب، بڑوں کی عزت واحترام اور اپنے چھوٹے

سے شفقت و پیار کرنے کا درس بھی دیا ہے، واضح ہو کہ یہ سبھی کچھ بالکل کھیل کے انداز میں ہے۔اسی طرح سے اردو زبان وادب میں پروفیسر مظفر حنفی کے زیر نگرانی ادب اطفال پر ڈاکٹر خوشحال زیدی نے پی ایچ ڈی کی ہے، اسی سے ان کا ادب اطفال سے لگاؤ بھی ظاہر ہوتا ہے اور اس فن پر ان کی مہارت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔غرض مظفر حنفی نے نظم اور نثری ادب میں اپنی علمی وادبی کارنامے سے اردو ادب کو نئی سمت اور نئی روشنی عطا کی ہے۔انہوں نے تحقیقی کاز کئے، تنقیدی کارنامے سے ادب کے گیسو کو سنوارنے اور نکھارنے کی عمدہ سعی کی ہے تو افسانوی دنیا میں قدم رکھ کر فکشن کو وسعت دی ہے۔چل چنبیلی باغ میں لکھ کر سفرنامے میں ایک خوبصورت اضافہ بھی کیا ہے اور کئی کتابیں ترتیب دے کر، تدوین کے فرائض انجام دیئے ہیں۔بچوں کے لئے کہانیاں لکھ کر اور ان کے لئے نظمیں اور شاعری کے ذریعے بچوں کے ادب میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے اور اس طرح انہوں نے اردو ادب کو اپنی محنت اور کوشش ولگن سے حتیٰ المقدور وسعت دینے کی سعی مبارک کی ہے۔

☆☆☆

حوالے

1۔ مظفر حنفی، گفتگو: دوبدو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2013، ص13

2۔ مظفر حنفی، حلوہ چور، رحمانی پبلیکیشنز مالیگاؤں، مہاراشٹر، ص8

3۔ ایضاً، ص35

4۔ ایضاً، ص32

5۔ مظفر حنفی، کھیل کھیل میں، ملک بکڈپو ترکمان گیٹ، دہلی 2006ء، ص4

6۔ سہ ماہی سفیر اردو، لیوٹن (برطانیہ)، ص117

7۔ مظفر حنفی، کھیل کھیل میں، ملک بکڈپو ترکمان گیٹ، دہلی 2006ء، ص88 تا90

8۔ ایضاً، ص52

اختتامیہ

اختتامیہ

ہندوستان کے معروف نقاد، محقق، ادیب و شاعر مظفر حنفی اردو ادب میں اپنی متنوع اور گونا گوں تخلیقی صلاحیتوں کی وجہ سے جلد ہی شہرت کی بلندی پر فائز المرام ہوئے۔ مظفر حنفی صرف ایک ادیب و شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک منظّم شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ بڑے ہی منظّم طریقے، سلیقے اور نپے تلے انداز میں گزارا اور جو بھی کام انہوں نے کیا کما حقہ اس کا حق ادا کر دیا۔ وہ ایک ہمہ جہت فن کار ہیں۔ انھوں نے بچوں کے ادب سے اپنی ادبی زندگی کی شروعات کی۔ بعد میں افسانے اور ڈرامے بھی تحریر کئے۔ شاعر، ناقد اور مترجم کی حیثیت سے بھی اپنی تخلیقی صلاحتیوں کا بہترین مظاہرہ کیا۔ پروفیسر مظفر حنفی، یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو کھنڈوہ مدھیہ پردیش میں پیدا ہوئے۔ ان کا وطن مالوف قصبہ ہسوہ ضلع فتح پور اتر پردیش ہے۔ ان کے والد گرامی عبدالقدوس ہیں تو والدہ سیدہ خاتون فاطمہ ہیں۔ دادا عبدالشکور صدیقی ہیں تو دادی کا نام زیب النساء ہے۔ نانا میر ولایت حسین ہیں تو ہم ان کی نانی کو سیدہ نثار فاطمہ کہہ سکتے ہیں۔ مظفر حنفی سے بڑی دو بہنیں عزیز فاطمہ اور شفیق فاطمہ تھیں اور چھوٹی بہن کا نام انیس فاطمہ ہے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کھنڈوہ، مدھیہ پردیش سے حاصل کی پھر اپنے علاقہ ہسوہ آ گئے اور پھر سیہورا اور اس کے بعد پھر کھنڈوہ گئے جہاں سے میٹرک کی تعلیم کی تکمیل کی پھر انٹر کانپور سے اور جامعہ اردو علی گڑھ سے بی، اے اور ایم اے کی تعلیم مکمل کی۔ نظامت فاصلاتی تعلیم یعنی کہ پرائیویٹ سے ایل ایل بی بھی پاس کیا اور جب تحقیق کی طرف مائل ہوئے تو اپنے استاد، مربی شاؔد عارفی پر برکت اللہ یونیورسیٹی بھوپال سے ڈاکٹر عبدالقوی دسنوی کے زیر نگرانی بعنوان، شاؔد عارفی فن اور شخصیت، پر پی ایچ ڈی کی تکمیل کی اور اس یونیورسٹی کے اولین ریسرچ اسکالر بھی بنے۔

پروفیسر مظفر حنفی نے اپنی زندگی میں کئی ملازمتیں کی اور کئی کو الوداع کہا۔ اس حیثیت سے وہ

خوش نصیب واقع ہوئے ہیں ۔وہ محکمہ جنگلات مدھیہ پردیش (۷۴۔۱۹۶۰) اسسٹنٹ پروڈکشن آفیسر نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، دہلی (۷۶۔۱۹۷۴) ریڈر جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی (۸۹۔۱۹۷۶) اور بحیثیت پروفیسر ۱۹۸۹ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی جیسی یونیورسٹی سے سبکدوشی کے بعد اقبال چیئر میں بطور سینئر پروفیسر کلکتہ یونیورسیٹی، کلکتہ میں ان کا تقرر ہوا۔ (۲۰۰۱۔۱۹۸۹) اور یہیں سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش بھی ہوئے۔

مظفر حنفی نے اپنی زندگی اردو ادب کے لئے وقف کر دی تھی۔اسی لئے ابتدائی زمانے سے ہی ان کے کار مختلف رہے اور انہوں نے تحقیق وتنقید، کالم نویسی، اداریہ نگاری، جائزے، تبصرے، فکشن، ترجمہ، ترتیب اور تدوین کا کام بھی انجام دیا ہے لیکن ان کی شہرت شاعر کی حیثیت سے زیادہ رہی ہے۔انہوں نے افسانے بھی تحریر کیے ہیں۔تحقیق کا کام کیا اور تنقید بھی لکھی۔انہوں نے ادب اطفال کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔نظمیں بھی کہیں تو رباعیات کے میدان میں بھی اپنے آپ کو تسلیم کروایا ہے۔مضامین بھی لکھے ہیں اور یہ سلسلہ وفات سے چند ماہ قبل تک سرعت کے ساتھ جاری تھا مگر ان کی محبوب اور پسندیدہ صنف سخن غزل ہی رہی ہے۔ایک عام وجہ یہ بھی ہے کہ ان کا سب سے زیادہ اردو ادب میں سرمایہ غزل میں ہی موجود ہے۔مظفر حنفی کا غزل سے قلبی لگاؤ تھا۔اس تعلق سے ان کا ایک شعر ملاحظہ کریں:

بری نہیں ہے مظفؔر کوئی بھی صنف ادب
قلم غزل کے اثر میں رہے تو اچھا ہے

ان کی ادبی زندگی کی شروعات عنفوان شباب سے ہی ہو جاتی ہے اور ابتداء میں انہوں نے بچوں کے لیے مختصر اور ہلکی پھلکی کہانیاں لکھنی شروع کی۔انہوں نے تقریباً بارہ تیرہ سال کی عمر سے لکھنا شروع کیا تھا۔اس وقت ہندوستان کی آزادی کو محض ایک سال ہی ہوئے تھے۔ان کی تحریر کردہ کہانیاں اس وقت کے مختلف رسالوں بالخصوص بچوں کے اہم رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہی

ہیں۔انہوں نے تقریباً ادب کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے، چاہے وہ افسانہ نگاری کا میدان ہو یا ترجمہ کی سنگلاخ وادی، مضامین سے دلی لگاؤ ہو یا پھر تنقیدی دنیا، تحقیق کا مشکل سفر ہو یا پھر شاعری کا میدان الغرض ان کا قلم چلتا رہا مگر قلبی اور فطری لگاؤ شاعری سے تھا۔ان کی ادبی زندگی کی شروعات چونکہ ابتدائی عمر سے ہوگئی تھی اور یہ سلسلہ ان کے آخری دم تک رہا۔

مظفر حنفی کا شمار جدید لب و لہجے کے چند معتبر معزز اور اہم قلمکاروں میں ہوتا ہے۔انہوں نے اپنے قلم سے اردو زبان وادب کے ذخیرے میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔انہوں نے اپنی زندگی میں ۲۵۰۰ سے زیادہ غزلیں کہی ہیں اور مختلف اصناف میں تقریباً ۷۰ سے زیادہ ان کی تحریر کردہ ترتیب دی ہوئی اور ترجمہ شدہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اور عوام وخواص سے داد تحسین بھی حاصل کرچکی ہیں۔ان کی بیشتر کتابوں پر مختلف اردو اکیڈمیوں نے انہیں انعامات واعزازات سے بھی نوازا ہے۔ انہوں نے مختلف قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں، کانفرنسوں اور مشاعروں میں شرکت کی ہے اور بہتوں میں بحیثیت کلیدی خطبہ اور مقرر خصوصی کے شریک بھی ہوئے ہیں۔اکثر و بیشتر سمینار اور مشاعرے میں اپنے مقالے اور غزلوں کو بھی عوام وخواص کے درمیان پڑھنے کا شرف حاصل کرچکے ہیں اور نہ جانے کتنے سمینار اور مشاعرے کی صدارت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ان کی ایک غزل جسے خوب پذیرائی ملی ہے۔ملاحظہ کریں:۔

رقیبوں سے بھی وہ اظہار بیزاری نہیں کرتے
ادھر ہم ہیں کہ خود اپنی طرف داری نہیں کرتے

☆☆☆

اگل دیتے ہیں جو کچھ پیٹ میں گھر میں آتے ہی
پرندے اپنے بچوں سے اداکاری نہیں کرتے

☆☆☆

ہمیں جینے کی خواہش ہے کوئی تدبیر کرنے دو
اگر مرنا ہے، مرجائیں گے، تیاری نہیں کرتے

☆☆☆

یہ نکتہ کس طرح سمجھائیں ہم اہل سیاست کو
کہ تسخیر کرنے ہوں تو بمباری نہیں کرتے

☆☆☆

مظفؔر برگ گل سے پتھروں کو کاٹ سکتے ہیں
مذمت اب غزل کی طوئے انصاری نہیں کرتے

☆☆☆

یہ ان کی غزل کا ایک نمونہ تھا ایسی کئی غزلیں انہوں نے کہی ہیں جسے خوب پسند کیا گیا۔ زبان آسان اور سادہ وسلیس ہے۔ شاعری کے علاوہ تحقیق وتنقید کے میدان میں بھی انہوں نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے مضامین لکھے، افسانے قلمبند کیے، کتابیں تحریر کیں، ترجمہ کی اہم ذمہ داری نبھائی، صحافت کے کاز کیے، شاعری کی دنیا میں نام کمایا تو اسی کے ساتھ کتابیں ترتیب دیں، خطوط لکھے، دیوان کو مرتب ومزین کیا تو اپنی تصنیفات وتالیفات اور ان کتابوں کے ذریعے تحقیق وترتیب اور اردو ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی تحریر کردہ، ترتیب شدہ اور ترجمہ کردہ کتابوں کی فہرست پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ بچوں کے ادب پر بول میری مینا، نرسری کے گیت، بچوں کے لئے، نیلا ہیرا، بندروں کا مشاعرہ، چند اماموں، چٹخارے اور بچوں پر یہ دو کتابیں، کھیل کھیل میں، اور حلوہ چور میرے پاس موجود ہیں۔ شاعری میں دس دواوین کی شمولیت کر کے مجموعہ دیوان 'کمان' اور 'تیزاب میں تیرتے پھول' منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کی غزلوں میں سے انتخاب کر کے مختلف عنوان پر اشعار کو ترتیب دے کر ایک مجموعہ بنام 'ہیرے ایک ڈال کے' کی اشاعت عمل میں آچکی ہے۔ تحقیق وتنقید کی دنیا میں نقد ریزے، تنقیدی ابعاد، جہات وجستجو، باتیں

ادب کی، لاگ لپیٹ کے بغیر، ہندوستان اردو میں، مضامین تازہ، ادبی فیچر اور تقریریں، تنقیدی نگارشات ان سبھی کے علاوہ کئی اور کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ یو جی سی کے پراجیکٹ کے لئے وضاحتی کتابیات کے نام سے ایک سیریز تحریر کی تھی جو کہ 22 جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان کی کچھ اہم کتابوں کے نام یہ ہیں۔ کتاب شماری، جہات و جستجو، اردو طنز و مزاح، میر تقی میرؔ، ہندوستان اردو میں، جائزے، ہیرے ایک ڈال کے، تنقیدی نگارشات، منتخبات شاد عارفی، ایک سفر نامہ بھی تحریر کیا ہے جس میں برطانیہ کا آنکھوں دیکھا حال ہے اور وہ ''چل چنبیلی باغ میں'' کے عنوان سے ہے۔ اسی طرح ان کی ترجمہ کردہ کتابیں حسب ذیل ہیں پراسرار قتل، چوروں کا قتل، دوہری سازش، گلاگ مجمع الجزائر، بیداری، گجراتی کے یک بابی ڈرامے، اڑیا افسانے، بھارتیندو ہریش چندر، بنکم چندر چٹرجی اور سخاروف نے کہا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے انہوں نے اردو ادب کی تقریباً تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور انتقال سے قبل بھی وہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہیں یعنی ان کی زندگی کا مقصد صرف لکھنا پڑھنا تھا۔ وہ ادب کو خوب پڑھتے اور لکھتے رہتے تھے۔

انہوں نے وضاحتی کتابیات کی جو فہرست مرتب کی اس کی پہلی تین جلدوں کے مشترکہ مرتب پروفیسر مظفر حنفی اور گوپی چند نارنگ تھے اور اس کے بعد کی مکمل جلدوں کو یکا و تنہا اور فرد واحد مظفر حنفی نے ہی ترتیب دیا ہے۔ وضاحتی کتابیات کی جلدوں کو مکمل کرنے کے لئے انہوں نے اپنی زندگی کے بیش قیمتی پچیس سال صرف کئے تھے تب جا کر یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے۔ نامور محقق اور ممتاز ناقد گوپی چند نارنگ کے ہمراہ انہوں نے وضاحتی کتابیات کے وقیع و وسیع منصوبے کی ابتدا کی تھی اور اس کی پہلی جلد کی تکمیل ۱۹۸۰ء میں ہوئی اور وہ اسی وقت منظر عام پر آ گئی تھی۔ جلد اول کی تکمیل کے بعد اس تاریخی اور شہرت یافتہ دستاویزی سلسلے اور وضاحتی کتاب کی دو درجن سے زائد جلدیں زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہیں۔ انہوں نے تقریباً ۲۵ قیمتی سالوں کی محنت شاقہ اور جہد مسلسل کے بعد وضاحتی کتابیات کو قارئین تک پہنچایا ہے اور اسی سے ان کی محنت و محبت اور لگن و جستجو اور جہد مسلسل کے ساتھ ساتھ اردو سے لگاؤ اور اس زبان سے قلبی عشق کا اندازہ ہوتا ہے۔

وضاحتی کتابیات کی مکمل جلدیں صاحب تحقیق اور ریسرچ اسکالروں کے لئے یکساں مفید ہے تو اساتذہ کے لئے بھی معلومات سے مملو۔ پڑھنے لکھنے اور تتبع وتلاش اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے انمول تحفہ تو محققین کے لئے مدومعان بھی ۔ان کے تین افسانوی مجموعے دو غنڈے، اینٹ کا جواب اور دیدۂ حیراں کے نام سے شائع ہو چکے ہیں اور اب اسے ایک مجموعہ کے طور پر ''بھولی بسری کہانیاں'' کے نام سے منظر عام پر لایا گیا ہے۔ پہلے مجموعے ''اینٹ کا جواب'' میں کل ۲۱ افسانے ہیں اور پیش لفظ فراق گورکھپوری نے تحریر کیا ہے۔ دوسرا مجموعہ ''دوغنڈے'' میں شامل افسانوں کی تعداد ۱۲ ہے اور تعارف کے عنوان سے کرشن چندر نے لکھا ہے۔ تیسرا افسانوی مجموعہ ''دیدۂ حیراں'' ہیں اس میں افسانوں کی مجموعی تعداد ۲۴ ہے اور اس کا پیش لفظ کنہیالعل کپور نے رقم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانے ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک رقم کئے تھے۔ کل ملا کر جب ہم ان کے افسانوں کا گہرائی و گیرائی کے ساتھ مشاہدہ اور مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان کے افسانے فنی اعتبار سے بھی مضبوط ہیں اس میں پلاٹ، کردار، مکالمے، منظر نگاری، جذبات نگاری، جزئیات نگاری اور وحدت تاثر بھی بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ گویا ان کے افسانے فنی اعتبار سے گتھے ہوئے ہیں اور فن افسانہ کے معیار پر کھرے اترتے ہیں اور اس بات کی تصدیق کے لئے فراق گورکھپوری، کرشن چندر اور رام لعل کی تحریریں ہی سند واعتبار کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں الفاظ و جملے کا عمدہ استعمال، عبارت کی دلکشی اور رومانیت کی جھلک بھی نظر آتی ہے تو وہیں منظر نگاری کی عکاسی ملتی ہے۔ زبان واسلوب کے اعتبار سے بھی ان کے افسانے جدید طرز ادا اور پر لطف اسلوب نگارش کا حسین وخوبصورت سنگ میل دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے ہر کاز کو بخوبی نبھانے کی عمدہ کوشش کی ہے۔ اسی طرح افسانے کی تخلیق کے معاملے میں بھی۔ افسانہ نگاری کی دنیا میں قدم رکھا تو اپنی شناخت الگ بنائی، اپنی دنیا خود الگ کی۔ وہ بلاشبہ ایک ذہین وفطین اور اچھے افسانہ نگار تھے۔ انہوں نے اپنی زمین سے متعلق تقریباً تمام موضوعات پر کہانیاں قلمبند کی تھیں۔ کہانی میں خوبصورتی پیرایہء اظہار عمدہ تراکیب اور خوبصورت جملے اور الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ ان کی باریک

بیں اور دوررس نگاہیں سماج کے ہر روشن اور تاریک گوشوں تک پہنچ جاتی ہیں اور کوئی بھی مسائل ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ اگر ایک طرف انہوں نے بلند و بالا عمارتوں کے جگماتے شبستانوں اور محلوں میں جھانکا ہے تو وہیں دوسری طرف دیہات اور کچے مکان، پھوس کے گھر، چدرا کی کھنکناتی اور اسبسطاس کے مکینوں کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ ہر جگہ سے اپنے دھڑکتے دل اور بے چین و بے سکون دماغ کے لئے مواد لے کر اسے افسانے کے قالب میں ڈھالا ہے۔ بطور فنکار سماج کے لئے یہ خوش آئند قدم ہے جسے انہوں نے اچھے سے نبھایا ہے۔ انہوں نے ہر کامیاب افسانہ نگار کی طرح معاشرے اور سماج میں پھیلی ہوئی خامیوں اور برائیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ سماجی مسائل اور سماج میں رہنے بسنے والے کے دکھ درد کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے افسانے کے فن کو بھی بخوبی بروئے کار لایا ہے اور اس فریضہ کی انجام دہی میں وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں جہاں فن کا بھرپور احساس ہوتا ہے وہاں موضوع اور مواد کے اعتبار سے بھی وہ خاصے مقبول ہیں اس لئے بحیثیت افسانہ نگار بھی وہ پسند کئے گئے۔ خلاق عالم نے ان کو قوت متخیلہ اور تخلیقی جواہر سے خوب خوب نوازا تھا۔ ان کے وسیع مطالعے اور عمیق مشاہدے نے ان کے فن میں مزید چار چاند لگائے ہیں۔ غرض مجموعی اعتبار سے ان کے افسانے حالات کی عکاسی اور سماج کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں مگر ان سب کے باوجود افسانے کی دنیا میں ان کو وہ مقام نہ مل سکا جو دیگر افسانہ نویس کے حصے میں آیا اور اس بات کے وہ خود معترف بھی تھے۔

مظفر حنفی کا تحریر کردہ سفرنامہ بنام ''چل چنبیلی باغ میں'' کی شروعات اچھے انداز میں ہوئی تو اسی طرح خوبصورت انداز اور عمدہ پیرایہ میں اختتام پذیر بھی ہوتا ہے۔ مسافروں (مظفر حنفی اور ان کے ہم سفر) کے دہلی سے لندن اور لندن سے دہلی واپسی کا پورا منظر اور واقعہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ان کی تحریر میں جا بجا ادبی چاشنی اور شگفتگی دیکھنے کو ملتی ہے، انداز تخاطب عالمانہ اور ناصحانہ ہے۔ کبھی کبھار طنز کا ہلکا نشتر بھی چلاتے ہیں وہ حالات و ماحول کی خوبصورت عکاسی اور واقعہ کی پیکر تراشی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں۔ حسن بیان میں انہیں ملکہ حاصل ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی ہو یا

بش محل ، برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن ہو یا زمین کے اندر چلنے والی میٹرو ہو یا لہراتی تیز رفتار موٹر گاڑیاں، ہندوستانی احباب سے ملاقات ہو یا صدر مشاعرہ کی حیثیت سے شرکت، انٹرویو دیتے وقت کی کیفیت ہو یا شادی بیاہ کے ناز ونخرے، الغرض جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہیں۔اس کتاب میں حیرت واستعجاب، عزت، عظمت، شوکت اور عبرت کے ملے جلے واقعات کا احساس ہوگا جو کہ ماضی کی عظمت رفتہ کو یاد دلائے گا اور پدرم سلطان بود کا حسین سانحہ آنکھوں میں پھر جائے گا۔اس میں مذہبی عقائد، کردار نگاری، تہذیب اور مکالمہ نگاری بھی خوب شاندار طریقے سے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔الغرض مظفر حنفی کا تحریر کردہ سفر نامہ ''چل چنبیلی باغ میں'' اردو سفر ناموں کی دنیا میں ایک اہم اور قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس میں برطانیہ کی اہم تاریخی اور مذہبی عمارتیں، مختلف مشہور محلّہ جات کے احوال ،اہم شخصیات کے ساتھ ساتھ خوبصورت الفاظ ومحاورات اور شاندار اسلوب سے اس سفر نامے کو چار چاند لگایا گیا ہے۔اس کتاب کے مطالعہ کے بعد زبان وبیان کی لطافت کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اس کی تاثیر اور ان کی تحریر کا کمال یہ ہے کہ ایک بار کتاب شروع کی جائے تو مکمل کئے بغیر دل نہیں مانے گا۔

مظفر حنفی نے بچوں کے ادب پر بھی کتابیں ''حلوہ چور'' اور ''کھیل کھیل میں'' تحریر کی ہیں۔ پہلی کتاب بچوں کی کہانیوں پر مشتمل ہے اور ان کہانیوں کے ذریعے بچوں کو مزاحیہ اور سیدھے سادے انداز میں بہت کچھ سیکھنے کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔کتاب ''کھیل کھیل میں'' انہوں نے صرف اپنی شاعری کے ذریعے بچوں کو نصیحت کی ہے اور انہیں ملک سے محبت، تعلیم سے رغبت، گنتی کے طریقے اور پڑھنے، لکھنے میں دلچسپی پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔بچوں کو پڑھنے لکھنے، سیکھنے سکھانے ، پھولنے پھلنے اور نیک وبہترین انسان بننے کی طرف راغب کیا ہے اور ان کے شاندار مستقبل کی فکر بھی اس میں نظر آتی ہے اس کے علاوہ اس میں بچوں کی اخلاقی تربیت بھی کی گئی ہے اور ان میں ماں باپ کی خدمت کا جذبہ پیدا کیا گیا ہے ساتھ ہی استاد کا ادب، بڑوں کی عزت کرنے کی تربیت کی گئی ہے۔اسی طرح سے اردو زبان وادب میں ادب اطفال پر پی ایچ ڈی ڈاکٹر خوشحال

زیدی نے مظفر حنفی کے ہی زیر نگرانی کی ہے،اسی سے ان کا ادب اطفال سے لگاؤ بھی ظاہر ہوتا ہے۔خلاصہ کلام یہ کہ انہوں نے نثری ادب میں اپنے علمی وادبی کارنامے سے اردو ادب کو نئی سمت اور نئی روشنی عطا کی ہے۔انہوں نے تحقیقی کاز کیے تو تنقیدی کارنامے سے ادب کے گیسو کو سنوارنے اور نکھارنے کی عمدہ سعی کی ہے تو افسانوی دنیا میں قدم رکھ کر فکشن کو وسعت دی۔چل چنبیلی باغ میں لکھ کر سفرنامے میں ایک خوبصورت اضافہ کیا تو کتابیں ترتیب دے کر، تدوین کے فرائض انجام دیے اور بچوں کے لئے کہانیاں لکھ کر اردو ادب کو اپنی محنت اور کوشش ولگن سے حتیٰ المقدور وسعت دینے کی سعی مبارک کی ہے۔مظفر حنفی نے شعری اصناف میں بھی اپنی خدمات کا لوہا منوایا اور مختلف النوع موضوع پر غزلیات تحریر کیے ہیں۔انہوں نے اصناف شاعری کے تحت غزل،نظم ،ترانے، رباعی،شخصی مرثیے اور بچوں کی شاعری میں اپنی انفرادیت بھی منوائی ہے۔مظفر حنفی نے تقریباً اردو ادب کی ہر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کی پسندیدہ صنف سخن غزل رہی ہے۔وہ ابتداء میں بچوں کے لئے کہانیاں لکھا کرتے تھے۔پھر انہوں نے افسانوی دنیا میں قدم رکھا لیکن بعدہٗ شاعری کی دنیا میں قدم رکھا اور اسی کے ہو کر رہ گئے۔اپنے ایک انٹرویو میں اس کی وضاحت وہ خود کرتے ہوئے نظر آئے ہیں۔مظفر حنفی کے اس شعر سے ان کی شاعری کی ابتداء کا پتہ چلتا ہے۔

بچپن میں کھلواڑ کیا تھا اک دن ہم نے شعروں سے
بھوگ رہے ہیں بچپن برسوں سے اپنی نادانی کو

انہوں نے یہ شعر ۴۶۔۱۹۴۵ء کے آس پاس کہا تھا۔ہوا یوں تھا کہ منجھلی بہن شفیق فاطمہ اپنی سہیلی کو خط لکھنے کے لئے ایک مناسب شعر چاہتی تھیں انہوں نے ایک آنہ کے عوض اس شعر کو کہا اور زندگی بھر اس اکنّی کا قرض ادا کرتے رہے۔اس طرح سے مظفر حنفی نے شروعاتی زندگی میں جو شاعری اپنی بہن کی فرمائش پر کہی تھی وہ ایک مستقل غذا کا روپ دھار لیا۔وہ شاعری صرف ذوق کی تسکین کے لئے نہیں کرتے تھے بلکہ شاعری سے ان کی قلبی وابستگی اور دلی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔شاعری ایک مستقل عادت کا رخ اختیار کر چکی تھی۔اسی لئے انہوں نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اشعار ہی

کہے ہیں اور ان کی غزلوں کی تعداد دو ہزار سے بھی زائد ہے۔ وہ اپنی شاعری کے کئی مجموعے کی اشاعت کرتے رہے اور ان سب دواوین کو اکٹھا اور یکجا کر کے کلیات کی شکل دے دی گئی ہے۔ ان کی دو کلیات ''کمان'' اور ''تیزاب میں تیرتے پھول'' ہیں۔ 'کمان' اور 'تیزاب میں تیرتے پھول' میں ان سبھی شعری مجموعے کو اکٹھا کر دیا گیا ہے جو پہلے شائع ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی متفرق غیر مطبوعہ تخلیقات کو یکجا کر کے ''کمان'' میں جگہ دی گئی ہے جو ۴۵ صفحات مشتمل ہیں واضح ہو کہ یہ غیر مطبوعہ تخلیقات ۱۹۵۲ء سے لے کر ۲۰۱۲ء تک کے ہیں، ان میں غزلیں، نظمیں، بچوں کے لئے لکھی گئی نظموں کے علاوہ سنٹرل یونیورسٹی کشمیر کے لئے لکھا گیا ترانہ بھی شامل ہے۔ مجموعہ میں شامل ترانہ کی مجموعی تعداد ۱۰ ہے۔

مظفر حنفی کے ان دونوں کلیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان میں حمد، نعت، غزل، منقبت، نظم، رباعی دوہے سلام اور ترانے سبھی کچھ شامل ہیں۔ انہوں نے جو حالات دیکھے ہیں اور استاد سے جو کچھ سیکھا ہے اس کا اثر اس میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ ان کے اشعار میں طنزیہ لہجہ زیادہ دکھائی دیتا ہے اور یہی ان کی شاعری کی انفرادیت و خصوصیت بھی ہے۔ اسی لحاظ سے وہ اردو شاعری میں بلند مقام رکھتے ہیں ان کا اپنا انداز ہے، ان کا اپنا لہجہ ہے، ان کا اپنا ایک مقام ہے اور ان کی شاعری اور ان کا لہجہ اور ان کی آواز پیش رؤوں سے حاصل نہیں کی گئی ہے بلکہ ان کی خود کی پیدا کردہ ہے۔ ان کی تعریف میں رطب اللسان ان کے ہم عصر اور مشہور و معروف ادیب پروفیسر گوپی چند نارنگ نے انہیں بنیادی طور پر تخلیق کار کہا ہے۔ عمدہ شاعری کے لئے نئے خیالات، شاندار تفکر اور عمدہ سوچ درکار ہوتی ہے۔ شاعری تو ذات کا آئینہ ہوتی ہے۔ سماج، ماحول اور عصری حالات کو موضوع بنا کر شاعر شاعری کرتا ہے، شاعر پر جو گزرتی ہے یا اس کے اردگرد جو واقعات در پیش ہوتے ہیں اسی کے مدنظر شاعر اپنی شاعری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

پروفیسر مظفر حنفی کی شاعری کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ جہاں وہ عصری مسائل اور سماجی معاشرے کو موضوع بناتے ہیں وہاں زبان و اسلوب کی خوبیوں پر بھی ان

کی نگاہ رہتی ہے ۔ان کی شاعری میں تشبیہ، استعارہ، روزمرہ، محاورہ اور صنائع وبدائع کا حسن بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ صنعتیں انہوں نے عمدہ استعمال کی ہیں۔ جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ میں ایک خاص قسم کا توازن پایا جائے تو وہ پورا شعر یا مصرعہ فصیح کہلاتا ہے۔ اسی کو بندش کی چستی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دل آویزی، برجستگی، روانی اور سلاست بھی کہتے ہیں۔ ان کے کلام میں اس طرح کی خوبیاں بہ کثرت پائی جاتی ہیں اور ان کی شاعری میں آہنگ، موسیقیت اور لفظوں کا بہترین استعمال، صنائع وبدائع کی خوبصورتی اور اثر آفرینی سے معمور ہے وہ ایک شعر میں کہتے ہیں:

مختلف انداز رکھتی ہے مظفؔر کی غزل
یہ ہماری آپ بیتی ہے خبرنامہ نہیں

مظفر حنفی نے گزشتہ نصف صدی تک اپنی شاعری سے اردو دنیا کے سرمایہ میں اضافہ کیا ہے۔ شاعری کی دنیا میں درجنوں دواوین قارئین کی خدمت میں پیش کی ہیں۔ ان کے کلام کے مجموعے ہیں، پانی کی زبان، تیکھی غزلیں، عکس ریز (طویل طنزیہ نظم) صریر خامہ، دیپک راگ، یم بہ یم، طلسم حرف، کھل جا سم سم، پردہ سخن کا، یا اخی، پرچم گرد باد، ہاتھ اوپر کیے، آگ مصروف ہے۔ ''کمان'' شاعری کی کلیات جلد اول، ''تیزاب میں تیرتے پھول'' کلیات جلد دوم ہے۔ ان دونوں کلیات سے اخذ کر کے انہوں نے ۲۵۰۰ غزل کے موضوعاتی اشعار کو یکجا کیا ہے اور اس مجموعۂ اشعار کا نام ''ہیرے ایک ڈال کے'' رکھا ہے۔ ان کی یہ تصنیف ''ہیرے ایک ڈال کے'' منظر عام پر آ کر قبولیت عوام وخواص کی سند حاصل کر چکی ہے۔ مثال کے لئے ان کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیں:

ہر گھر سلگ رہا ہے کدھر جائے گا دھواں
گھٹ گھٹ کے اپنے ہی آپ مرجائے گا دھواں

لب سی دیے گئے تو لہو دے رہا ہے لو
لو کٹ گئی تو لے کے خبر جائے گا دھواں

گرنے دو برف، آگ نہ سلگاؤ اس جگہ
دیوارو در خراب نہ کرجائے گا دھواں

اتنا بھی احتجاج سے رکنا نہ چاہیے
ورنہ ترے بدن میں اتر جائے گا دھواں

میری کشادگی پہ سمندر کرے گا رشک
پلکیں نہ کھول ، آنکھ میں بھر جائے گا دھواں

پیکر تراشتا ہے دھواں چپ رہو
چٹکی بجاؤ گے تو بکھر جائے گا دھواں

انہوں نے اپنی زندگی میں غزلیں، نظمیں، طویل نظمیں، ترانے، مرثیے اور قطعات بھی کہے ہیں۔ان کی نظموں کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ انہیں نظموں کے لکھنے پر بھی عبور حاصل تھا اور ان کی نظموں کے موضوعات بھی مختلف ہوا کرتے ہیں کبھی وطن کی محبت میں سرشار ہوکر نظمیں رقم کرتے ہیں تو کبھی پیام آزادی کا نغمہ گونجتی ہوئی نظمیں پڑھنے کو ملتی ہیں تو کبھی ہندو مسلم اتحاد کا پیغام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی آہ وبکا کر کے انصاف کے لئے آواز بلند کرتے دکھائی دیتے ہیں۔اس طرح سے ان کی نظمیں داخلیت و خارجیت کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔خوبصورت بندشوں، نادر ترکیبوں اور نئے پن کے ساتھ وہ سلاست وروانی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔انہوں نے اپنی غزل کی طرح ہی اپنی نظموں میں اصلیت وواقعیت اور شاعرانہ تخیل سے ایسا فنکارانہ کام لیا ہے کہ انہیں ماہر فن اور نظم پر دسترس رکھنے والا شاعر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ظاہر سی بات ہے کہ انہوں نے جنم مدھیہ پردیش میں لیا اور پلے بڑھے بھی وہیں لیکن ان کی زندگی کے ابتدائی ایام کانپور اور فتحپور میں گزرے اور اتر پردیش وطن اصلی ہونے کی وجہ سے وہاں کی آب وہوا، فضا اور لب ولہجہ کو اختیار کیا تو وہیں دہلی میں درس وتدریس کے فرائض منصبی کو انجام دیتے ہوئے چند سالوں تک کلکتہ میں بھی ملازمت سے منسلک ہوئے اور پھر وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوکر پوری زندگی دہلی میں

ہی گزاری۔اسی لئے ان کی زبان مختلف ادوار، اعتبار اور محاورے کا مجموعہ ہوئی۔ان کی شاعری میں سادگی وسلاست کے علاوہ نرم گفتاری، بلند پروازی، اعلیٰ تخیل، متانت ووقار، اخلاق وکردار کا دلکش نمونہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔

مظفر حنفی نے شاعری میں نظموں اور غزلوں کے علاوہ کچھ ترانے بھی لکھے ہیں اور مرثیہ بھی ان کے نوک قلم سے تحریر ہوا ہے۔اسی طرح انہوں نے رباعی کی صنف میں بھی اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔رباعی میں صرف چار مصرعے ہوتے ہیں۔رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چار کے ہوتے ہیں۔بطور مثال ان کی ایک رباعی ملاحظہ کریں:

مرنا ہے تو بے موت نہ مرنا بابا
دم سادھ کے اس پل سے گزرنا بابا
سنتے ہیں کہ ہے موت سفر کا وقفہ
اس پار ذرا بچ کے اترنا بابا

موضوع کے اعتبار سے انہوں نے اس رباعی میں زندگی اور موت کا فلسفہ بیان کیا ہے اور زندگی کی بے ثباتی کو بڑے ہی اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔

صحافت کے میدان میں بھی مظفر حنفی پیچھے نہیں رہے۔ان میں نہ صرف تخلیقی صلاحیتیں بے پناہ تھیں بلکہ وہ ایک مدیر بھی تھے۔انہوں نے ماہنامہ ''نئے چراغ'' سے صحافتی زندگی کی ابتدا کی۔''نئے چراغ'' نے ۱۹۵۹ء ہی سے جدیدیت کے لئے راہیں ہموار کرنی شروع کردی تھیں۔ آج کے بیشتر ممتاز جدید شاعروں اور ادیبوں میں سے اکثر نے اپنے فن کی ابتدائی منزلیں ''نئے چراغ'' کے وسیلے سے طے کیں۔علاوہ ازیں آج کے کئی نامور فن کاروں کو اردو دنیا سے پہلی بار متعارف کرانے کا سہرا بھی ''نئے چراغ'' کے سر جاتا ہے۔اس ماہنامے کا اجراء کھنڈوا مدھیہ پردیش جیسے دور افتادہ اور غیر ادبی مقام سے ہوا۔اپنے منفرد انداز اور سنجیدہ ادبی پالیسی کی وجہ سے یہ نوزائیدہ رسالہ بہت جلد ادبی دنیا میں مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔ہندو پاک کے صف اول کے فن کار اس

کے قلمی معاونین میں شامل تھے۔اردو دنیا کے کئی نامور فن کاروں نے اپنی ادبی ساکھ اس میگزین کے وسیلے سے مستحکم کی۔منی افسانے کی تجدید اسی رسالے نے کی،عصری مسائل پر چبھتے ہوئے اداریے، معیاری مضامین، برجستہ مستقل عنوانات اس رسالے کے معیار ووقار کے ضامن تھے۔مظفر حنفی کا وجود اس ماہنامہ کے لئے روح رواں کی حیثیت رکھتا تھا۔اگر چیکہ ماہنامہ ''نئے چراغ'' کی کل عمر دوسال سے بھی کم ہی رہی۔مگر ایسے وقت میں رسالہ نکالنا اور ایسی جگہ سے رسالہ نکالنا ہی بڑی بات تھی۔اسی لئے مظفر حنفی کو اردو کے معیاری ادبی جریدوں کے باصلاحیت مدیروں میں شمار کیا جانا چاہئے۔الغرض ایسے وقت میں اور ایسی سرزمین سے رسالہ نکالنا بڑے دل وجگر کی بات تھی اور پھر اردو کے بڑے بڑے ادیبوں اور قلم کاروں کا قلمی تعاون بھی اسے حاصل رہا۔مظفر حنفی نے مدھیہ پردیش کی سرزمین میں کھنڈوہ ضلع سے ۱۹۶۰ء کے زمانے میں ایسی جگہ سے رسالہ کا نکالنا کسی کرامت سے کم نہیں تھا۔اس وقت خط وکتابت اور مواد کو کتابت کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر رقم کیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں صرف نئے چراغ کے ذریعے اردو زبان کا چراغ کھنڈوا میں جلا جس کے بعد اردو زبان وادب کے لئے وہاں نئی راہیں کھلیں۔یہ مظفر حنفی کا بڑا کارنامہ تھا۔اس سے اردو زبان و صحافت سے ان کی سچی محبت اور جذباتی لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں بے شمار اردو مترجم گزرے ہیں۔ترجمہ نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے ان پر جب ہم گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان میں سے زیادہ تر تو صرف اور صرف پروفیشنل مترجم ہی نظر آتے ہیں مگر ایسے مترجم بہت ہی کم ملتے ہیں۔جنہوں نے اردو ادب کے تقریباً ہر گوشہ پر قلم اٹھایا ہو۔مظفر حنفی ایسے ہی ترجمہ نگاروں کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔انہوں نے انگریزی، ہندی، بنگلہ، اوڑیا اور گجراتی سے اردو زبان میں ترجمے کئے ہیں۔انہوں نے اردو ادب کے تقریباً تمام اصناف کے ساتھ ہی ساتھ ترجمہ نگاری کے میدان میں بھی قدم رکھا اور اس فن میں بھی انہوں نے اپنی علمی وقلمی صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اپنی محنت شاقہ سے اس میدان میں خوب نام بھی کمایا۔انہوں نے معاشی ضرورتوں کے تحت اس میدان میں قدم رکھا لیکن بعد میں وہ اس میدان میں اپنی ذاتی

دلچسپی لینے لگے۔ابتداء میں انہوں نے کئی دیگر زبانوں کے افسانوں اور ناولوں کو اردو کا جامہ پہنایا اور اسے سلسلہ وار قارئین کی دنیا میں پبلشر کی فرمائش پر پیش بھی کیا۔ بعدازاں وہ اردو ادب کے چند کامیاب مترجم کی حیثیت سے بھی جانے پہچانے گئے۔ مظفر حنفی نے مختلف زبانوں کی کتابوں کو اپنی ترجمہ نگاری اور علمی صلاحیت و قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے اردو زبان کا لباس پہنایا۔ ترجمہ نگاری ایک مشکل فن ہے انہیں اس کی مشکلات کا پورا احساس تھا انہوں نے ترجمہ نگاری کے اصول وضوابط پر کار بندرہ کر ہندی، انگریزی، گجراتی، اڑیا اور بنگالی زبانوں کے افسانے اور ناولوں کو اردو زبان میں منتقل کیا۔ان کے یہ تراجم اردو ترجمہ نگاری کے میدان میں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مظفر حنفی نے بچوں کے لیے کہانیاں اور نظمیں بھی تحریر کی ہیں۔ بچوں کے لئے کہی گئی نظموں میں انہوں نے سادہ اور آسان لب ولہجہ اختیار کیا ہے تا کہ بچے اسے آسانی سے ذہن نشین کر سکیں۔ان کی تحریر کردہ ''مشاعرہ کی کہانی'' بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔اس کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھا گیا ہے تا کہ بچوں کو پڑھنے میں لطف آئے چوں کہ یہ مزاحیہ نظم ہے اس لئے بچے اسے بہت مزے لے لے کر پڑھتے ہیں۔ ذرا بندر کے مشاعرہ کے لئے جو اعلان کیا جارہا ہے اس کی کیفیت اشعار کی زبانی دیکھئے:

سنو بندرو اور بندریو
کام دوسرے ذرا بند کرو

☆☆☆

اس جنگل کے نیارے شاعر
ہم لوگوں کے پیارے شاعر

☆☆☆

جن کے شعر سبھی نے رٹے

جی ہاں وہی میاں دم کٹے

شام کو باغ میں امرودوں کے
مرد، عورت، بوڑھے اور بچے

☆☆☆

آئیں سبھی مشاعرہ ہوگا
عالی شان مظاہرہ ہوگا

☆☆☆

غرض مظفر حنفی کی حیات اور علمی و ادبی خدمات کے اس مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی اردو ادب کے لئے وقف کر دی تھی اور ان کی پوری زندگی پڑھنے اور لکھنے میں صرف ہوئی تھی۔ انہوں نے نہ صرف ادب کو اوڑھنا بچھونا بنایا بلکہ تراجم اور صحافتی میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ وہ عصر حاضر کے ممتاز شعراء میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی پسندیدہ صنف غزل ہی رہی۔ اپنی تخلیقی صلاحیتوں، ناقدانہ بصیرت اور وسعت مطالعہ کی بدولت جدید اردو شعراء کی فہرست میں نمایاں مقام بنایا اور اپنی شاعری کے کئی مجموعے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ نہ صرف شاعری بلکہ نثر کے میدان میں بھی ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے افسانے، ڈرامے، بچوں کی کہانیاں لکھ کر ادب کے لئے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ وہ گوناگوں صفات کی حامل شخصیت تھی۔ شاعری کی دنیا میں اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کرانے کے ساتھ ساتھ تحقیقی اور تنقیدی میدان کے بھی کامیاب شہسوار ہوئے علاوہ ازیں تدریسی اور انتظامی امور میں بھی انہیں مہارت حاصل تھی۔ مظفر حنفی کی اتنی کتابیں اور ان پر خصوصی رسائل و جرائد کی اشاعت ہی اس بات کو مزید مستحکم بنانے کے لئے کافی ہے کہ ان کا ادب میں اہم مقام ہے اور ادبی دنیا میں اپنے کاز

اورمحنت شاقہ اور جہد مسلسل سے انہوں نے اپنی علیحدہ شناخت بنائی۔ان کی تمام علمی وادبی خدمات کو اردو ادب کبھی فراموش نہیں کرسکتا کیوں کہ انہوں نے ادب کے ایک بے لوث خدمت گزار کی حیثیت سے ادب میں خاموشی سے کام کرتے رہے اور تمام اصناف ادب میں اپنی تخلیقی وماہرانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

وہ عمر کی آخری سانس تک ادب کی خدمت میں مصروف رہے۔۱۰/اکتوبر ۲۰۲۰ء کو اپنے مکان بٹلہ ہاؤس نئی دہلی میں مظفر حنفی نے آخری سانس لی اور ہمیشہ کے لئے اردو ادب کا یہ جگمگاتا ستارہ غروب ہوگیا،مگر ان کی کتابیں اور ان کے کارنامے اردو ادب میں ان کے نام کو ہمیشہ روشن رکھیں گے۔

☆☆☆

کتابیات

کتابیات

مظفرحنفی کی کتابیں

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف/مرتب	مطبع
1	نقدریزے	مظفرحنفی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی
2	گفتگو: دوبدو	مظفرحنفی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔2013
3	سوالوں کے حصار میں	مظفرحنفی	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی۔2007
4	حلوہ چور	مظفرحنفی	رحمانی پبلیکیشنز، مالیگاؤں۔ناسک مہاراشٹر
5	کھیل کھیل میں	مظفرحنفی	ملک بکڈپو ترکمان گیٹ، دہلی2006
6	کمان	مظفرحنفی	عرشیہ پبلی کیشنز نئی دہلی، 2013
7	تیزاب میں تیرتے پھول	مظفرحنفی	عرشیہ پبلی کیشنز نئی دہلی، 2013
8	ہیرے ایک ڈال کے	مظفرحنفی	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، 2011
9	چل چنبیلی باغ میں	مظفرحنفی	موڈرن پبلیشنگ ہاؤس ترکمان گیٹ، نئی دہلی، 1998
10	میر تقی میرؔ (مونوگراف)	مظفرحنفی	اردو اکادمی، دہلی۔2009
11	منتخبات شاد عارفی (منتخب غزلیں اور نظمیں)	مظفرحنفی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔2015
12	مضامین تازہ	مظفرحنفی	موڈرن پبلیشنگ ہاؤس ترکمان گیٹ ،نئی دہلی ، 2010
13	آزادی کے بعد دہلی میں اردو طنز و مزاح	مظفرحنفی	اردو اکادمی، دہلی۔2003

14	جہات وجستجو	مظفرحنفی	لبرٹی آرٹ پریس، دریا گنج، دہلی۔1982
15	تنقیدی نگارشات	مظفرحنفی	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی۔2014
16	ہندوستان اردو میں	مظفرحنفی	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی۔2007
17	وضاحتی کتابیات	مظفرحنفی	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی۔2009
18	بھولی بسر کہانیاں	مظفرحنفی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔2013
19	کچھ انٹرویو	مظفرحنفی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔2019
20	جدیدیت تجزیہ وتفہیم	مظفرحنفی	نسیم بکڈپو لکھنؤ1985

معاون کتابیں

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف/مرتب	مطبع
19	تعریفات	مفتی منظور عالم	مکتبہ نعیمیہ، دہلی
20	ترجمے کا فن	ڈاکٹر مرزا حامد بیگ	کتابی دنیا، دہلی
21	من شاہ جہانم	مفتی اعجاز ارشد	کتاب خانہ نعیمیہ، دیوبند
22	چہار مقالہ	ڈاکٹر ذیشان حیدر	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2016
23	اردو ادب اور ترجمہ نگاری	جاوید کمال	دکن ٹریڈرس حیدرآباد
24	ادب اور صحافتی ادب	پروفیسر خالد محمود	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، دسمبر، 2012
25	مظفر حنفی ، حیات شخصیت اور کارنامے	ڈاکٹر محبوب راہی	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 1987
26	ریسرچ کیسے کریں	ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی	شاد پبلی کیشنز، جامعہ نگر نئی دہلی، 9190
27	المنجد	مولانا عبدالحفیظ بلیاوی	فرید بکڈپو، نئی دہلی

28	القاموس الجدید	مولانا وحید الزماں کیرانوی	فرید بکڈپو دہلی 2009
29	لغات کشوری	مولوی سید تصدق حسین	رضا اکیڈمی، ممبئی 2010
30	فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی 2014
31	مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی	محبوب راہی	عرشیہ پبلی کیشنز نئی دہلی، 2013
32	شارب ردولوی ،شخصیت اور تنقید نگاری	ڈاکٹر عرشیہ جبین	ڈاکٹر عرشیہ جبیں، زیبا باغ، حیدرآباد۔2005
33	تاریخ ادبیات عربی	ڈاکٹر سید ابوالفضل	انجمن فیضان ادب، حیدرآباد۔2009
34	مظفر حنفی شخصیت اور فن	سیفی سرونجی	سیفی لائبریری، سرونج، مدھیہ پردیش
35	اصناف ادب اردو	ادارہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، علی گڑھ
36	آزادی کے بعد اردو ڈرامہ	ڈاکٹر شمیم النساء	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، علی گڑھ 2008
37	اردو ڈرامافن اور منزلیں	وقار عظیم	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، علی گڑھ 2005
38	انوکھا شخص و شاعر	فیروز مظفر	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی۔2021
39	جامع اردو انسائیکلو پیڈیا	(جلد اول ادبیات)	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی 2003
40	ترجمہ کا فن اور روایت	ڈاکٹر قمر رئیس	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
41	مظفر حنفی ایک مطالعہ	فیروز مظفر	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج نئی دہلی۔1999
42	رہبر اخبار نویسی	سید اقبال قادری	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی 2008
43	مظفر حنفی حیات و جہات	فیروز مظفر	فرید بکڈپو، پرائیویٹ لمٹیڈ، دہلی 2014

44	دی آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری	شان الحق حقی	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، 2003
45	دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری	مولوی عبدالحق	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، 2001
46	نوراللغات	مولوی نورالحسن	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، 1998
47	دکنی ادب کی تخلیقی خصوصیات	پروفیسر مجید بیدار	تخلیق کار پبلشرز، نئی دہلی۔2021
48	اردو کا پہلا ڈرامہ	اخلاق اثر	بھوپال بک ہاؤس۔9187
49	ادب کا مطالعہ	اطہر پرویز	اردو گھر علی گڑھ، 1986
50	اردو ڈرامہ تاریخ و تنقید	عشرت رحمانی	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1995
51	اردو تنقید پر ایک نظر	کلیم الدین احمد	پٹنہ، بک ایمپوریم پٹنہ 1983
52	اردو تحریک	آل احمد سرور	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1999
53	اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ	سنبل نگار	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 2010
54	اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ	سنبل نگار	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 2010
55	اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک	خلیل الرحمٰن اعظمی	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1979
56	تنقیدی دبستان	ڈاکٹر سلیم اختر	عاکف بکڈپو نئی دہلی۔2003
57	تنقیدی نظریات	سید احتشام حسین	ادارہ فروغ اردو لکھنؤ۔1980
58	جدید اردو تنقید اصول و نظریات	شارب رودولوی	اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ۔2002

59	جدیدیت کل اور آج	شمس الرحمٰن فاروقی	نئی کتاب پبلشرز، الہ آباد، 2007
60	جدیدیت ایک ہمہ پہلو محاسبہ	نریش ندیم	مکتبہ جدید دریا گنج دہلی، 2001
61	جدیدیت کے بعد	گوپی چند نارنگ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2005
62	روبرو ریڈیو انٹرویو کا مجموعہ	محمد شکیل اختر	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی، 2012
63	یہ کس کا خواب تماشا ہے	خالد جاوید	عرشیہ پبلیکیشنز دہلی 2014
64	محمد حسین افکار و اسالیب	عبدالحق	اردو اکادمی، دہلی 2011
65	معاصر اردو تنقید مسائل و میلانات	شارب ردولوی	اردو اکادمی، دہلی 2006
66	معاصر اردو غزل مسائل و میلانات	قمر رئیس	اردو اکادمی، دہلی 2006
67	نئی تنقید	جمیل جالبی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی۔
68	نظر اور نظریے	آل احمد سرور	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی 1982
69	مولانا آزاد: ایک ہمہ جہت شخصیت	شجاعت علی راشد	مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد۔ 2006
70	نئے ڈرامے	ڈاکٹر محمد حسن	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔
71	تحقیق کا فن	ڈاکٹر گیان چند جین	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
72	اصول تحقیق و ترتیب متن	ڈاکٹر تنویر احمد علوی	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی 2009
73	جدیدیت تجزیہ و تفہیم	مظفر حنفی	نسیم بکڈپو، لکھنو 9185
74	مظفر کے نام (اول)	فیروز مظفر	مظفر حنفی میموریل سوسائٹی، دہلی۔ 2021
75	مظفر کے نام (دوم)	فیروز مظفر	مظفر حنفی میموریل سوسائٹی، دہلی۔ 2021

76	چراغ تلے سے آب گم تک	مجتبیٰ حسین	ایجوکیشنل بکڈپو نئی دہلی 2003
77	انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا		شکاگو74-1973
78	تحقیقات وتأثرات	پروفیسر محمد علی اثر	حیدرآباد،2008
79	فن تنقید اور اردو تنقید نگاری	پروفیسر نورالحسن	ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2010
80	اردو ادب کی فن تاریخ	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	لاہور،2003
81	تنقیدی جائزے	سید احتشام حسین	الہ آباد،1951
82	اردو تنقید کا ارتقاء	ڈاکٹر عبادت بریلوی	ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2006
83	اردو ادب کی تاریخ	عظیم الحق جنیدی	ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2007
84	وہ جو شاعری کا سبب ہوا	کلیم عاجز	طوبیٰ پبلیکیشنز،حیدرآباد،1996
85	اردو میں خودنوشت :فن و تجزیہ	ڈاکٹر وہاج الدین علوی	شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی،1989
86	بیسویں صدی میں اردو ادب	ڈاکٹر مظہر مہدی حسین	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2002
87	اردو میں خودنوشت سوانح حیات	ڈاکٹر صبیحہ انور	نامی پریس لکھنؤ،1982
88	اپنی تلاش میں	پروفیسر کلیم الدین احمد	بہار اردو اکیڈمی پٹنہ، 1975
89	اردو غزل کا استعاراتی نظام	پروفیسر مظفر علی شہ میری	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی اکتوبر 2021
90	اردو کی نظریاتی تنقید: پس منظر و پیش منظر	ڈاکٹر عرشیہ جبین	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی اکتوبر 2021

91 مظفر حنفی: فن، شخصیت اور خطوط — شکیل اعجاز — شکیل اعجاز، مومن پورہ آکولہ مہاراشٹر، 2021

92 مکتوبات داراشکوہ وبنام داراشکوہ — پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی — تنویر پبلیکیشنز، حیدرآباد۔2022

رسائل وجرائد

93 سہ ماہی مژگاں — نوشاد مومن — مژگاں پبلی کیشنز، ۸۵ توپسیا روڈ، کولکاتا۔2006

94 سہ ماہی بیسویں صدی — ڈاکٹر شمع افروز زیدی — جولائی تا دسمبر 2011۔ نئی دہلی

95 سہ ماہی روشنائی — احمد زین الدین، نکہت بریلوی — نثری دائرہ کراچی، پاکستان۔2006

96 ماہنامہ زبان وادب — عظیم اللہ انصاری — بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ۔2021

97 ادبستان — دانش اثری — مئوناتھ بھنجن، اتر پردیش۔2022

98 سہ ماہی فیضان — فیضان حیدر — مئوناتھ بھنجن، اتر پردیش۔2022

99 ریختہ ڈاٹ کام — سنجیو صراف — نئی دہلی

100 ماہنامہ اردو دنیا — شیخ عقیل — قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی 2022

101 نقوش آپ بیتی نمبر — طفیل احمد — لاہور، پاکستان 1964

102 ماہنامہ قومی زبان — ڈاکٹر محمد غوث — تلنگانہ اردو اکیڈمی، حیدرآباد، تلنگانہ 2021

103 چہارسو — سید ضمیر الدین جعفری — راولپنڈی، پاکستان 2006

104 سہ ماہی سفیر اردو — سید معراج جامی — لیوٹن، برطانیہ، 2013

105 ماہنامہ نئے چراغ — مظفر حنفی — کھنڈوہ مدھیہ پردیش، 1959ء

ماہنامہ
قومی زبان
حیدرآباد
تلنگانہ اسٹیٹ اردو اکیڈیمی کا علمی، ادبی، لسانی، فنی و سائنسی جریدہ

ISSN 2321-4627

نومبر 2016ء November

مولانا ابوالکلام آزاد

قرینہ

ہم کلامی	:	پروفیسر ایس اے شکور	6
مضامین			
متعلقات ترجمان القرآن اور ابوالکلام آزاد	:	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	7
مولانا ابوالکلام آزاد کی عصری معنویت	:	مجید صدیقی	12
مولانا آزاد اور الہلال	:	ڈاکٹر سید فضل اللہ مکرم	19
مولانا ابوالکلام آزاد کا فلسفہ زندگی	:	ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی	23
آزاد شناسی کے لوازم اور فکرِ آزاد کی عصری معنویت	:	ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری	28
خاقانی ۔۔مولانا آزاد کی نظر میں	:	پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی	33
مولانا ابوالکلام کے تعلیمی نظریے	:	ڈاکٹر ایس محمد یاسر	43
مولانا آزاد کی صحافتی علمی و ادبی خدمات	:	ڈاکٹر رضوانہ بیگم	47
مولانا آزاد کی نگاہ میں عورت کا مقام	:	ڈاکٹر نشاط احمد عمری	51
مولانا آزاد اور ان کے سیاسی افکار	:	محمد خوشتر	63
مولانا ابوالکلام آزاد ایک عظیم شخصیت	:	محمد عبدالحمید خان	67
منظوم خراج عقیدت	:	ڈاکٹر مسعود جعفری	70
ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا نقیب، مولانا ابوالکلام آزادؒ	:	ڈاکٹر سید عروج احمد	71
مولانا ابوالکلام آزاد بہ حیثیتِ صحافی	:	ڈاکٹر محمد نثار احمد	76
مولانا ابوالکلام آزاد کا تصور سماج و تہذیب	:	ڈاکٹر شیخ عبدالکریم	80
مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت وزیر تعلیم	:	اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ	94

((o))

محمد خوشتر
ریسرچ اسکالر یونیورسیٹی آف حیدرآباد ۔

مولانا آزاد اور ان کے سیاسی افکار

مولانا ابو کلام آزاد کے سیاسی افکار کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اول ملک کی آزادی دوم قومی اتحاد سوم دو قومی نظریہ اور چہارم بین الاقوامی سیاست، آگے ہم ان کا مختصر جائزہ لیں گے۔

آزادی کے بارے میں مولانا آزاد کے خیالات :۔

آزادی کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا لکھا کیا کہا ہم یہاں پیش کرتے ہیں ۔مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفتہ وار الہلال کی اشاعت کا مقصد مذہبی کے ساتھ سیاسی بھی تھا۔ کیوں کہ ہندوستان کی آزادی ہندوستان اور مسلمانوں کیلئے کیا معنی رکھتی ہے، اس تعلق سے انہوں نے الہلال ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲: کے شمارہ میں اپنے قلم وفکر کی جولانی دکھاتے ہوئے صفحہ قرطاس پر قلم یوں رقم ہو اتھا۔

''ہندوستان کیلئے ملک کی آزادی کیلئے جدوجہد داخل حب الوطن ہے لیکن مسلمانوں کیلئے یہ ایک فرض دینی اور داخل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ نے ان کو اپنی راہ میں مجاہد بنایا ہے اور جہاد کے معنی پر وہ کوشش داخل ہے جو حق وصداقت اور انسانی بند واستبداد غلامی کو توڑنے کیلئے کی جائے۔ (بحوالہ مولانا آزاد کا سیاسی تدبیر ۱۰۴۔ ڈاکٹر وہاب قیصر)

دراصل مولانا آزاد کے یہاں آزادی کے حصول کیلئے ہر ممکن کوشش کیساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی اس کی طرف راغب کرنے اور ملک کی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لئے انہوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ آزاد نے تحریر وتقریر سے مسلمانوں میں حب الوطنی اور آزادی کیلئے جوش بھرامنگیں بڑھائیں' جذبات کو پروان چڑھایا۔ الغرض ہر طرح سے ملک کی آزادی کیلئے مسلمانوں کو جگایا' بیدار کیا اور آگے بڑھایا تو ساتھ ہی ساتھ ہندو مسلم اتحاد کیساتھ ملک کے مستقبل کو دیکھا۔ مولانا آزاد کیلئے ایک موقع ایسا آیا کہ وہ مخالفین کو مسکت جواب دینے میں کامیاب ہی نہیں رہے بلکہ مخالفین سے موافقین اور مسلمانوں کے تئیں بھلائی کا جذبہ بھی بیدار کرنے میں کامیاب ہوگئے' اس کو ہم مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے کے مضمون بنام مولانا آزاد کی سیاسی بصیرت سے اس طرح وضاحت کر سکتے ہیں کہ ''ان کے لئے کارواں سازی کا پہلا موقع لارڈ کرزن کی تقسیم بنگال کی تجویز نے فراہم کیا۔ مولانا بنگال کے انقلابیوں سے ملے، رفتہ رفتہ ان سے قریب ہوئے، انگریزوں کے رویے کے سبب شروع شروع میں وہ

مسلمانوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ مولانا نے انہیں یقین دلانا چاہا کہ مسلمان من حیث الجماعت ان کے دشمن نہیں۔ اگر کوشش کی جائے تو مسلمان جدوجہد آزادی میں شریک ہوجائیں گے۔ مولانا نے انہیں سمجھایا، اگر مسلمان تحریک کی مخالفت میں سرگرم یا سیاسی تحریک سے بے تعلق بھی رہے تو آزادی کا حصول دشوار ہوجائے گا۔ اس لئے انقلابیوں کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ اس جماعت کی تائید اور دوستی حاصل کریں۔ ابتداءً انقلابیوں کو یقین نہ دلایا جاسکا کہ مولانا کی سیاسی تشخیص صحیح ہے لیکن رفتہ رفتہ کچھ انقلابی ان کے ہم خیال ہوگئے۔ اب مولانا نے مسلمانوں میں کام کرنا شروع کیا اور نوجوانوں کی ایک جماعت کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ یوں کہیں کہ سیاسی منصوبوں کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے تیار کرلیا۔ (بحوالہ مولانا ابوالکلام آزاد، فکروعمل کے چند زاویے، ص ۲۱۹۔۲۱۸)

قومی اتحاد: قرب آزادی میں قومی اتحاد، ملی اتحاد، لسانی اتحاد، اور علاقائی اتحاد غرض ہر طرح کا اتحاد ضروری ہی نہیں بلکہ اشد ضروری تھا، چونکہ مقصد ملک سے انگریزوں کا انخلاء تھا اس کے لئے پالیسی اور حکمت عملی کے ساتھ ساتھ مذہب، وطن، قوم، علاقہ ہر طرح کا اتحاد ضروری تھا اور میرے خیال میں اس اتحاد میں سب سے آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں میں سے ایک مولانا آزاد کی شخصیت تھی اور کیوں نہ ہو کہ مقصد اعلیٰ تھا، خیال بلند تھا اور پرواز اونچی، بایں وجہ اپنی تحریروں، تقریروں سے یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ اگر متحد ہوگئے تو ہندوستان میں آزادی یقینی ہے۔ بقول شاعر:

متحد ہو تو بدل سکتے ہو زمانے کا نظام
منتشر ہو تو مرو شور مچاتے کیوں ہو

الغرض مولانا نے اپنی ساری قوت وطاقت اور علم وحکمت اس متحدہ پلیٹ فارم کے لئے جھونک دی اور ان کا یہ بلند بانگ صدائے دل تحریر کی صورت میں ہمیشہ ہمیں جگاتی اور بیدار کرتی رہے گی۔ ایک عظیم موقع پر مولانا نے انڈین نیشنل کانگریس کے جلسہ میں ہندو مسلم اتحاد پر اپنے پرمغز خطاب میں کہا تھا:

''ہندو مسلم اتحاد ہماری تعمیرات کی وہ پہلی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ صرف ہندوستان کی آزادی کی وہ تمام باتیں جو کسی ملک کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لئے ہوسکتی ہیں محض خواب وخیال ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ اسکے بغیر ہمیں قومی آزادی نہیں مل سکتی بلکہ اس کے بغیر ہم انسانیت کے ابتدائی اصول بھی اپنے اندر پیدا نہیں کرسکتے۔ آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں میں سے اتر آئے اور دہلی کے قطب مینار پر کھڑے ہوکر یہ اعلان کردے کہ سوراج چوبیس گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندوستان، ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار ہوجائے تو میں سوراج سے دستبردار ہوجاؤں گا مگر اس سے دستبردار نہ ہوں گا۔ کیونکہ اگر سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالم انسانیت کا نقصان ہوگا۔ (بحوالہ خطبات آزاد، مالک رام، ص ۲۰۵)

مذکورہ بالا واقعات سے ہندو مسلم اتحاد اور اس میں مولانا کی لگن اور محنت و محبت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور بس۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے متحدہ قومیت کا نظریہ جس زور اور قوت کے ساتھ پیش کیا اور اسے ملک کے عوام وخواص میں رائج کرنے کے لئے تمام تر ذہنی، علمی وفکری اور استدلالی صلاحتیں بروئے کار لائیں یہ انہیں کا حصہ تھا۔

دوقومی نظریہ: مولانا ابوالکلام آزاد مسلمانوں میں اتحاد اور اخوت و محبت چاہتے تھے تو ساتھ ہی ساتھ وہ ہندو پاک کی تقسیم کو سرے سے خارج کرتے تھے اور ہندو پاک میں بالکل تقسیم نہ چاہتے تھے۔ مگر جب مولانا آزاد نے دیکھا کہ ملک کی تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے۔ آزاد لاکھ اس کے مخالف رہے ہوں لیکن انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اس انہونی کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ بایں وجہ مسلمانوں کے نام 15/اپریل 1946ء کو ایک عظیم بیان جاری کیا تھا جس سے مولانا کے ہندو پاک کی تقسیم کی مخالفت میں دل و جان سے شریک دیکھا جا سکتا ہے۔

''اب ہندوستان کی تقسیم ایک حقیقت بن گئی ہے۔ دس سال پہلے میں نے جو کہا تھا وہی ہوا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ پاکستان کا نام ہی حلق سے نہیں اترتا۔ میں نے قطعی رائے ظاہر کی ہے اور اب بھی کہوں گا کہ پاکستان کی اسکیم پر ہر پہلو سے غور کیا ہے اور خاص طور سے اس پر بھی کہ اس کا اثر مسلمانوں کے مستقبل پر کیا پڑے گا۔ یہ مسلمانوں کے لئے سخت نقصاندہ مسائل کھڑا کر دے گی۔ اور پاک و ناپاک علاقوں کی یہ تقسیم سراسر غیر اسلامی ہے بلکہ اسلام سے انحراف ہے۔ اسلام ایسی کسی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ جبکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا نے پوری دنیا کو میرے لئے مسجد بنایا ہے۔ اس کے علاوہ بھی پاکستان کی اسکیم شکست کی علامت ہے۔'' (مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری، بحوالہ مولانا ابوالکلام آزاد فکر و عمل کے چند زاویے، ص ۱۰۹)

مولانا محترم ملک کی تقسیم سے پیدا شدہ صورتحال کو اپنی دوربین نگاہوں سے دیکھ رہے تھے تبھی تو ایک موقع پر اتر پردیش کی سرزمین سے پاکستان جانے والے ایک قافلہ سے محو گفتگو ہو کر جو خدشات، تکلفات اور دلدوز واقعات اور اندوہناک سانحہ کی تصویر کشی کی تھی۔ انہی کی زبان میں ملاحظہ کریں:

''آپ مادر وطن چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ آپ نے سوچا اس کا انجام کیا ہوگا؟ آپ کے اس طرح فرار ہوتے رہنے سے ہندوستان میں بسنے والے مسلمان کمزور ہو جائیں گے اور ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے جب پاکستان کے علاقائی باشندے اپنی اپنی جداگانہ حیثیتوں کا دعویٰ لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچ اور پٹھان خود کو مستقل قومیں قرار دینے لگیں۔ کیا اس وقت آپ کی پوزیشن پاکستان میں بن بلائے مہمان کی طرح نازک اور بے کسانہ نہیں رہ جائے گی؟ ہندو آپ کا مذہبی مخالف تو ہو سکتا ہے، قومی اور وطنی مخالف نہیں۔ آپ اس صورتحال سے نمٹ سکتے ہیں۔ مگر پاکستان میں آپ کو کسی بھی وقت قومی اور وطنی مخالفتوں کا

سامنا کرنا پڑے گا، جس کے آگے آپ بے بس ہو جائیں گے۔ (ایضاً، ص ۱۰۹۔۱۱۰)

واقعی مولانا کے دل کی یہ صدا تھی اور دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ آج جو کچھ پاکستان میں ہو رہا ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ یقیناً مولانا کی نظریں مستقبل کو دیکھ رہی تھیں اور زبان سے وہی ادا ہو رہا تھا جو کہ ہونے والا تھا۔ بس سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں' جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور بس۔

بین الاقوامی سیاست پر مولانا آزاد کا نظریہ: دوسری جنگ عظیم کے موقع پر جبکہ برطانیہ پر جنگ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا' ہندوستان کی جنگ میں شمولیت ضروری سمجھی جا رہی تھی اور ایسے وقت میں ہندوستان میں صدر کانگریس کے عظیم عہدہ پر فائز عظیم القدر مدبر و مدبر اور سیاست داں آزاد براجمان تھے۔ ایسے نازک حالات اور سنگین گھڑی میں ان کی دور بینی، مستقبل شناسی اور معاملہ فہمی سے ان کی بین الاقوامی سیاست پر پکڑ اور نظر و نظریہ کو اچھی طرح واضح کرتا ہے اور انگریزی سرکر پس جو پیشے سے وکیل تھے کی مکاری و چالاکی کا جس نہایت متانت اور سنجیدگی سے جواب دیتے ہیں یہ مولانا کی ہی شان ہے اور پورے معاملہ کو انہوں نے گویا چٹکی میں حل کر دیا۔ ۱۹۰۸ء کی ابتداء میں مولانا نے عراق، شام، ترکی اور مصر کا دورہ کیا اور ان ملکوں کے جمہوریت پسند اور آزادی کے خواہاں زعماء و قائدین سے تعارف و تعلق پیدا کیا۔ یہ تعارف، تعلق اور رابطہ نے ابوالکلام آزاد کے فکری و عملی موقف کو مزید تقویت بہم پہنچائی جیسا کہ اس کے متعلق مولانا رقمطراز ہیں:

'' کلکتہ چھوڑنے سے پہلے میں سیاسی خیالات کے اعتبار سے انقلابی سرگرمیوں کی طرف مائل عمل ہو چکا تھا۔ جب میں عراق گیا تو وہاں چند عراقی انقلابیوں سے ملاقات ہوئی۔ مصر میں مصطفیٰ کمال پاشا کے کچھ پیروؤں سے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ینگ ٹرکش گروپ سے بھی ملا جس نے قاہرہ میں اپنا مرکز قائم کیا تھا اور وہاں سے ایک ہفتہ وار اخبار شائع کرتا تھا۔ جب میں ترکی گیا تو ینگ ٹرکش تحریک کے چند لیڈروں سے دوستی ہو گئی۔ ہندوستان واپس آنے کے کئی سال بعد تک میری ان کی خط و کتابت جاری رہی۔ (ہماری آزادی: بحوالہ مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے، ص ۲۳۱)

الغرض اتنی گفتگو کے بعد مولانا آزاد کی سیاسی بصیرت اور قائد و سیاست داں ابوالکلام آزاد کی کچھ نہ کچھ جھلک تو قارئین محسوس کر ہی لیں گے لیکن میری ناقص رائے میں مولانا آزاد کی سیاسی قائدین و رہنما میں وہی حیثیت ہے جو بقول پروفیسر عابد پشاوری '' جو بینکوں میں ریزرو بینک کی ہے۔ ریزرو بینک، بینکوں کا بینک ہے۔ مولانا آزاد لیڈروں کے لیڈر ہیں''۔ مولانا کے خیالات و نظریات اور آراء کا سبھی لیڈران احترام و قدر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی بار جب تحریک میں تعطل کی کیفیت پیدا ہوئی تو مولانا نے اسے نہ صرف توڑا بلکہ تحریک کو از سر نو فعال بنانے اور آگے بڑھانے میں بھی کامیاب ہوئے۔

☆☆☆

قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ
www.urducouncil.nic.in

مئی 2022 قیمت 15 ₹

ماہنامہ اُردو دُنیا

نئی دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

ماہنامہ اُردو دُنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ

جلد:24، شمارہ:05، مئی 2022

مدیر : ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مشیر : حقانی القاسمی

معاونین: عبدالرشید اعظمی، یوسف رامپوری، نایاب حسن

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت تعلیم، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع:

ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا

فیز-II، نئی دہلی-110020

مقام اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

کمپوزنگ: محمد اکرام

ڈیزائننگ: محمد زید

قیمت-/15 روپے سالانہ -/150 روپے

Total Pages:100

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں
- ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا جمولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000 شعبۂ ادارت: 49539009

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

E-mail: editor@ncpul.in

urduduniyancpul@yahoo.co.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم، نئی دہلی۔110066

فون: 26109746، فیکس: 26108159

ای میل: sales@ncpul.in

شاخ:110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد۔500002

فون: 040-24415194

مشمولات

اداریہ

ہماری بات 4

خطوط

ربط و التفات قارئین کے خطوط 5

زبان و تعلیم

ابتدائی مرحلے میں اردو زبان کی تدریس

مقاصد، مسائل اور امکانات مظفر اسلام 7

ادب: زاویے اور جہات

عشق... کل اور آج محمود شیخ 9

سنت شاعرہ: بہینا بائی بانو سرتاج 14

مقدمۂ دیوان فانی گورکھپوری

ایک تجزیاتی مطالعہ محسن علی 16

منظر کاظمی کے افسانوں میں سماجی

اور سیاسی حالات کی عکاسی احسان عالم 20

1950 کے بعد اردو نظم کا رجحان محمد شاہد 23

قیصر تمکین کی افسانہ نگاری فیضان الحق 27

لسانیات

کیتھی رسم الخط کا نوحہ زبیر احمد بھاگلپوری 30

خراج عقیدت

مجروح کی غزل کے چند امتیازی پہلو غلام نبی کمار 32

شمع عرفان

گیتا کا اردو ترجمہ

انور جلالپوری کے حوالے سے سعود عالم 35

لعل و گہر

جاں نثار اختر وسیم فرحت 38

نگر نگر اردو

سمری، بختیار پور کا علمی، ادبی منظر نامہ محمد خوشتر 42

سلسلہ صحافت

مشرقی علوم کے فروغ میں

منشی نول کشور کی خدمات شکیل احمد 45

اودھ کا باباے صحافت: منشی نول کشور سفیان احمد انصاری 47

جنھیں ہم نے بھلا دیا

کیرالہ کی واحد ناول نگار زلیخا حسین کے پی شمس الدین 51

خصوصی گفتگو

زبانیں محبت کا درس دیتی ہیں سعید رحمانی 53

نیا آسماں نئے ستارے

دلیپ سنگھ بحیثیت مزاح نگار محمد امین نجار 55

کتابوں کی دنیا

تعارف و تبصرہ ادارہ 57

خبر نامہ

اردو دنیا کی خبریں ادارہ 67

سمری بختیار پور کا علمی، ادبی منظر نامہ

محمد خوشتر

سمری بختیار پور علاقے کی اہم اور معتبر شخصیت جو اپنے آپ میں انجمن تھی اور ہر کوئی انھیں اپنا رہبر و رہنما تسلیم کرتا تھا۔ 90 کی دہائی سے قبل جتنے بھی مسلم پڑھے لکھے ہیں سب کسی نہ کسی طرح ان کے شاگرد رہے ہیں اور ان کا علاقے پر احسان عظیم بھی ہے اگر ایسی شخصیت کا تذکرہ نہ کیا جائے تو تعارف سمری بختیار پور بالکل ادھورا رہ جائے گا۔

سہرسہ شہر ضلع سہرسہ کا انتظامیہ ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ کوسی ڈویژن کا ایک حصہ اور کوسی کمشنری کا ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ اسے 1/اپریل 1954 کو ضلع بنایا گیا تھا۔ سہرسہ سے ایک ضلع 1981 میں مدھے پورہ نام سے بنایا گیا۔ سہرسہ پہلے لوک سبھا حلقہ ہوا کرتا تھا مگر اب یہ سوپول، مدھے پورہ اور کھگڑیا لوک سبھا حلقے میں تقسیم ہو گیا ہے۔

سمری بختیار پور کی جانی مانی شخصیت، مشہور و معروف سیاسی قائد اور زمیندار نواب چودھری محبوب علی قیصر صاحب ہیں، ان کے والد چودھری صلاح الدین حکومت بہار میں وزارت کی ذمے داری بھی نبھا چکے ہیں، 90 کی دہائی میں چودھری محمد صلاح الدین مالک حقیقی سے جا ملے۔

سمری بختیار پور علاقے کی اہم اور معتبر شخصیت جو اپنے آپ میں انجمن تھی اور ہر کوئی انھیں اپنا رہبر و رہنما تسلیم کرتا تھا۔ 90 کی دہائی سے قبل جتنے بھی مسلم پڑھے لکھے ہیں سب کسی نہ کسی طرح ان کے شاگرد رہے ہیں اور ان کا علاقے پر احسان عظیم بھی ہے اگر ایسی شخصیت کا تذکرہ نہ کیا جائے تو تعارف سمری بختیار پور بالکل ادھورا رہ جائے گا۔ میری مراد حافظ و قاری مفتی عبدالرشید صاحب قبلہ چھپراوی سے ہے۔ مفتی صاحب نے تقریباً چالیس سال تک مدرسہ انوار العلوم قادریہ سریلہ میں دینی و علمی اور فتاویٰ نویسی کی اہم ذمے داری نبھائی ہے۔

علاقے کے یہ چند گاؤں علمی، ادبی اور قومی و مذہبی خدمات کے لیے سہرسا ضلع میں بڑی شہرت رکھتے ہیں مخدوم چک (سمستی پور) اور اشرف چک (میاں چک) چکنی، بھاداڑ، سمری، بھٹونی، نگلماں، تریانواں، نصرت پٹکلہ، بھٹارہ، پہاڑ پور، رگھنیاں، سمستی پور، جتنہاری، کھتوا، بتھمنڈل، لیشٹری، کسبی، قاسم پور، نولوا، پہلام، گچھمنیاں، گھیڑ دوڑ، پوربنی، میار کپور، گورگانواں، پھنساہا، منگل ٹولہ، ہریوا، گجر ڈیہ، سوپورہ، کھوتی اور سمری بختیار پور ہیں۔

سمری بختیار پور علاقے کے علما اپنی علمی و فکری صلاحیتوں سے بڑے بڑے اداروں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دیوبند سے تعلق رکھنے والے علما، دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم، سہیل السلام، المعہد الحالی، دارالعلوم حیدرآباد اور امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ میں اپنے علم و فکر، درس و تدریس سے طلبا کو پروان چڑھا رہے ہیں تو بہت سے اہل علم علما، اخبارات و رسائل سے منسلک ہو کر صفحات میں بھی نکھار رہے ہیں۔ مثال کے طور پر مفتی شاہد قاسمی (بھٹونی)، مولوی نثار احمد حصیر القاسمی (مبارکپور) اور مظفر سعیدی (میار کپور) نوشاد نوری بھٹپورہ، ڈاکٹر شمشاد قاسمی کی رنگینیاں کا نام لیا جا سکتا ہے۔

بہت سے علما کی اپنی علمی فکری تدریسی اور انتظامی صلاحیتوں سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دینی فرائض کی اہم ذمے داری کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ الحاج مولانا ممتاز احمد اشرفی مصباحی جامعہ شمس العلوم گھوسی متواتر پردیش میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہیں۔ 'مصافحہ و معانقہ کی شرعی حیثیت' 'مسلم معاشرہ اور جہیز کی تباہ کاریاں' آپ کی تحریر کردہ کتابیں ہیں۔ مولانا مفتی فی الحال شیخ احمد کھٹو احمد آباد، گجرات میں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مفتی شبیر احمد اشرفی مصباحی (ظاہر پی) مفتی اعظم گجرات کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ شیخ احمد کھٹو کے ناظم و مہتمم کے ساتھ ہی ساتھ شاہی جامع مسجد احمد آباد کے امام و خطیب بھی ہیں۔ مولانا طبیب الدین اشرفی مصباحی مرحوم 'سیرت اشرفی' 'نور شرح ماتمال الاشرف' کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ تفسیر میں اچھی دسترس رکھتے تھے، اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مفتی شمشاد مصباحی لیشٹری سے تعلق رکھتے ہیں کئی کتابوں کے مصنف ہیں

سیرت اشرفی اور شرح ماقال الاشرف کے علاوہ کئی
ں کے مصنف ہیں۔ تفسیر میں اچھی دسترس رکھتے
ہے، آپ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ مفتی شمشاد مصباحی
نظہری سے تعلق رکھتے ہیں کئی کتابوں کے مصنف ہیں
مدھیہ پردیش میں اپنی صلاحیت کے جواہر لٹا رہے ہیں۔

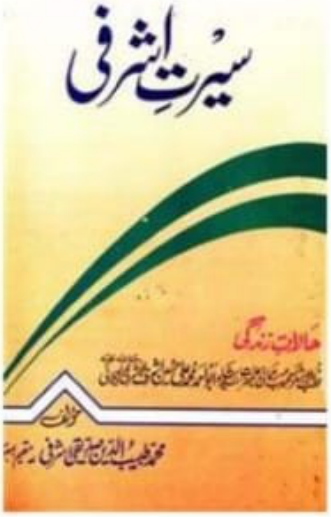

لحجر لباسے تعلق رکھنے والے مولانا داؤد حسین اشرفی مصباحی مرحوم دارالعلوم عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سٹی میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے عہدے پر فائز تھے۔ مولانا نور عالم نور مصباحی کا تعلق گھوڑ دوڑ گاؤں سے ہے اور فی الحال امیر کاپور چھتیس گڑھ میں علمی و دینی فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اس سے قبل جھارکھنڈ اور گجرات کی سرزمین پر بھی انھوں نے اپنے علم سے لوگوں فیضیاب کیا تھا۔ حسن اتفاق کہ شاعری سے بھی شغف رکھتے ہیں اور نور تخلص ہے آیئے ان کی شاعری کے بھی نمونوں کا جائزہ لیتے ہیں اور قلب و وجدان سے محسوس بھی کرتے ہیں۔ نور نے نظمیں بھی لکھی ہیں اور نعت و حمد اور منقبت بھی۔

اگر مدینے میں پڑ جائیں کچھ قدم مخصوص
تو سمجھو تیرے لیے ہو گیا ارم مخصوص
تم اپنے سجدوں کو آوارہ اب نہ ہونے دو
قیام وقعدہ کی خاطر ہوا حرم مخصوص
میں جس سے نعت حبیب خدا لکھوں
مجھے بھی دے میرے معبود وہ قلم مخصوص
نبی کی نظر عنایت جو نور ہو جائے
تو ہوگا تو بھی زمانے میں محترم مخصوص

نور عالم نور مصباحی کے صاحبزادے رضا عالم بھی شاعری کا ذوق رکھتے ہیں ور اصلاح خود والد محترم سے لیتے ہیں، رضا کی ابتدائی شاعری کا نمونہ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

ہر عاشق احمد کے لب پہ یہ ترانہ ہے
اک میں ہی نہیں ان پر قربان زمانہ ہے

مولانا خورشید عالم مصباحی صوفی منش آدمی ہیں اوری میں بابا سے شہرت رکھتے ہیں، ضیاء العلوم اوری متواتر پردیش میں گزشتہ تیس سال سے طلبا کو مستفید کر رہے ہیں، ان کا گورگانواں سے تعلق ہے۔ مولانا یوسفیان مصباحی صاحب دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے پرنسپل تھے منطق وفلسفہ پر عبور رکھتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ہیں۔ ان کی کوئی بھی تصنیف منظر عام پر نہیں آئی ہے، 27 رمضان المبارک 1442ھ کو ان کا حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اچانک انتقال بھی ہو گیا تھا۔ مولانا عبد المصور صاحب مصباحی مدرسہ رؤفیہ دھام نگر اڑیسہ کے صدر المدرسین ہیں، آپ کو عربی خدمات کے صلہ میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوزا جا چکا ہے، اڑیسہ کے علمی و ادبی اور دینی لوگوں میں اپنی انتظامی اور اصلاحی شخصیت کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں اور وہ لوگ آپ کو بڑے مولوی صاحب کے لقب سے پکارتے ہیں۔ مفتی حسیب الدین قادری علمی و تقریری صلاحیتوں کی وجہ سے اپنی شہرت آپ رکھتے ہیں۔ وہ شاعر بھی تھے ان کا کلام کا کوئی دیوان اب تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔ نمونتاً ان کی ایک نعت پیش خدمت ہے۔

کوئی کاش جا کہ کہہ دے سالار کارواں سے
تیری یاد میں تڑپتا کوئی جا رہا ہے جاں سے
کوئی کاش جا کے کہتا رورو کے عرض کرتا
میری دکھ بھری کہانی طیبہ کے میہماں سے
بیمار عشق ہوں میں میری دوا یہی ہے
کچھ خاک لا کے دے دو طیبہ کے آستاں سے
کوئی کاش آ کے کہتا لو آ گیا بلاوا
تیرا اے حسیب عاصی آقا کے آستاں سے

مفتی قاسم مصباحی، مفتی اعظم اڑیسہ کے لقب سے ملقب ہیں۔ مدرسہ رؤفیہ دھام نگر اڑیسہ میں دو دہائی سے دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں، سلجھی اور سنجیدہ تقریر کے لیے جانے جاتے ہیں بہت سے فتاوے ان کے نوک قلم سے تحریر کیے جا چکے ہیں۔ مولانا طاہر حسین مصباحی اشرفی اپنی خوبصورت آواز اور اچھی تقریر کے لیے جانے جاتے ہیں۔ شاعری بھی کرتے ہیں، تخلص عاصی ہے۔ عاصی نے زیادہ تر نعت و منقبت ہی لکھی ہے، وہ بھی ضرورتاً۔ تاہم ان کی شاعری سے ایک نعت بطور مثال دیکھیں۔

کتنے نازک سے گھر میں رہتے ہیں
وہ میری چشم تر میں رہتے ہیں
روح میں وہ بسے ہوئے ہیں مری
بن کے خوشبو جگر میں رہتے ہیں
اس لیے چاند خوبصورت ہے
ان کے جلوے قمر میں رہتے ہیں
اس میں اک گھر نصیب ہو جائے
مصطفیٰ جس شہر میں رہتے ہیں
مجھ سے عاصی کا بھی ٹھکانہ ہے
وہ شفاعت نگر میں رہتے ہیں

مولانا رفیق وارث مصباحی حافظ و قاری ہونے کے ساتھ ہی شاعری کا بھی شغف رکھتے ہیں گذشتہ کئی سالوں سے ساؤتھ افریقہ کی سرزمین پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ رفیق وارث مصباحی عمدہ مقرر بھی ہیں اور اچھے اناؤنسر بھی۔ نام ونمود سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہے ہیں۔ ان کی شاعری سے چند اشعار بطور مثال ملاحظہ فرمائیں۔

کیا بیاں ہو اس زباں سے حسن خوباں آپ ہیں
ہم شبیہ غوث اعظم نور جیلاں آپ ہیں
وارث مسکیں ہے سائل در پہ بخشش کے لیے
ہو کرم سرکار میرے ابر نیساں آپ ہیں

ماسٹر نذیر احمد مرحوم ایک بہترین شاعر تھے اور مشہور و معروف شاعر شکیل بدایونی کے ساتھی تھے، آپ زیادہ تر اپنے ننیہال و سسرال سربیلہ گاؤں میں ہی رہتے تھے۔ ان کا انتقال بھی سربیلہ ہی میں ہوا اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔ نذیر احمد کے زیادہ تر اشعار غیر محفوظ ہیں۔

مولانا ایوب عرف صابر القادری صاحب کا تعلق جھمنڈل گاؤں سے ہے۔ آپ گورنمنٹ ٹیچر رہے ہیں اور فی الحال وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے کے بعد شاعری کرتے ہیں اور علمی و ادبی خدمات میں لگے ہوئے ہیں، انہوں نے مضامین بھی لکھے ہیں، نعتیہ اور حمد پر بھی ان کا قلم چلا ہے وہیں قطعات اور نظمیں بھی تحریر کی ہیں، ان کے کلام میں سے ایک غزل پیش خدمت ہے۔

رات بھر سونے نہ دیتی تھی مسرت عید کی
اس کی تو رہ رہ کے ہوتی دل میں حسرت دید کی
عید پر آئے گا اس کا کر رہے تھے انتظار
وہ نہیں آیا تو پھیکی سی ہے لذت عید کی
کون دیکھے ہے مجھے اس طرح کہ میں ہوں سوچتا
بانٹنا چاہے ہے وہ شاید مسرت عید کی
غیر جب دینے لگے مجھ کو مبارکباد تو
رفتہ رفتہ بڑھ گئی ہے جب تو شہرت عید کی

کون دیکھے ہے کہ کس کے دل میں کیا پنہاں ہے دوست
مجھ کو تو ہر صورت میں ہی ملتی ہے لذت عید کی
عید کے موقع پہ غربا، کا جو رکھتا ہے خیال
اصل میں حاصل ہے اس کو ہی مسرت عید کی
میرے دل میں تو نہاں ہر دم ہے صابر آرزو
کاش مل جائے ہر اک مومن کو برکت عید کی

سمری بختیار پور کے پہلے مسلم جنھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے فزیکس میں پی، ایچ ڈی کی ہے انھیں ڈاکٹر جنید احمد کے نام سے جانا جاتا ہے، جنید صاحب کم گوئی اور سادگی کے لیے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ انتقال سے چند ماہ قبل تک بھی لوگ ریاضی کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کے لیے بلا مذہب وملت ان کے یہاں حاضر ہوتے تھے۔ اسفر فریدی اردو روزنامہ انقلاب کے بہار چیف بیورو ہیں اور اہم موضوع پر ان کے مضامین مختلف اخبارات ورسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ افضل مصباحی اورافسر عالم پی ایچ ڈی کر چکے ہیں اور اول الذکر بنارس ہندو یونیورسٹی میں اردو کے لکچرر ہیں ان کی ایک کتاب 'اردو صحافت آزادی کے بعد' منظر عام پر آچکی ہے۔ ڈاکٹر مرشد اقبال ہریوا گاؤں کے پہلے ایم بی بی ایس ہیں تو نقیب عالم گاؤں کے پہلے انجینئر۔ ابھی ہریوا گاؤں کے اعجاز احمد نے جامعہ ہمدرد سے پی ایچ ڈی کی ہے اور امریکہ میں برسرروزگار ہیں تو جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دلی سے عربی زبان میں حامد رضا قادری پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ اسی طرح سے علاقے کے بہت سے افراد مختلف جامعات میں خدمات انجام دے رہے ہیں، یہاں پر تمام کو شمار کرانا مقصود نہیں بس دو ایک مثال کے لیے کافی ہیں، ڈاکٹر عبدالسلام صاحب بھتمنڈل سے تعلق رکھتے ہیں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی سے منسلک ہیں تو ڈاکٹر محمد علی جوہر کا چکنی سے تعلق ہے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ اردو میں فی الحال پروفیسر اور چیرمین ہیں۔ ڈاکٹر موصوف احمد اشرفی کا تعلق گھوڑ دوڑ کی سرزمین سے ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے بعد روزگار سے منسلک ہوئے اور فی الحال صدر شعبۂ اردو دکنو بہاری مہتو یونیورسٹی دھنباد میں اردو ادب کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔ اشرفی نے ملک کے مختلف جامعات میں تین درجن سے زائد قومی اور بین الاقوامی سمینار میں بحیثیت مہمان مقالہ نگار کے شرکت کی ہے۔ دو کتابیں 'تحقیق وتنقید: سمت و رفتار' اور 'ادب کی تفہیم' پر یوپی اور بہار اردو اکیڈمی نے انعام سے بھی نوازا ہے۔ یوپی، بنگال اور جھارکھنڈ یونیورسٹی کے تقریری اور تحریری

ممتحن کے علاوہ نیشنل سروس اسکیم کے پروگرام آفیسر، رسائل وجرائد کے ایڈیٹوریل ممبر وایڈوائزر بھی رہے ہیں۔ اسی علاقے کے تین طالب علم اپنی اپنی جامعہ میں سیاسی اعتبار سے بھی سرگرم ہیں ابوالفرح شاذلی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تو حامد رضا قادری جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں راقم الحروف (محمد خوشتر) یونیورسٹی آف حیدرآباد میں ہیں۔

نوجوان علما اور فارغین میں سے کچھ اہم کے نام یہ ہیں جو اپنی دینی، علمی وادبی اور سماجی ومعاشی، سیاسی اور فلاحی خدمات سے جڑے ہوئے ہیں۔ مولانا عمان رضا برکاتی کا تعلق ہریوا سے ہے، ابتدائی تعلیم گاؤں کے ادارہ دارالعلوم فیضان وارث سے ہی حاصل کی پھر حمیدیہ بنارس اور ضیاء العلوم ادری سے ثانوی درجے کی تعلیم لی۔ بعد میں کلکتہ کا رخ کیا اور فراغت تک ضیاء الاسلام ہوڑہ کلکتہ میں ہی اکتساب علم کیا۔ اپنی علمی ودینی اور خطیبانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تشریف لے جا رہے ہیں اور لوگوں کی علمی پیاس بجھا رہے ہیں ایک کتاب بنام 'حیات طیبہ سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ' تحریر بھی کی ہے، سماجی خدمت بھی کرتے رہتے ہیں اور اسی سلسلے میں بنگلہ دیش کا دورہ بھی کیا ہے۔ مولانا اعجاز انجم اشرفی آپ بہترین خطیب ہیں، حق اور کھری بات کہنے میں یقین رکھتے ہیں۔ مولانا عمار احمد قادری مصباحی فراغت کے بعد سے ہی مختلف اداروں میں خدمات کی انجام دہی کے بعد فی الحال اسکول ٹیچر ہیں اور ہریوا جامع مسجد کے خزانچی بھی۔ مولانا قمر عارف ازہری جامع اشرف کچھوچھہ شریف سے فراغت کے بعد عارف نے الجامعۃ الازہر مصر سے بھی علم حاصل کیا ہے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ یہ پہلے سہرساوی ہیں جنھیں ازہری ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جامع اشرف کچھوچھہ شریف میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، فی الحال مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد سے ایم اے عربک کر رہے ہیں۔ مولانا رضوان احمد قادری کھجراہا سے ان کا تعلق ہے جامع اشرف سے فراغت کے بعد ندوہ سے بھی خوشہ چینی کی ہے۔ فی الحال اپنے علاقے میں ملی خدمات میں سرگرم رہتے ہیں اور ہریوا کنیا مکتب اسکول میں بحیثیت استاد خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مولانا شاہد رضا اور مولانا سرفراز، مولانا ابوالفتح آپ سبھی بھتمنڈل گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں اور مولانا اکبر چھمنیاں کے رہنے والے ہیں۔ مولانا شاہد رضا جامعی اشرفی کا تعلق چکنی گاؤں سے ہے اور فی الوقت مدرسہ عمادیہ پٹنہ کے پرنسپل ہیں۔ کھجراہا سے تعلق رکھنے والے منہاج عالم علاقے کے لیے مثال ہیں جو کہ دارالعلوم فیضان وارث سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد (BPSC) بہار پبلک سروس کمیشن کا امتحان کامیاب کر کے عالم نگر چوساضلع مدھے پورہ میں بلاک ترقیاتی آفیسر (B.D.O) کی خدمات انجام دے رہے ہیں، ہنوز میری معلومات کے مطابق سہرسہ ضلع سے پہلے مسلم ہیں جس نے اس طرح کے مقابلہ جاتی امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر زاہد صاحب کا تعلق گھوڑ دوڑ کی سرزمین سے ہے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم بی بی ایس کی تعلیم مکمل کی اور آنکھ کے اسپشلیسٹ ڈاکٹر تسلیم کیے جا رہے ہیں۔ بہار گورنمنٹ میں ملازمت اور میڈیکل آفیسر ہیں اور سمری بختیار پور میں پرائیوٹ ہاسپٹل کے ذریعے عوامی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ذوالنورین سیفی کا تعلق ہریوا گاؤں سے ہے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم بی بی ایس کر رہے ہیں۔ وجیہ احمد تصور کا تعلق چھمنیاں گاؤں سے ہے، بچپن ہی سے ان کی تحریریں پڑھتا آیا ہوں، جب کہ خاتون مشرق کا بول بالا تھا، فی الحال گورنمنٹ ٹیچر ہیں۔ سوشل سائٹ فیس بک پر بہت زیادہ ایکٹیو ہیں اور علاقے کی اہم خبروں کو اردو اور ہندی زبانوں کے ذریعے خوبصورت الفاظ وجملے میں پروکر عام لوگوں تک بحسن وخوبی پہنچا رہے ہیں، مذکورہ سبھی اہل سمری بختیار پور کے لیے مستقبل کے سنہرے باب کا درجہ رکھتے ہیں۔

■

Md. Khushtar
Research Scholar, Dept of Urdu
School of Humanities
Hyderabad Central University
Hyderabad - 500046 (Telangana)
Mob.: 8341116397

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

Maulana Azad National Urdu University

(A Central University established by an Act of Parliament in 1998)
Accredited "A" Grade by NAAC
Gachibowli, Hyderabad – 500032.

National Seminar on

"Prospects of Translation as an Upcoming Academic Discipline and Significant Profession "

Organized by

Department of Translation

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

This is to certify that Mr./ ~~Ms./ Dr~~. Md. Khushtar

has ~~participated~~/ presented paper entitled "ترجمہ کی مختلف تعریفوں کا تنقیدی جائزہ"

in the Two day National Seminar at Maulana Azad National Urdu University,

Hyderabad on 27th & 28th February, 2018.

Khushtar

Dr. Mohd. Khalid Mubashir uz Zafar
Director Seminar

AZADI KA AMRIT MAHOTSAV

Collaboration with Student Welfare Department, Chief Warden Office and Department of Urdu, University of Hyderabad

प्रतिष्ठित संस्थान
INSTITUTION OF EMINENCE

Two-day National Seminar on

"Urdu Adab Mein Hindustani Anasir: 1947 Ke Baad"

held on 9th & 10th February 2022.

CERTIFICATE

This is to certify that Dr./ Mr./ Ms. Md. Khushtar of Dept. of Urdu, University of Hyderabad has presided/ attended as resource person/ participated/ presented a paper titled Muzaffar Hanfi Ki Tehreeron mein Hindustani Anasir

in Tow-day National Seminar in URDU ADAB MEIN HINDUSTANI ANASIR 1947 KE BAAD held on 9th & 10th February 2022.

Dr. Arshia Jabeen	Dr. Mohd. Kashif	Prof. Syed Fazlullah Mukarram	Prof. G. Nagaraju
Seminar Co-ordinator	Seminar Co Co-ordinator	Head	Dean
Department of Urdu,	Department of Urdu,	Department of Urdu	Student Welfare
University of Hyderabad	University of Hyderabad	University of Hyderabad	University of Hyderabad

University of Hyderabad
(A Central University by an Act of the Parliament)
Department of Urdu School of Humanities

प्रतिष्ठित संस्थान
INSTITUTION OF EMINENCE

DECLARATION

I, **MD KHUSHTAR**, hereby declare that the research embodied in the present thesis entitled "**MUZAFFAR HANAFI KI ILMI VA ADABI KHIDMAT**" submitted by me under the supervision of **Dr. Arshia Jabeen** is a bonafide research work for the award of Doctor of **Philosophy** in **Urdu** from the **University of Hyderabad**. I also declare to the best of my knowledge that it has not been submitted in part or full to this or any other University or Institution for the award of any degree or diploma. I hereby declare that my thesis can be deposited in Sodhganga/ INFLIBNET.

Date:.....

Place: Hyderabad

Name: **Md Khushtar**

Reg. No. 14HUPH01

University of Hyderabad

(A Central University by an Act of the Parliament)

Department of Urdu School of Humanities

प्रतिष्ठित संस्थान
INSTITUTION OF EMINENCE

CERTIFICATE

This is to certify that the thesis entitled "**Muzaffar Hanafi Ki Ilmi Va Adabi Khidmat**" submitted by **MD KHUSHTAR** bearing Enrollment No. **14HUPH01** in partial fulfillment of the requirements for award of **Doctor of Philosophy** in the School of Humanities, Department of Urdu is bonafide work carried out by him under my supervision and guidance.

The thesis is free from plagiarism and has not been submitted previously in part or full to this or any other University or Institution for award of any degree or diploma.

Papers related to this thesis have been published and presented, their details are given below:

A. Topics and Publications' Name;

1. "Maulana Azad aur unke Siyasi Afkaar", published in Monthly Qaumi Zaban Hyderabad, Telangana, page 63, Nov.2016, (ISNN:2321-4627)
2. "Simri Bakhtiyarpur ka Ilmi Adbi Manzarnama", published in Monthly Urdu Duiya, New Delhi, page 42, May 2022, (ISNN:2249-0639)

B. Topics and Seminars' details

1. "Muzaffar Hanfi ki Tahreeron men Hindustani Anasir" in Two-day National Seminar on Urdu Adab men Hindustani Anasir: 1947 ke Baad at Department of Urdu University of Hydrabad on 9th and 10th Feb.2022
2. "Tarjuma ki Mukhtalif Tareefon ka Tanqidi Jaeza", in Two-day National Seminar on "Prospects of Translation as an Upcoming Academic Discipline and Significant Profession, 27th and 28th February, 2018 at Department of Translation, Maulana Azad National Urdu University, Hydrabad

Further, the student was exempted from doing course work (Recommended by Doctoral Committee) on the basis of the following courses past during his M.Phil. Programme and the M.Phil. Degree was awarded by Maulana Azad National Urdu University Hyderabad.

Sl. No.	Course Code	Course Title	Credit	Result
1	Semester1-P-1	Tahqeeq o Tadveen	78	Pass
2	P-2	Adab Ke Mutalaa Ke Tareeqai Kar	67	Pass
3	P-3	Broad Field	06	Pass
4	Semester- 2 P-1	Presentation-1	72	Pass
5	P-2	Presentation-2	74	Pass
6	P-3	Presentation-3	75	Pass
7	Semester-3	Dissertation	120	Pass
8	Semester-3	Dissertation	120	Pass
		Viva Voce	42	Pass

Supervisor **Head of the Department** **Dean School of Humanities**

प्रतिष्ठित संस्थान
INSTITUTION OF EMINENCE

MUZAFFAR HANFI KI ILMI VA ADABI KHIDMAT

A THESIS SUBMITTED TO THE UNIVERSITY OF HYDERABAD
IN PARTIAL FULFILMENT OF THE REQUIREMENT FOR
THE AWARD OF DEGREE OF

DOCTOR OF PHILOSOPHY
IN URDU

SUMITTED BY

MD KHUSHTAR

(ENROLMENT NO: 14HUPH01)

SUPERVISOR

DR. ARSHIA JABEEN

ASSOCIATE PROFESSOR, DEPARTMENT OF URDU
UNIVERSITY OF HYDERABAD

DEPARTMENT OF URDU, SCHOOL OF HUMANITIES
UNIVERSITY OF HYDERABAD, GACHIBOWLI,
HYDERABAD, TELANGANA - 500046

September, 2022